سچے جذبوں سے گندھی، انسانی جذبات اور احساسات سے مزین فرحت اشتیاق کی ایک اور بہت خوبصورت تحریر

بن روئے آنسو

فرحت اشتیاق

انتساب!

اپنے محترم والد محمد اشتیاق کے نام

"جو ایک مثالی باپ اور بہت اچھے انسان ہیں۔

میرے ہیروز کی طرح بہت جینئس

منٹوں میں بغیر کیلکولیٹر کے بڑی بڑی Figures کیلکولیٹ کر لینے والے، دنیا کے ہر موضوع پر بے تحاشا معلومات اور علم رکھنے والے،

حساس اور انسان دوست اتنے کہ اپنے پرائے ہر ایک کی تکلیف دل سے محسوس کرنے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنے والے،

اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی ان خوبیوں اور اچھائیوں پر فخر کرنے کی بجائے سادگی اور منکسر المزاجی کو اپنائے رکھنے والے،

میرے ذہن میں جو ایک آئیڈیل مرد کا تصور ہے، وہ جو میرے بیشتر ناولز کا ہیرو ہے، وہ میرے ابو ہیں!

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیش لفظ

''بن روئے آنسو'' کہانی تو شاید نئی نہیں، مگر اسے نئے انداز سے کہنے کی میں نے کوشش ضرور کی ہے۔ سادہ سی کہانی ہے اور سادہ ہی انداز میں، میں نے اسے کہنے کی کوشش کی ہے کہ میں سمجھتی ہوں سادگی سے کہی جانے والی بات زیادہ اثر رکھتی ہے۔

مجھے اپنی تحریر میں انسانی جذبات اور احساسات پر توجہ مرکوز رکھنا پسند ہے۔ سو اپنے مرکزی کردار صبا شفیق کے جذبات اور احساسات کو میں نے اپنے دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ محسوس کیا اور لکھا ہے۔ میں صبا کے ساتھ روئی اور ہنسی ہوں۔ لکھنے کے دوران میرے کردار میرے لیے زندہ انسان بن جاتے ہیں اور پھر میں اپنے ان کرداروں سے محبت کرنے لگتی ہوں۔ انہیں بڑی چاہت سے لکھتی ہوں، خوب سجا سنوار کر اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔

میں نے اس ناول کو اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اور بڑی محبت سے لکھا ہے۔ میں اسے محبت ہی کے ساتھ اپنے قارئین کی نذر کر رہی ہوں۔

میرا اس بات پر یقین ہے کہ جو چیز محبت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے، وہ محبت کے ساتھ ہی قبول بھی کی جاتی ہے۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لئے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ میری کتابوں کے حقوقِ اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

فرحت اشتیاق

WWW.PAKSOCIETY.COM

بن روئے آنسو

پھراس نے اس گھر میں قدم رکھا، جس میں وہ زندگی میں دوبارہ کبھی آنا نہیں چاہتی تھی۔ پھولوں سے بھرا وہ خوب صورت لان بہت سونا اورخاموش لگا تھا اسے۔

''سنو وہ کہاں ہے؟'' اس نے پھولوں سے بے آواز پوچھا۔ وہ جواب میں بالکل خاموش رہے تھے۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے گھر کے اندر آ گئی۔

''پہلے سارا گھر تو دیکھ لو۔ تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔ میں نے اسے اتنی اچھی طرح سجایا ہے۔'' اس کے بالکل تقریباً ایک آواز ابھری ہے۔ اس نے چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ اس گھر کے انٹیریر پر نظریں دوڑا رہی تھی۔ وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا، کہیں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ ہر چیز اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھی۔ جو کچھ جب تھا، وہی سب کچھ اب بھی تھا۔ لیکن پھر بھی وہاں سب کچھ ویسا نہیں تھا۔ وہاں ایک کمی تھی۔ بہت بڑی کمی۔ سب سے بڑی کمی۔ وہ اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے لاؤنج سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی تو پیچھے لاؤنج سے ایک آواز آئی۔

''کبھی کبھی مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ محبت کے کھو جانے کا ڈر۔ اس کے چھن جانے کا ڈر۔ پتا نہیں محبت اتنی وہمی کیوں ہوتی ہے۔'' اس نے مڑ کر لاؤنج میں رکھے صوفے کی طرف دیکھا۔

''اوپر اوپر سے غصہ دکھا رہی ہو۔ اندر سے تو خوش ہو رہی ہو گی کہ جس بندے کے پیچھے اتنی لڑکیاں پڑی ہیں، وہ میرے پیچھے پڑا ہے۔'' اس نے زخمی نگاہوں سے اس خالی صوفے کی طرف دیکھا۔ وہ وجود آج اپنی مخصوص کرسی پر سے غائب تھا۔ اس کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔ وہ فوراً ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

سامنے نظر آتے کچن کی طرف خود بخود ہی اس کے قدم اٹھے تھے۔

''خود ہی بدتمیزی کرتی ہو، پھر مظلوم سی شکل بنا کر رونے بھی کھڑی ہو جاتی ہو۔

''زندگی میں بہت سی باتیں ہمیں ناگوار گزرتی ہیں۔ مگر کسی ناگوار بات پر اس طرح ری ایکٹ کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔ تمہارے کل کے رویے پر مجھے بہت دکھ ہوا۔'' وہ خاموشی سے اسی جگہ کو تک رہی تھی۔ آج وہاں کوئی نہیں تھا جو اس سے کہتا۔ ''نہیں ہوں بابا میں تم سے ناراض۔ اب کب تک یہ رونی صورت بنائے رکھو گی؟'' اس کے دل نے شدت سے دعا مانگی کہ کہیں سے بھی وہ آ جائے۔ بالکل اچانک۔ وہ آئے اور آ کر اسے حیران کر دے۔ اس نے بھینچ کر آنکھیں بند کیں۔ پھر دوبارہ کھولیں۔ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔ وہاں پر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے رونے کی

کوشش کی، مگراس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکل رہے تھے۔ وہ رونا چاہتی تھی، بہت شدت سے اور چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی، مگر برسوں سے آنکھوں کے اندر جمے ہوئے آنسو ایک بار پھر پگھلنے سے انکاری ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''آپ فرسٹ کیوں نہیں آئے ارتضٰی بھائی؟''

وہ بہت خفگی سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ ہر سال ارتضٰی اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن لیا کرتا تھا۔

اب کی بار جب وہ پہلی پوزیشن نہیں لے پایا تو سب ہی کو خاصا دکھ ہوا تھا۔ مگر کسی نے اس سے کچھ کہا نہیں تھا بلکہ سب نے اس کا حوصلہ بڑھانے اور دل جوئی کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر صبا! اور وہ یہ بات برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی کہ ارتضٰی غضنفر کہیں، کسی جگہ ہارے۔ ارتضٰی کی کلاس میں دوسری پوزیشن، صبا کے لیے ایسی تھی جیسے وہ فیل ہو گیا ہو۔ وہ خود بھی تھوڑا دل برداشتہ سا تھا۔ اسی لیے صبا کا روٹھے لہجے میں کیا جانے والا شکوہ زیادہ ہی شدت سے محسوس ہوا تھا۔

''دیکھا نہیں تھا، کتنی طبیعت خراب تھی ارتضٰی کی، امتحان کے دنوں میں پیپرز سے دو دن پہلے تو بے چارہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آیا تھا اور گھر آ کر بھی طبیعت کہاں سنبھلی تھی۔ لیکن اتنی بیماری میں بھی میرا بچہ اتنے اچھے گریڈز کے ساتھ پاس ہوا ہے۔ کلاس میں دوسری پوزیشن لی ہے۔ میرے لیے تو یہی بہت ہے۔ انشاء اللہ اگلے سال ارتضٰی ہی پہلی پوزیشن لے گا۔ ساری ٹرافیاں اور تمام شیلڈز میرے بیٹے ہی کو ملیں گی۔'' اماں سے ارتضٰی کی اداس شکل دیکھی نہ گئی تھی۔ جھٹ اس کا سر اپنے کندھے سے لگاتے ہوئے بہت محبت سے بولی تھیں۔

ایک دو دن وہ اس صدمے کے زیر اثر رہا مگر پھر اس نے اپنی اس ناکامی کو اعصاب پر سوار کرنے کے بجائے نارمل انداز میں دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''ہمیشہ جیتنے والے کبھی ہار بھی تو جاتے ہیں، اب میں نے مختلف انداز میں سوچنا شروع کر دیا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ میں کبھی نمبر دو بھی ہو سکتا ہوں۔ ضروری نہیں جب، جو میں چاہوں وہ مجھے مل بھی جائے۔ کبھی کبھی میرے بہت چاہنے پر بھی مجھے میری پسندیدہ چیز نہیں مل سکتی اور مجھے اسے نارمل طریقے سے لینا چاہیے۔'' اس روز اسکول جاتے ہوئے ارتضٰی نے یہ بات ظفر سے کہی تھی۔

ابھی اس کی عمر اتنی نہیں تھی جتنا وہ میچور ہو گیا تھا۔ پتا نہیں ماں کی کمی نے اسے وقت سے پہلے میچور کر دیا تھا یا پھر اس سوچ نے کہ وہ اس گھر کا بڑا بیٹا ہے۔ جو بھی تھا بہر حال وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھ دار اور بردبار تھا جبکہ صبا اپنے بچپن کے دنوں کو پوری طرح انجوائے کرتی، بہت ضدی، بہت شریر، بہت جلدی روٹھنے اور اتنی ہی جلدی مان جانے والی بچی تھی۔ وہ ارتضٰی سے سات سال چھوٹی تھی۔ مگر ان دونوں کی آپس میں دوستی بہت تھی۔ ان کی دلچسپیاں اور مشاغل بھی قریب قریب ایک جیسے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ ظفر اور ارتضٰی کے دوست گھر پر کھیلنے آئے ہوئے ہوتے، وہ زبردستی ان لوگوں کے کھیل میں شامل ہونے کی کوشش کرتی تو ظفر ہمیشہ اسے جھڑک کر بھگا دیا کرتا۔

''لڑکیاں کرکٹ نہیں کھیلتیں۔ تم جا کر اپنی ڈولز سے کھیلو۔'' اپنے سے چھ سال چھوٹی بہن کو وہ ذرا کم ہی خاطر میں لایا کرتا تھا۔ وہ منہ

بسورتے ہوئے ارتضیٰ کی طرف دیکھتی تو وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ظفر کو ٹوکتے ہوئے اسے کھیل میں شامل کرلیا کرتا۔ ظفر اور باقی دوست منہ بناتے ہوئے اس نادر شاہی حکم کو سنا کرتے۔

ارتضیٰ کا اس کے ساتھ بڑا شفقت بھرا، دھیما اور بزرگانہ انداز ہوا کرتا تھا۔ کبھی اگر ظفر کسی بات پر صبا کو سخت لہجے میں کچھ کہتا یا ڈانٹ ڈپٹ کرتا تو ارتضیٰ فوراً اسے ٹوکتا۔

''ابھی وہ چھوٹی ہے ظفر! کیا ہو گیا اگر اس نے تمہارا پین لے لیا۔ استعمال کر کے رکھ دے گی واپس۔'' وہ اپنی حمایت کرنے پر ارتضیٰ کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھنے لگتی۔

''لیکن صبا! یہ بہت بری بات ہے، بغیر پوچھے کسی کی چیز لینا، تمہیں اگر پین اچھا لگ رہا تھا اس سے لکھنے کا دل چاہ رہا تھا، تو تم ظفر سے پوچھ کر لے لیتیں۔''

ظفر کے جانے کے بعد وہ اس کے پاس بیٹھ کر متانت سے سمجھاتا تو وہ اپنی غلط حرکت پر شرمندہ ہوتی آئندہ کسی کی چیز بغیر پوچھے نہ لینے کا وعدہ کرلیتی۔ ارتضیٰ کے ان ہی رویوں کے سبب وہ اس سے بہت قریب ہوگئی تھی۔ اپنی ہر پرابلم وہ بڑے آرام سے اس سے ڈسکس کرلیا کرتی تھی۔ وہ بغیر ٹوکے بڑے سکون سے اس کا ہر مسئلہ سنتا اور پھر اس کا کوئی نہ کوئی حل بھی بتا دیا کرتا۔

☆☆☆

FOR MORE QULAITY NOVELS, MONTHLY DIGESTS WITH DIRECT DOWNLOAD LINKS, VISIT US AT
http://www.paksociety.com

وقت کچھ اور آگے بڑھا، ارتضٰی اور ظفر اسکول سے نکل کر کالج اور کالج سے یونیورسٹی پہنچ گئے۔ لیکن اس کی ارتضٰی کے ساتھ دوستی میں کوئی کمی نہ آئی۔

رات کو وہ ارتضٰی کے کمرے میں گئی۔ وہ اپنی اسٹڈی میں رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا پڑھنے میں مصروف تھا۔

''آپ بزی ہیں، میں بعد میں آجاؤں گی۔'' وہ اسے مصروف دیکھ کر پلٹنے لگی تھی۔

''ایسا کوئی خاص مصروف نہیں ہوں۔ بس صرف آج کے لیکچرز پر ایک نظر ڈال رہا تھا۔ پوچھو، کیا پوچھنا ہے؟'' ارتضٰی نے فائل بند کرتے ہوئے اسے جانے سے روکا۔

''آپ یونیورسٹی میں جو کچھ پڑھ کر آتے ہیں، اسے اسی روز یاد بھی کر لیتے ہیں؟'' وہ اس کی کرسی کے ہتھے پر بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس معصومانہ سوال پر بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''آپ ہنسے کیوں؟'' اسے اس کا ہنسنا برا لگا تو منہ پھلا کر بولی۔

''بس یونہی، یونیورسٹی کی ایک بات یاد آ گئی تھی۔ ہاں پوچھو، تمہیں کیا پوچھنا ہے۔'' وہ چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے بولا تو اس نے جھٹ اپنا جرنل کھول لیا۔

''مجھے نیوٹن کا یہ Law سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

For every action there is an equal and opposite reaction

(ہر عمل کا مساوی اور متضاد ردعمل ہوتا ہے)

''بڑی سیدھی سی بات ہے صبا! خوامخواہ نیوٹن نے اپنا نام روشن کیا ہے۔ یہ بات تو کوئی چھوٹا سا بچہ بھی بتا سکتا ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں ایک زوردار تھپڑ ماردوں تو تم جواب میں کیا کرو گی؟ وہ شوخی سے مسکراتا ہو بولا۔

''آپ مجھے کبھی مار ہی نہیں سکتے۔'' اس نے فوراً یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

''بھئی فرض کرلو۔'' وہ اس کے پر یقین انداز پر دھیمے سے ہنسا۔

''مجھے بہت دکھ ہوگا۔ میں روؤں گی۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

''چلو رونا بھی ایک ردعمل ہی ہوا۔ مگر میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میرے زوردار تھپڑ کے جواب میں تم بھی مجھے اتنے ہی زور سے تھپڑ مارو گی۔'' وہ کہتے کہتے کچھ سوچ کر شرارت سے مسکرایا۔ ''اب دیکھو اگر اماں کو یہ پتا چل جائے کہ دن دھاڑے ان کی کیریاں کون چرا کر لے جا رہا ہے تو وہ اس چور کے ساتھ کیا سلوک کریں گی؟ چور کی چوری ایک عمل تھا اور اماں کی جوابی کارروائی اس عمل کا equal and opposite ری ایکشن ہوگا۔''

صبا اس کی بات پر ہونق سی ہوگئی تھی۔ اپنی اتنی مہارت سے کی جانے والی چوری پکڑے جانے پر وہ بہت شرمندہ تھی۔

''بہت مرتبہ تمہیں چپکے چپکے کیریاں اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''اب آپ کہیں گے کہ چوری کرنا بری بات ہے۔لیکن ارتضیٰ بھائی! اماں اور مما مجھے کیریاں اور املی کھانے نہیں دیتیں۔ میری سب دوستیں اتنے مزے لے لے کر املی اور کیریاں کھاتی ہیں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے۔ مما کہتی ہیں، تمہارا گلا خراب ہو جائے گا۔اب آپ خود بتائیں، میں اس طرح چرا کر نہ کھاؤں تو کیا کروں؟'' وہ معصومانہ انداز میں اپنے عمل کی تائید چاہ رہی تھی۔ساتھ ہی یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں ارتضیٰ بھائی، اماں کو بتا نہ دیں۔مگر اس کا یہ ڈر غلط ثابت ہوا۔ارتضیٰ نے ان سے کچھ بھی نہ کہا تھا۔

البتہ اسے اتنی اچھی طرح اس حرکت سے منع کیا تھا کہ وہ فوراً مان گئی تھی۔ نصیحتیں سننا تو کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ پھر وہ بارہ سال کی صبا نصیحت سننا کیسے پسند کر سکتی تھی۔لیکن ارتضیٰ کا نصیحت کرنے کا انداز اتنا اچھا ہوا کرتا تھا کہ اسے اس کا نصیحت کرنا اور کسی بات پر کچھ سمجھانا کبھی بھی برا نہیں لگتا تھا۔

''چھپ کر تو ہم وہ کام کرتے ہیں صبا! جس کے بارے میں ہمیں پتا ہوتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ مما تمہیں اس لیے منع کرتی ہیں کہ پھر اگر تمہارا گلا خراب ہو گیا اور تم بیمار ہو گئیں تو سب سے زیادہ پریشانی بھی تو ان ہی کو ہو گی۔ ویسے کبھی کبھار اس طرح کی چیزیں کھانے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ میں مما سے کہوں گا کہ صبا کو کبھی کبھی اس کی پسند کی اوٹ پٹانگ چیزیں کھانے دیا کریں۔''

اس صبح وہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر نیچے آیا تو لاؤنج میں اماں اور صبا بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اسکول یونیفارم پہنے۔اماں سے اپنی چوٹی بنوا رہی تھی۔ اپنے لمبے بالوں سے سخت الجھن ہوتی تھی۔کئی مرتبہ وہ مما سے اس بات پر جھگڑا کر چکی تھی مگر نہ مما اور نہ ہی اماں دونوں میں سے کوئی بھی اسے بال کٹوانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

''بے وقوف! لمبے بالوں میں تو اصل خوب صورتی ہوتی ہے۔'' وہ اسے سمجھایا کرتیں۔ وہ حیران ہوتی کہ ان فضول لمبے بالوں میں اماں اور مما کو خوب صورتی کہاں سے نظر آ جایا کرتی تھی۔اس کے لیے تو یہ خوب صورتی وبال جان تھی۔

مما مصروف تھیں، وہ اماں کے پاس...... آ تو گئی تھی لیکن اسے ان کی بنائی چوٹی پسند نہیں آ رہی تھی۔اس نے اماں کی بنائی چوٹی کھول دی تھی اور اماں اس کے نخروں پر سخت برہم نظر آ رہی تھیں۔

''بڑھاپے میں اتنا دم کہاں سے لاؤں کہ تمہاری ماں جیسی کسی ہوئی، تمہارے مطلب کی چٹیا باندھ سکوں۔'' وہ دونوں الجھی ہوئی تھیں۔

''لاؤ صبا! میں بنا دوں۔'' اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے ارتضیٰ نے اچانک اپنی خدمات پیش کیں تو اماں کے ساتھ ساتھ صبا بھی اس پیش کش پر بری طرح حیران ہوئی۔

اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے بھئی۔اتنی دیر سے میں اماں کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ تو بڑا آسان سا کام ہے۔

اماں! صبا پر غصے کے باوجود بھی ارتضیٰ کی اس انوکھی پیشکش پر ہنسنے لگی تھیں۔ جبکہ وہ اماں کے ہاتھ سے برش لے کر ارتضیٰ کے پاس آ گئی تھی۔اماں ہنستے ہوئے اس دلچسپ سی سچوایشن کو دیکھ رہی تھیں۔ارتضیٰ اوپر صوفے پر برش لیے بیٹھا تھا اور صبا اس کے پیروں کے پاس کارپٹ پر۔

''اتنے لمبے بال...... صبا! تم ان میں کیا ڈالتی ہو۔ میرا مطلب ہے کون سی کھاد؟'' وہ اس کے گھنے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتے

ہوئے تعجب سے بولا۔ وہ ابھی جواب دینے کے لیے لب کھولنے ہی والی تھی کہ اچانک ایک زوردار چیخ اس کے حلق سے نکلی۔

''کیا ہوا؟'' ارتضٰی اس کے چیخنے پر حیران ہو گیا۔

''اتنے زور سے میرے بالوں کو کھینچا ہے اور پھر پوچھ رہے ہیں کیا ہوا۔'' اس نے گردن موڑ کر شکایتی انداز میں کہا۔

''ابھی تم خود ہی تو اماں سے کہہ رہی تھیں کہ بالکل ٹائٹ سی چوٹی بنائیں۔''

''ہاں، لیکن یہ تھوڑی کہا تھا کہ بالوں کو جڑ سے ہی اکھاڑ دیں۔'' وہ جواباً ناراضی سے بولی۔

''اب ٹھیک ہے؟ اب تو تکلیف نہیں ہو رہی؟''

اس نے بالوں کو ذرا ہلکے ہاتھ سے پکڑتے چوٹی میں پہلا بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔ صبا نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''ہائیں! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' لاؤنج میں آتا ہوا ظفر اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ کر دور سے ہی چلایا۔

''صبا کو اماں کے ہاتھ کی چوٹی پسند نہیں آ رہی تھی اس لیے۔''

''اس لیے تم نے صبا کے ہیئر اسٹائلسٹ کی ڈیوٹی سنبھال لی۔'' ظفر نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے برجستہ کہا۔

''بات کرتا ہوں میں آج بابا سے۔ کہوں گا، آپ ناحق اکلوتے بیٹے کی تعلیم پر اتنا پیسہ خرچ کر رہے ہیں۔ وہ موصوف تو مستقبل میں بیوٹی سیلون کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' ارتضٰی اس کے مذاق اڑانے پر برا مانے بغیر اپنے کام میں مشغول رہا۔

''تھینک یو ارتضٰی بھائی! اتنی اچھی طرح کس کر چوٹی باندھی ہے آپ نے اب سارا دن میرا آرام سے گزر جائے گا۔'' ارتضٰی نے سات آٹھ بل دے کر بال اس کے حوالے کیے تو وہ جلدی جلدی چوٹی میں بل ڈالتے ہوئے بولی۔

''اب تو میں روزانہ آپ سے ہی چوٹی بنوایا کروں گی۔'' اپنی کمر سے بھی نیچے آتی ہوئی چوٹی کو بینڈ لگاتے ہوئے اعلان کیا تو ارتضٰی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔

''ناں بابا ناں، آئندہ کے لیے سوری۔''

''اور اپنے ٹیلنٹ کا مظاہرہ کروان محترمہ کے سامنے۔ اب مشکل ہی ہے کہ یہ بلا تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔'' وہ اپنے لیے ''بلا'' کا لفظ سنتے ہی ظفر سے لڑنے مرنے پر تیار ہو گئی تھی۔ یونہی لڑتے جھگڑتے وہ لوگ ناشتے کے لیے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

''آج تو ہماری مما صبح ہی صبح بڑی خوش نظر آ رہی ہیں۔'' ظفر نے پتا نہیں کس بات سے یہ اندازہ لگایا تھا۔

''بہت صحیح اندازہ لگایا ہے آپ نے برخوردار۔'' ڈیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''انس کا رات فون آیا تھا۔ وہ لوگ اگلے ہفتے پاکستان آ رہے ہیں۔'' ڈیڈی نے اب کی بار اماں کو مخاطب کیا تھا۔ مما کی بے تحاشا خوشی کا سبب صبا سمیت سب ہی کی فوراً سمجھ میں آ گیا تھا۔

''انس ماموں آ رہے ہیں یعنی کہ ثمن پاکستان آ رہی ہے۔'' اس نے دل میں بے حد خوشی محسوس کرتے ہوئے سوچا تھا۔ سال ڈیڑھ سال

میں وہ لوگ پاکستان کا ایک چکر ضرور لگایا کرتے تھے۔ ثمن اس گھر کے ہر فرد کے لیے بہت زیادہ اہم تھی۔ مگر مما اور ڈیڈی کے لیے وہ باقی سب لوگوں سے کچھ زیادہ اہم تھی اور وہ اہم کیوں نہ ہوتی۔ وہ شفیق علی اور ملیحہ شفیق کی سگی بیٹی تھی۔ اولاد کوئی بانٹنے والی چیز نہیں مگر بعض اوقات حالات اور واقعات ایسا رخ اختیار کرتے ہیں کہ انسان کو بہت سے کام دل نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پڑ جاتے ہیں۔

ملیحہ شفیق کے لیے ان کا بڑا بھائی صرف بھائی ہی نہیں بلکہ باپ کی طرح تھا۔ جس نے ماں باپ کے مرنے کے بعد بہن کا ہر طرح خیال رکھا۔ اسے کبھی ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور پھر جب بہن کی شادی کا وقت آیا تو اس کے لیے ایک بہترین گھرانے اور بہترین شریک سفر کا انتخاب کر کے اپنے سب فرائض بڑے احسن طریقے سے ادا کر دیے۔ شفیق علی انس کے بہت قریبی دوست تھے۔ چہیتی بہن کی شادی اپنے عزیز ترین دوست سے کر کے انہوں نے دوستی کے تعلق کو رشتہ داری میں بدل کر اسے مزید مضبوط کر لیا تھا۔ خدا نے ملیحہ کو جتنا اچھا بھائی دیا تھا، اتنی ہی اچھی بھابھی بھی دی تھی۔ ہر کسی کے دکھ درد میں کام آنے والی، بڑی ملنسار اور خوش مزاج مگر جانے رب کی اس میں کیا مصلحت تھی کہ وہ دونوں محبت کرنے اور محبت بانٹنے والے لوگ اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ کوئی امید ہو تو انسان دعائیں مانگے، معجزوں کا انتظار کرے۔ وہاں تو کوئی امید بچی ہی نہیں تھی۔ پہلی پریگنینسی میں ہی کچھ ایسی پیچیدگی ہوئی تھی کہ اب وہ دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھیں۔ یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ ان کی برداشت اور حوصلے سے بھی بڑا۔ وہ ہر وقت روتی رہتیں۔ شوہر کی تسلیاں دلاسے سب انہیں بے معنی لگا کرتے۔ ان کی حالت دیکھتے ہوئے ڈاکٹرز نے انس کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کوئی بچہ گود لے لیں۔ انہیں خود بھی اولاد کی بہت خواہش تھی، بیوی سے بھی بہت محبت تھی، مگر اس سب کے باوجود بھی کسی پرائے بچے کو اپنا بچہ بنانے کے لیے وہ کسی طور راضی نہ ہوتے تھے۔ ملیحہ، بھائی اور بھابھی کے اس غم پر بہت دکھی ہوتی تھیں۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ کس طرح وہ اپنے جان سے پیارے بھائی کی زندگی سے اس کمی کو دور کر دیں اور ایسے ہی ایک جذباتی سے لمحے میں وہ بھابی سے یہ وعدہ کر بیٹھی تھیں کہ اس بار ان کے ہاں بیٹا یا بیٹی جو بھی ہو وہ اسے ان کی گود میں ڈال دیں گی۔

ثمن کے پیدا ہونے پر جب بھابھی انہیں ان کا وعدہ یاد دلانے آئیں تو ان کا دل اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا۔

''تمہارے پاس تو ظفر ہے ملیحہ! تمہارا بیٹا، اور اس کے بعد بھی تم دوبارہ ماں بن سکتی ہو جبکہ میرے پاس تو ایسی کوئی امید ہی نہیں ہے۔ کسی اور کے بچے کو انس کبھی گود لینے پر راضی نہیں ہوں گے۔ ثمن تو ان کی بھانجی ہے۔ ان کا خون۔ اسے تو وہ دل و جان سے قبول کریں گے تم مجھے خود غرض سمجھ لو، یا جو بھی، بس ثمن مجھے دے دو۔'' وہ ملیحہ کے چہرے پر نظر آتے انکار کو دیکھ کر روتے ہوئے بولی تھیں۔ رونا اور گڑگڑانا صرف ملیحہ ہی کا نہیں بلکہ شفیق کا دل بھی موم کر گیا تھا۔

دل پر بہت بھاری پتھر رکھ کر ملیحہ نے اپنی بیٹی، باپ جیسے بھائی اور شفیق نے اپنے عزیز ترین دوست کے سپرد کر دی تھی۔ ثمن ایک سال کی تھی جب انس کو آسٹریلیا میں ایک بہت اچھی جاب آفر ہوئی اور یوں وہ لوگ سڈنی چلے گئے۔ ثمن وہاں بہت خوش تھی۔ وہ جب یہاں آتی بالکل مہمانوں کی طرح ان لوگوں سے الگ تھلگ رہا کرتی گو کہ ثمن کے دو سال بعد ہی اللہ نے ان کی جھولی میں صبا ڈال دی تھی۔ ظفر اور صبا کے ہونے کے باوجود مما اور ڈیڈی ثمن کی کمی بڑی شدت سے محسوس کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ملیحہ کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھائی سے اپنی بیٹی واپس مانگ لیں۔ حالانکہ

وہ لوگ اسے کتنے ناز ونعم میں پال رہے تھے۔ جہاں وہ قدم رکھتی ان دونوں کا بس نہیں چلتا وہاں اپنا دل رکھ دیں۔ انس نے چھ سال کی عمر میں ہی یہ بات ثمن کو بتادی تھی کہ وہ اس کے ماموں، ممانی ہیں اور یہ کہ اسکے سگے ماں باپ وہ ہیں، جن سے وہ لوگ ہر سال ملنے پاکستان جاتے تھے۔ ارتضٰی کے ساتھ ساتھ ظفر اور صبا بھی اس کے لیے کزنز جیسی حیثیت رکھتے تھے۔ صبا نے اپنی بہن کے لیے ہمیشہ ہی دل میں بہت شدید محبت محسوس کی تھی۔

☆☆☆

ثمن، انس ماموں اور ممانی کے ساتھ کراچی آگئی تھی۔ اس کا آنا یہاں سب کے لیے کچھ ایسا تھا جیسے کسی دور دیس کی شہزادی نے ان کے گھر میں قدم رکھ دیا ہو۔ مما اور ڈیڈی کے ساتھ ساتھ اماں، بابا اور صبا کے لیے بھی وہ بڑی خاص شخصیت کا جیسا درجہ رکھتی تھی۔ جتنی اپنائیت کا اظہار یہ لوگ کر رہے تھے۔ ثمن جواب میں ویسی اپنائیت کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔ وہ شاید تھی ہی بہت کم گو اس کا کھنچا کھنچا سا انداز دیکھ کر ارتضٰی اور ظفر بھی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کرتے تھے۔ صبا کا البتہ بڑا دل چاہتا تھا کہ وہ ثمن کے ساتھ خوب ساری باتیں کرے۔ اتنے فاصلوں اور دوری نے ان کے درمیان بے تکلفی اور اپنائیت پیدا نہیں ہونے دی تھی، لیکن ان کا آپس میں جو رشتہ تھا وہ تو ایک اٹل حقیقت تھی۔

''صرف لڑائی جھگڑوں میں ہی تیز ہے ہماری صبا یا پڑھائی میں بھی کچھ کارنامے انجام دے رہی ہے؟''

اس روز کھانے کی میز پر انس ماموں نے اس سے پوچھا۔ ظفر کے ساتھ ہونے والے اس کے معرکوں اور بقول اماں کے قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان کو دیکھ کر غالباً انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔

''صبا شفیق ہر کام میں اچھی ہے ماموں......!'' اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔ انس ماموں اس کے جواب پر ہنستے ہوئے ظفر اور ارتضٰی سے بھی ان کی پڑھائی کے بارے میں باتیں کرنے لگے تھے۔ مما ان لوگوں کی باتوں سے لاتعلق ثمن کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھیں۔ اصرار کر کے وہ مختلف ڈشز اس کے آگے رکھ رہی تھیں۔ سارا سال وہ ان دنوں کا انتظار کرتی تھیں جب ثمن ان کے پاس ہوتی تھی۔ یہ تھوڑے سے دن کتنی جلدی گزر جاتے تھے اور اب کی بار تو ان لوگوں کا قیام ہمیشہ سے بھی زیادہ مختصر تھا کیونکہ ثمن کی خواہش پر انس ماموں اسے مصر گھمانے لے جا رہے تھے چند دن کراچی میں گزار کر ان لوگوں کو قاہرہ جانا تھا۔

ثمن نے صبا کو بتایا تھا کہ اس نے اپنی ہسٹری کی کتاب میں مصر کے بارے میں کافی کچھ پڑھا ہے اور اسی وجہ سے اسے وہاں جانے کا بہت شوق ہے۔ اس نے حسرت سے ثمن کی طرف دیکھا۔ صرف چودہ سال کی عمر میں پتا نہیں اس نے کیا کیا پڑھ ڈالا تھا۔ کم از کم صبا کو تو ہسٹری میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

انس ماموں سے باتوں کے دوران ہی بابا نے یہ انکشاف کر کے کہ وہ ارتضٰی کو آنرز کے بعد مزید تعلیم کے لیے لندن بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں، صبا کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ ایسی کوئی بات اس سے پہلے تو اس کے علم میں کبھی نہیں آئی تھی۔ ارتضٰی کا انداز بھی ایسا تھا جیسے وہ اس بات سے پہلے سے باخبر تھا اور یقیناً بے حد خوش بھی وہ کھانے کے بعد اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آگئی۔

''آپ نے کبھی مجھے بتایا بھی نہیں کہ بابا آپ کو پڑھنے کے لیے باہر بھیجنے والے ہیں۔'' وہ اندر آتے ہی شکایتی انداز میں بولی۔

''اس بارے میں پہلے سے کیا شور مچاتا۔ بس ایک روز بابا نے پوچھا کہ کیا تم لندن جا کر پڑھنے میں انٹرسٹڈ ہو اور میں نے ہاں کہہ دی اور پھر صبا! ابھی تو میرے جانے میں بہت وقت پڑا ہے۔'' اس نے حسب معمول بڑی نرمی سے اس کے سوال کو جواب دیا۔

''آپ مت جائیں ناں ارتضیٰ بھائی! پاکستان میں رہ کر بھی تو پڑھائی کی جاسکتی ہے۔'' وہ اس کے بچکانہ سے اصرار پر آہستگی سے ہنسا۔

''ابھی تو اس سب میں بہت دن پڑے ہیں۔ تم کیوں بلاوجہ اس بات کو سر پر سوار کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر ثمن کو کمپنی دو۔ وہ اتنی دور سے تم سے ملنے آئی ہے۔''

ارتضیٰ نے رسانیت سے کہا اور ارتضیٰ کے سمجھانے پر وقتی طور پر بہل گئی تھی۔ دوسرے یہ بات بھی ذہن میں تھی کہ جب جانے کا وقت آئے گا تو میں انہیں جانے نہیں دوں گی۔ ہمیشہ کی طرح ثمن تھوڑے سے دن رہ کر واپس چلی گئی۔ کتنے دنوں تک مما بات بے بات اس کا ذکر کر کے روتی رہی تھیں۔

☆☆☆

''اچھا، تو تم یہاں ہو۔ میں سارے گھر میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔'' ظفر نے کچن میں آتے ہوئے ارتضیٰ کو مخاطب کیا تھا۔

''ہاں، میں اور صبا مل کر پین کیک بنا رہے ہیں۔ آجاؤ تم بھی، تمہاری بھی دعوت کر دیتے ہیں۔ کیا یاد کرو گے تم بھی۔'' اس نے سر گھما کر ظفر سے کہا۔

''سوئمنگ کے لیے نہیں چل رہے؟ میں تو تمہیں اسی لیے ڈھونڈ رہا تھا۔'' ظفر اور ارتضیٰ اکثر سوئمنگ کے لیے شام میں ایک ساتھ ہی جایا کرتے تھے۔

''موڈ تو تھا میرا جانے کا لیکن اب صبا سے پین کیک بنانے کا وعدہ کر لیا ہے تو وعدہ پورا بھی کرنا پڑے گا۔'' وہ خاموشی سے کھڑی، ارتضیٰ اور ظفر کی گفتگو سن رہی تھی۔ ظفر اس کے انکار پر کندھے اچکاتا کچن سے باہر چلا گیا اور وہ دونوں ایک مرتبہ پھر پین کیک بنانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

اسے خود تو بنانا نہیں آتا تھا وہ تو بس ارتضیٰ کو کام کرتے ہوئے دیکھے جا رہی تھی اور خود ارتضیٰ ذہن پر زور ڈال کر ''اب کیا کرنا ہے؟ اور کیا ڈالنا ہے؟'' کا ورد کیے جا رہا تھا۔ بڑی کوششوں اور جان توڑ محنت کے باوجود بھی جو چیز تیار ہوئی تھی اسے پین کیک کے علاوہ سب کچھ کہا جا سکتا تھا۔ وہ خود ہی اپنے بنائے ہوئے اس عجوبے کا مذاق اڑانے اور منہ بنا بنا کر اسے کھانے میں پیش پیش تھا۔ صبا پین کیک کے بارے میں اس کے دلچسپ تبصروں کو انجوائے کر رہی تھی۔

ارتضیٰ اکثر یونیورسٹی سے سیدھا بابا اور ڈیڈی کے پاس آفس چلا جایا کرتا تھا۔ بابا چاہتے تھے کہ دوران تعلیم ہی ارتضیٰ بزنس کے اتار چڑھاؤ اور عملی زندگی کی دشواریوں سے آگاہ ہو جائے اور انہیں حل کرنا بھی سیکھ جائے۔ چاہتے تو وہ یہ تھے کہ ظفر بھی ارتضیٰ ہی کی طرح آفس آیا کرے لیکن ظفر کو بزنس میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ فزکس میں آنرز کر رہا تھا اور اپنے متعلقہ مضمون کے علاوہ اسے کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ بابا اور ڈیڈی دونوں ہی بچوں پر روک ٹوک اور پابندیاں لگانے کے خلاف تھے۔ ڈیڈی کی کتنی شدید خواہش تھی کہ ظفر ایم بی اے کرے لیکن جب اس نے فزکس

میں ماسٹرز کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اسے خوشی خوشی اجازت دے دی۔ ارتضٰی کا آنرز مکمل ہوتے ہی بابا نے اس کے لندن جانے کے تمام انتظامات مکمل کر دیئے تھے۔ وہ لندن اسکول آف اکنامکس سے M.S.C کرنے جارہا تھا۔

صبا اس کے جانے کا سن کر بہت روئی تھی۔ وہ اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

''آپ مت جائیں ارتضٰی بھائی! آپ چلے گئے تو پھر مجھے میتھس کون پڑھائے گا اور ہسٹری میں جو اتنی ساری ڈیٹس یاد کرنی پڑتی ہیں، وہ کون یاد کروائے گا۔''

وہ ارتضٰی کا ہاتھ پکڑ کر ملتجیانہ لہجے میں بولی۔ اس وقت لاؤنج میں اماں، مما اور ظفر بھی موجود تھے۔

ارتضٰی اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھ کر بردباری سے سمجھانے لگا۔

''میں پرامس لے کر جاؤں گا ظفر سے۔ وہ تمہیں ڈانٹے گا بھی نہیں اور پڑھائی میں ہیلپ بھی کیا کرے گا۔'' مگر وہ اس کی کوئی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''اور صبا! میں کوئی ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں۔ تم دیکھنا اتنی جلدی دو سال گزریں گے اور میں واپس تم لوگوں کے پاس آجاؤں گا۔'' وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے یقین دلانے لگا۔

''ہاں، اگر وہاں کسی میم نے انہیں اپنے چنگل میں نہ پھنسا لیا تو۔'' ظفر نے بڑی برجستگی سے کہتے ہوئے ایک نظر اماں کے چہرے پر ڈالی۔

''میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔'' اماں نے بڑے یقین اور اعتماد سے کہا تھا۔ ''یعنی یہ طے ہے کہ آپ جائیں گے ضرور۔ میرے روکنے سے بھی نہیں رکیں گے۔'' وہ گفتگو کا موضوع تبدیل ہوتا دیکھ کر چڑچڑے پن سے بولی۔ ارتضٰی نے بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ناراض کر کے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی اس کا ہاتھ تھامے، آنکھوں میں آنسو اور ناراضی لیے بیٹھی تھی۔

''صبا! کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تمہارے ارتضٰی بھائی خوب سارا پڑھیں......؟'' مما نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''دل تو چاہتا ہے مما، مگر......'' لیکن مما نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔

''اگر مگر کچھ نہیں، کبھی کبھی اپنے بہت پیاروں کو ان کی بہتری اور فائدے کے لیے خود سے دور بھیجنا پڑتا ہے۔ اگر تمہیں ارتضٰی سے پیار ہے، تو پھر تمہیں اسے خوشی خوشی رخصت کرنا ہوگا۔'' ارتضٰی نے تشکر آمیز نظروں سے مما کی طرف دیکھا تھا۔ اپنی اس تیرہ سال کی نٹ کھٹ اور ضدی سی کزن کو جو بات وہ نہیں سمجھا پا رہا تھا وہ مما نے سمجھا دی تھی۔

ائیرپورٹ پر جب وہ سب لوگ ارتضٰی کو الوداع کہنے آئے تو وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر اپنے آنسو روک رہی تھی۔

''میں تمہیں پابندی سے خط لکھا کروں گا صبا! اور فون بھی بہت جلدی جلدی کیا کروں گا۔ بالکل پکا پرامس کر رہا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے انداز میں بولا۔

''آپ وہاں پر بھی ہمیشہ فرسٹ پوزیشن لیا کیجئے گا ارتضٰی بھائی! جیسے یہاں پر لیتے تھے۔'' اس کی آنکھوں سے ایک دم ہی آنسو بہنا

شروع ہوگئے تھے۔ اسے روتا دیکھ کر اماں کو بھی رونے کا بہانہ مل گیا تھا۔

''کیا ہوگیا ہے آپ لوگوں کو۔ وہ جنگ لڑنے تو نہیں جا رہا۔ بجائے ہنسی خوشی اسے رخصت کرنے کے آپ لوگ آنسوؤں کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں۔'' ڈیڈی نے فوراً اماں کو ٹوکا۔

پھر وہ چلا گیا تو جیسے اپنے ساتھ ساری رونقیں بھی لے گیا۔ وہ دن میں کتنی مرتبہ اسے یاد کر کے رویا کرتی تھی۔ پڑھنے بیٹھتی اور کوئی چیز سمجھ میں نہ آتی تو جھٹ رونا شروع کر دیا کرتی۔ حالانکہ ارتضٰی کے جانے کے بعد ظفر اس کا بہت خیال رکھنے لگا تھا۔ ڈانٹ ڈپٹ اور لڑائی جھگڑا بھی بہت کم کر دیا تھا لیکن ارتضٰی کی کمی تو کوئی کبھی پوری کر ہی نہیں سکتا تھا۔ فون پر ارتضٰی سے زیادہ تفصیلی بات نہیں ہو پاتی تھی لیکن وہ اسے خط خوب لمبا چوڑا، لکھا کرتی تھی۔ ظفر اس کے خطوط کی لمبائی چوڑائی کا بہت مذاق اڑاتا تھا۔

اس رات وہ ارتضٰی کو خط لکھنے بیٹھی تھی۔ ڈھیر ساری باتوں کے بعد جب اس نے ہمیشہ کی طرح خط کے اختتام میں یہ جملے تحریر کیے۔

''ارتضٰی بھائی! میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔ مجھے آپ کے بغیر گھر میں بالکل مزا نہیں آتا۔ آپ بس جلدی سے واپس آجائیں۔'' لکھتے کے ساتھ ہی اسے پتا نہیں کیوں خود ہی اپنے لکھے ہوئے جملوں پر اعتراض ہو۔ اس نے وہ پورا صفحہ پھاڑ کر ڈسٹ بن کر ڈال دیا، لیکن وہ خود ہی اپنی حرکت پر بہت حیران تھی۔

اپنے لکھے جملوں میں آخر اسے کیا بات نامناسب لگی تھی، جو اس نے اسے کاٹ دیا۔ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی اور مسلسل اپنے آپ پر حیران ہوئے جا رہی تھی۔ اپنے رویے کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے خود اپنے بارے میں بعض ایسی باتیں پتا چلیں جن پر ابھی تک اس نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ ارتضٰی کا فون آنے پر اس سے بہت سنبھل کر اور سوچ سمجھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔ پہلے کی طرح بے دھڑک اور بے جھجک اپنے دل میں موجود ہر بات نہیں کہتی تھی۔ اس کے فون کا اسے پہلے ہی کی طرح بڑی بے چینی سے انتظار رہا کرتا تھا۔ اس کے خطوط کا وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے انتظار کرنے لگی تھی۔ دن میں کئی کئی مرتبہ جا کر لیٹر بکس چیک کرتی کہ اس کا خط آیا یا نہیں لیکن پتا نہیں کیوں اب وہ اس سے پہلے جیسی بے تکلفی سے بات نہیں کر پاتی تھی۔ ارتضٰی کا انداز تو پہلے جیسا ہی ہوا کرتا تھا لیکن صبا شفیق اب شاید بڑی ہوگئی تھی۔ یہ اس کا اسکول میں آخری سال تھا۔

جب اسے ارتضٰی سے جھجک محسوس ہونی شروع ہوئی تھی۔ وہ اب گھر والوں کے سامنے بھی اس کا ذکر سوچ سمجھ کر کرنے لگی تھی۔ پتا نہیں ارتضٰی نے اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا یا نہیں مگر خود اس نے تو اپنی اس تبدیلی کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔ اب وہ خود پر حیران ہوتی تھی کہ کیسے ارتضٰی کے جانے پر اس نے ننھے بچوں کی طرح رونا دھونا مچایا تھا۔ وہ اب بھی اسے پہلے کی طرح شدت سے یاد آتا تھا، وہ اب بھی اسے یاد کر کے بے طرح رویا کرتی تھی لیکن اپنے کمرے میں سب سے چھپ کر۔ اب جب وہ اسے یاد کر کے روتی تو اس کا دل چاہتا کہ کسی اور کو اس کے رونے کا پتا نہ چلے۔

ارتضٰی کا ایم ایس سی کا پہلا سال مکمل ہوگیا تھا۔ بابا نے اس سے چھٹیوں میں پاکستان آنے کے لیے کہا سب ہی کا اسے دیکھنے اور اس سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔

لیکن ارتضٰی نے اگلی فون کال پر اماں اور بابا سے اپنے دوستوں کے ساتھ آسٹریلیا جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اماں اور بابا دونوں ہی نے اسے فوراً اجازت دے دی۔

''اسٹوڈنٹ لائف کی یہ بے فکری پھر اسے کہاں ملے گی۔ اچھا ہے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ زندگی کی خوب صورتیوں کو انجوائے کرے۔ ہمارے پاس تو پھر اسے ہمیشہ ہی رہنا ہے۔'' بابا نے فون رکھنے کے بعد ڈیڈی کو ساری بات بتاتے ہوئے کہا۔

اسے ارتضٰی کے نہ آنے کا سن کر اتنا دکھ ہوا تھا کہ وہ اس رات کتنی دیر تک تکیے میں منہ چھپائے روتی رہی تھی۔ وہ ارتضٰی سے بری طرح ناراض ہوگئی تھی۔ ارتضٰی آسٹریلیا میں اپنے دوستوں کے ساتھ چھٹیاں انجوائے کرنے کے بعد واپس لندن آگیا اور واپس آکر اس نے گھر پر سب سے فون پر بات کی تو اس نے بات نہیں کی۔

''تم بات نہیں کرو گی؟'' ظفر نے اسے صوفے پر الگ تھلگ اس انداز میں بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر سامنے پڑا میگزین اٹھالیا تھا۔ لیکن وہ اپنی یہ خود ساختہ ناراضی زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ پائی تھی۔ اس روز اماں نے ارتضٰی کو فون کیا تو ان کے بات ختم کر لینے کے بعد اس نے ریسیور ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کیا سڈنی کا ساحل کراچی کے ساحل سے زیادہ خوب صورت ہے؟'' سلام دعا کے فوراً بعد اس نے روٹھے لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

''ہاں خوب صورت تو ہے۔'' وہ اس کا شکوہ سمجھنے کے باوجود سنجیدگی سے بولا۔ وہ مذاق بھی ہمیشہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ کیا کرتا تھا۔

''وہاں کی ہر چیز خوب صورت ہے۔ وہاں کے ساحل، وہاں کا قدرتی حسن وہاں کی آب و ہوا'' وہ اس کے لہجے کی شرارت سمجھ نہیں پائی تھی۔ اسی لیے اس بات پر اپنے دل میں مزید دکھ محسوس کیا۔

''اتنی ساری خوب صورتیوں کے باوجود مجھے وہاں خوب صورتی نظر نہیں آرہی تھی، اس لیے کہ وہاں صبا شفیق نہیں تھی۔'' ایک سیکنڈ کا ڈرامائی وقفہ دے کر اس نے ہنستے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

''اگر آپ آجاتے تو کتنا اچھا لگتا سب کو۔ اتنے دنوں بعد سب گھر والے اکٹھے ہوتے کتنا مزا آتا۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن یار! کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کا بھی تو دل چاہتا ہے نا اور پتا ہے تمہیں، میں وہاں انس انکل کے گھر بھی گیا تھا۔ مما نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ سڈنی جا رہے ہو تو انس انکل کے گھر بھی ضرور جانا۔'' وہ اس بات سے پہلے سے ہی واقف تھی۔

''ثمن کیسی ہے ارتضٰی بھائی؟'' وہ اپنی سب ناراضیاں بھول کر ثمن کے بارے میں پوچھنے لگی۔

''ثمن ٹھیک ہے اور تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں صبا! ہم لوگ ثمن کو جتنا روڈ اور کم گو سمجھتے ہیں، وہ ایسی ہے نہیں۔ بہت زیادہ باتونی تو خیر وہ نہیں ہے، لیکن جس طرح یہاں آکر خاموش خاموش رہتی ہے ایسی بھی نہیں ہے۔ مجھ سے اس نے کافی ساری باتیں کی تھیں۔ انکل اور آنٹی کے ساتھ ثمن نے بھی بہت اچھی طرح میزبانی کی...... وہ تمہاری بھی خیریت پوچھ رہی تھی، مجھ سے۔ کہہ رہی تھی کہ کیا صبا ابھی بھی ظفر بھائی کے ساتھ جھگڑتی ہے اور کیا سیڑھیاں چڑھتے اترتے وقت وہ ابھی بھی تین تین اسٹیپس ایک ساتھ پھلانگتی ہے؟'' وہ ہنستے ہوئے اسے ثمن کے بارے میں بتا رہا تھا۔ صبا بھی بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

☆☆☆

ارتضیٰ کا ایم ایس سی مکمل ہوگیا تھا۔ اس کی آوٹ اسٹینڈنگ کارکردگی کو سب سراہ رہے تھے، لیکن صبا کی خوشی دوسروں سے کچھ بڑھ کر تھی۔ ارتضیٰ نے کانووکیشن کی تصاویر ان لوگوں کو بھیجیں تو وہ انہیں دیکھ کر اور زیادہ خوش ہوئی تھی۔ لندن اسکول آف اکنامکس کا مخصوص گاؤن پہنے وہ کتنا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی فخریہ مسکراہٹ صبا کے چہرے پر بھی فخر وانبساط کے رنگ بکھیر گئی تھی۔

''تم خوش ہو صبا؟'' ارتضیٰ نے فون پر اس سے پوچھا۔ وہ فی الحال پاکستان نہیں آرہا تھا۔ اپنے سپروائزر کے ساتھ مل کر وہ کسی ریسرچ میں مصروف تھا۔ پانچ چھ مہینے سے پہلے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''میں بہت خوش ہوں ارتضیٰ بھائی! میرا دل چاہتا ہے، آپ ہر جگہ جیتیں۔ کبھی بھی کسی جگہ آپ نمبر دو نہ ہوں۔'' اس نے بڑی سچائی سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

ارتضیٰ کی کراچی واپسی اس کے لیے کیا معنی رکھتی تھی یہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ بے پناہ خوش تھی۔ اسے ساری دنیا اچھی لگ رہی تھی۔ اس کی خوشی سب گھر والوں کو نظر آرہی تھی۔

''دیوانی ہے یہ لڑکی ارتضیٰ کے پیچھے۔'' اماں نے اس کی بے تحاشا خوشی پر تبصرہ کیا تو ظفر اسے چڑانے کو جھٹ بولا۔

''دیوانی نہیں بلکہ یہ ارتضیٰ کی چمچی ہے اماں!'' دیکھیں سگے بھائی کو گھاس نہیں ڈالتی اور ارتضیٰ بھائی کا راگ الاپے جاتی ہے حالانکہ اس نے ارتضیٰ اور گھر والوں کے سامنے اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار بالکل نہیں کیا تھا۔

''مما......! یہ صبا تو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئی ہے۔'' ارتضیٰ نے اسے دیکھتے ہی سب کے سامنے مما سے یہ بات کہی تھی۔ اپنی تعریف پر خوشی کے ساتھ ساتھ اسے ارتضیٰ سے عجیب سی شرم بھی محسوس ہوئی تھی۔

''صبا تو واقعی بڑی ہوگئی ہے بھئی۔'' اور وہ شرمائی شرمائی سی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر اسے اپنی پڑھائی کی مصروفیات کے بارے میں بتانے لگی۔

وہ چار روز آرام کرنے اور اپنے دوستوں اور قریبی رشتے داروں سے ملنے ملانے کے بعد ارتضیٰ نے باقاعدہ طور پر آفس جانا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ صبح کا آفس گیا، شام سات ساڑھے سات بجے سے پہلے گھر واپس نہیں آتا تھا۔

گھر کے تمام افراد کے ساتھ اس کا رویہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا لندن جانے سے پہلے تھا۔ وہ اماں کے ساتھ گھنٹوں بیٹھ کر ان کے پسندیدہ گھریلو موضوعات پر بغیر بور ہوئے گفتگو کر لیا کرتا تھا۔ مما کے ساتھ بھی اس کی پہلے جیسی ہی دوستی تھی۔ ظفر کو اس نے کزن سے بھی بڑھ کر ہمیشہ دوست کا درجہ دیا تھا۔ وہ آج بھی اس کا سب سے اچھا دوست تھا۔ رہی صبا تو اسے وہ پہلے جیسی ہی توجہ اور اہمیت دیا کرتا تھا۔ صبا کے ساتھ اس کے رویے میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

وہ اب بھی چائے یا کافی کا موڈ ہونے پر کسی ملازم کو آواز لگانے کے بجائے خود اٹھ کر کچن میں آجایا کرتا۔ لیکن اب صبا کچن کے معاملات

میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

پہلی مرتبہ جب وہ رات کو ارتضیٰ کے لیے کافی لے کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ حیرت سے بولا۔

''تمہیں کافی بنانی آ گئی صبا؟'' پھر کافی کا ایک گھونٹ لے کر اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے یکدم ایک اور بات پر حیرت ہوئی تھی۔

''تمہیں یہ کیسے پتا چلا کہ میرا اس وقت کافی پینے کا موڈ ہے؟''

''ارتضیٰ بھائی! ہم دونوں اس گھر میں شروع سے ایک ساتھ رہتے آئے ہیں۔ کیا مجھے اتنی سی بات بھی پتا نہیں ہوگی کہ جس وقت آپ کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کر رہے ہوتے ہیں اس وقت آپ کو چائے یا کافی کی شدت سے طلب ہوتی ہے۔'' ارتضیٰ اس کی بات سن کر شرارتی انداز میں بے ساختہ بولا۔

''ہاں، جیسے مجھے یہ بات معلوم ہے کہ امتحان کے دنوں میں رات رات بھر جاگ کر پڑھتے ہوئے صبا چپس کے چار پانچ پیکٹس اور پیپسی کے دو تین کین بڑے آرام سے خالی کر دیتی ہے اور اگر امتحان گرمی کے زمانے میں آئیں اور کہیں سے نمک لگی کیریاں مل جائیں تو پھر تو کیا ہی بات ہے۔ پڑھنے میں بھی خود بخود ہی دل لگنے لگتا ہے۔'' وہ ارتضیٰ کی بات پر ہنس پڑی۔

صبا اپنا کمرہ صاف کرتی تو اس کے بعد ظفر اور ارتضیٰ کے کمرے کو بھی صاف کر دیا کرتی تھی۔ ارتضیٰ کے کمرے اور اسٹڈی کی تمام چیزوں کو صاف کرنا، ترتیب سے ان کو اصل جگہ پر رکھنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ ارتضیٰ کو تو شاید یہ بات معلوم بھی نہیں تھی کہ صبا ہر روز اس کی بکھری اور بے ترتیب چیزوں کو قرینے سے واپس ان کی اصل جگہ پر رکھتی ہے۔ اس نے خود بھی کبھی ارتضیٰ کو یہ بات نہیں بتائی تھی۔

ارتضیٰ، صبا کی بعض تبدیلیوں کو بہت انجوائے کرتا تھا۔ وہ نہ اب اس کا ہاتھ پکڑ کر ضدیں کرتی تھی اور نہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنی جائز و ناجائز فرمائشیں پوری کروایا کرتی تھی۔ چھوٹی سی صبا اب بڑی ہوگئی تھی لیکن وہ کتنی بھی بڑی ہو جاتی، ارتضیٰ کی نظر میں اسے ہمیشہ بچی ہی رہنا تھا۔

اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ ''ارتضیٰ غضنفر! صبا تمہارے لیے کیا ہے؟'' تو وہ ایک لحہ کی دیر لگائے بغیر کہتا کہ صبا اس کی چھوٹی سی، کیوٹ سی کزن ہے اور اس چھوٹی سی شریر سی بچی سے وہ بے تحاشا پیار کرتا ہے۔ وہ ان کے گھر کی سب سے چھوٹی بچی تھی۔ اس نے ہمیشہ اسے بچوں ہی کی طرح ٹریٹ کیا تھا۔ وہ اس کا اسی طرح خیال رکھتا تھا جیسے گھر کے سب سے چھوٹے بچے کا گھر کے بڑے افراد رکھتے ہیں۔ وہ سات سال کا تھا، جب صبا پیدا ہوئی تھی۔

''یہ موٹو مجھ سے نہیں اٹھتی۔'' ظفر کبھی لاڈ میں اسے گود میں اٹھا بھی لیتا تو تھوڑی ہی دیر میں منہ بناتے ہوئے اسے واپس کاٹ میں لٹا دیتا لیکن ارتضیٰ کو اسے گود میں لینا، پیار کرنا سب بہت اچھا لگتا تھا۔ یہ جیتی جاگتی گڑیا تو اسے اپنے سب کھلونوں سے زیادہ پیاری تھی۔

اس قدر نخرے اس کے شاید مما اور ڈیڈی نے بھی نہیں اٹھائے تھے، جتنے ارتضیٰ نے اٹھائے تھے۔

جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی، ارتضیٰ سے اس کی قربت بڑھتی چلی گئی۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسئلے اس کے پاس لے کر آتی کبھی کبھار تو وہ اس کی بچکانہ باتوں پر چڑ بھی جاتا مگر کچھ کہہ کر اس کا دل توڑنا اسے کبھی اچھا نہیں لگا تھا۔

اور یہ وقت کتنی تیزی سے گزرا تھا، وہ چھوٹی سی بچی بڑی ہوگئی تھی لیکن اس کے لیے صبا آج بھی وہی صبا تھی۔ معصوم سی، ضدی سی، شرارتی سی بچی۔

☆☆☆

مما جو دن رات ثمن کو یاد کر کے آنسو بہاتیں اور اکثر بھائی بھاوج سے بیٹی کو واپس مانگ لینے کا سوچا کرتی تھیں، ان کی یہ خواہش بہت تکلیف دہ انداز میں پوری ہوگئی تھی۔ ان کی پیاری اور لاڈلی ثمن واپس ان کے پاس آگئی تھی۔ مگر اس کا یہ آنا خوشیوں کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ وہ آنسوؤں کے ساتھ واپس ان کے پاس آئی تھی اور انہوں نے بھی اس کا استقبال آنسوؤں کے ساتھ ہی کیا تھا۔ کتنا بڑا غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا مما اور ثمن پر۔ انس ماموں اور ممانی کا ائیر کریش میں انتقال ہوگیا تھا۔ مما کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ثمن کو تسلی اور دلاسے دیں یا خود اپنے آپ کو۔ وہ جان سے عزیز بھائی جس سے انہیں اس قدر محبت تھی کہ اپنے جگر کا ٹکڑا اس کے حوالے کر دیا تھا، اس کی جدائی کا دکھ کوئی معمولی دکھ نہیں تھا۔ ڈیڈی، ثمن کو اپنے ساتھ کراچی لے آئے تھے۔ روتی، ہراساں سی ثمن، وہ ثمن لگ ہی نہیں رہی تھی، جس سے وہ لوگ واقف تھے۔ سب سے الگ تھلگ وہ سارا سارا دن کمرے میں پڑی رہتی تھی۔ یہاں پر سب اس کے اپنے تھے، اس کے خونی رشتے۔ مگر وہ ان سب کو اجنبی نگاہوں سے تکا کرتی تھی۔ مما اپنا غم بھلا کر ثمن کی دل جوئی میں لگ گئی تھیں۔ گھر کا ہر فرد دل و جان سے اسے خوش رکھنے اور یہ احساس دلانے میں کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے، مصروف تھا۔

صبا، ثمن کو کسی بھی وقت اکیلا نہیں رہنے دیتی تھی۔ اکثر وہ اسے زبردستی کمرے سے نکال کر باہر لے آتی اور اگر وہ سختی سے انکار کرتی تو پھر وہ خود بھی وہیں اس کے پاس بیٹھ جایا کرتی اور اپنے کالج اور دوستوں کے اوٹ پٹانگ قصے اسے سنانا شروع ہوجاتی۔ اس نے ہمیشہ ہی ثمن کے لیے اپنے دل میں بہت محبت محسوس کی تھی۔

رات کی تنہائی میں جب وہ گھٹ گھٹ کر بے آواز روتی تو صبا بری طرح بے چین ہوجاتی تھی۔

''ثمن! میں تمہاری بہن ہوں۔ سگی بہن۔ تم چھپ چھپ کر اکیلے رونے کے بجائے میرے گلے لگ کر کیوں نہیں روتیں۔ تم اپنے دکھ اور اپنے آنسو مجھ سے شیئر کرو ثمن، پلیز۔'' اس رات اسے کمبل میں منہ چھپائے خاموشی سے آنسو بہاتا دیکھ کر وہ رہ نہیں پائی تھی۔ ثمن ایک دم ہی اس کے بازو پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''ممی، پاپا کے بغیر زندگی میں کچھ نہیں رہا صبا!''

''ماموں اور ممانی کا غم بہت بڑا ہے ثمن! مگر تم یہ بھی تو سوچو کہ اس غم کو جھیلنے کے لیے تم تنہا نہیں ہو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تم ہمارے دل کے بہت قریب ہو۔ تمہارے آنسو مما اور ڈیڈی سے لے کر اس گھر کے ہر فرد کو دکھ میں مبتلا کرتے ہیں۔'' وہ چھوٹی ہو کر بڑی بہنوں کی طرح اسے خود سے لگائے بڑے پیار سے سمجھا رہی تھی۔ دلاسے دے رہی تھی۔ پتا نہیں اس کے لفظوں میں کوئی جادو تھا یا اس کے انداز میں والہانہ پن اور وارفتگی اس شدت کی تھی کہ ثمن ساری اجنبیت اور غیریت بھلا کر اس رات، سارا وقت اس کے گلے لگ کر اپنے سب غم ہلکے کرتی رہی تھی۔

صبح وہ کالج کے لیے تیار ہو رہی تھی جب ثمن کی آنکھ کھلی تھی۔

''سوجاؤ! ابھی سے مت اٹھو۔ اپنی نیند پوری کرلو، رات بھر کی جاگی ہوئی ہو۔''

''تم بھی تو میرے ساتھ جاگی تھیں۔'' ثمن کمبل ایک طرف ہٹاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''میری تو مجبوری ہے یار! کالج نہ جانا ہوتا تو کبھی نہ اٹھتی اتنی جلدی۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کلائی پر گھڑی باندھ رہی تھی۔

''ویسے تمہیں میرا تم کہنا اور تمہارا نام لینا برا تو نہیں لگتا ناں؟ پہلے کی بات دوسری تھی پہلے تو تم مجھ سے کزن کی حیثیت سے ملا کرتی تھیں لیکن اب تو تم میری بڑی بہن ہو اور وہ بھی پورے دو سال بڑی بہن۔'' ثمن نے اس کی بات پر ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''یعنی تمہیں برا نہیں لگتا؟ یہ اچھا ہے، ورنہ اگر تم خود کو بجو یا آپی کہلواتیں تو پھر مجھے خوامخواہ تمہارا احترام کرنا پڑ جاتا اور پھر یار احترام کے لیے ارتضٰی بھائی اور ظفر بھائی کافی ہیں۔ تم تو بس صرف میری دوست ہو۔''

اس نے ثمن کے چہرے پر اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ ایک اپنائیت بھرا تاثر ابھرتا ہوا دیکھا۔ ڈیڈی نے ثمن کی مرضی سے اس کا کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ یوں اس کی تعلیم کا منقطع ہو جانے والا سلسلہ پھر سے جڑ گیا تھا۔

☆☆☆

''آپ دونوں میں سے کوئی کافی پیئے گا؟'' کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے اس نے ثمن اور ظفر سے پوچھا۔ وہ دونوں اس وقت صباحی کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھے کارڈز کھیلنے میں مصروف تھے۔ ظفر اپنی عادت اور مزاج کے خلاف ثمن کا بہت زیادہ خیال رکھ رہا تھا۔ اس وقت بھی یقیناً وہ اس کا دل بہلانے ہی کے لیے اس کے ساتھ کارڈز کھیل رہا تھا۔

''تم کیا اپنے لیے کافی بنانے جا رہی ہو؟'' ثمن نے گردن گھما کر سوال پوچھا تو وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''میں ارتضٰی بھائی کے لیے کافی بنانے جا رہی ہوں۔''

''وہ اتنی رات کو تم سے کافی بنوا کر پیتے ہیں؟'' ثمن نے تعجب سے پوچھا۔ اس تعجب میں ناگواری بھی چھپی ہوئی تھی۔ رات کے بارہ بجے ارتضٰی کا اپنی بہن سے کافی کی فرمائش کرنا اسے بہت برا لگا تھا۔

''وہ کیوں کہے گا، اسے خود ہی شوق ہے اس کی چمچہ گیری کرنے کا۔ اصل میں یہ شروع ہی سے ارتضٰی کی چمچی ہے۔ اس کے سامنے اپنے سگے بھائی تک کو خاطر میں نہیں لاتی۔ ابھی تمہیں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے اس لیے حیران ہو رہی ہو۔ آہستہ آہستہ تمہیں پتا چلے گا کہ کیسے یہ سگے بھائی پر اپنے ارتضٰی بھائی کو ترجیح دیتی ہے۔'' ظفر نے پتا پھینکتے ہوئے ثمن کو آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ صبا اس حملے پر بلبلاتے ہوئے جھٹ کمرے کے اندر آ گئی۔

''ارتضٰی بھائی بہت اچھے ہیں ثمن! تمہارے تو خیر سبجیکٹ ہی بہت مختلف ہیں ورنہ تم دیکھتیں کہ وہ پڑھائی میں تمہاری کس قدر مدد کرتے۔ اتنے کیئرنگ اور نرم مزاج ہیں ارتضٰی بھائی کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ اپنی ذہانت اور علم پر انہیں بالکل بھی غرور نہیں ہے۔'' آخری جملے خالصتاً ظفر کے

لیے کہے گئے تھے۔ثمن اس کے طنز پر ہنستے ہوئے ظفر کو دیکھنے لگی تھی جو صبا کو نولفٹ کروا کر اپنی توجہ مکمل طور پر کارڈز کی جانب مبذول کر چکا تھا۔

ظفر ٹیکساس یونیورسٹی میں اپنے ایڈمیشن کے مراحل طے کرنے میں مصروف تھا۔اس مصروفیت کے علاوہ فی الحال اس کی کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی۔اس لیے وہ آج کل وقت گزاری کے لیے آفس جانے لگا تھا۔اپنی فراغت کا فائدہ اٹھا کر وہ صبح بھی کافی دیر سے سو کر اٹھتا تھا اور ثمن یونیورسٹی جانے کے لیے اس کے نخرے بمشکل برداشت کرتی تھی۔

پھر ایک روز ارتضٰی ہی اسے یونیورسٹی سے گھر لے آیا تھا اور پھر یہ سلسلہ اس ایک دن پر ختم نہیں ہوا تھا۔ارتضٰی نے یہ ذمہ داری مستقل قبول کر لی تھی بلکہ وہ صبح میں بھی اسے اپنے ساتھ ہی لے جانے لگا تھا اسے یونیورسٹی چھوڑ کر وہ آفس چلا جاتا جبکہ صبا ڈرائیور کے ساتھ کالج جاتی تھی۔

''تمہیں مشکل ہوتی ہوگی ارتضٰی!میری تو ایسی کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں، ثمن کو میں پک کر لیتا ہوں۔'' ظفر نے ایک روز ارتضٰی کے آفس کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''مشکل کیسی یار!بلکہ اس میں تو میرا فائدہ ہی ہے۔ثمن کو چھوڑنے کے بہانے مجھے گھر پر لنچ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔'' کچھ فاصلے پر بیٹھی ثمن نے ارتضٰی کو بہت حیرت سے دیکھا۔

بجائے احسان جتانے کے وہ الٹا اس بات کو اپنے فائدے کا باعث بتا رہا تھا۔باقی گھر والوں سے ثمن کی اب کافی بے تکلفی ہو گئی تھی جبکہ ارتضٰی کے ساتھ اس کی ایسی کوئی بے تکلفی نہیں تھی۔وہ اکثر خود ہی اسے مخاطب کرتا تھا اور وہ اس کی بات کا سنجیدگی اور متانت سے جواب دے دیا کرتی تھی۔

لیکن اب جو وہ اسے پابندی سے یونیورسٹی چھوڑنے اور واپس لینے جانے لگا تو اس کی ارتضٰی کے ساتھ بھی ہلکی پھلکی گپ شپ ہونے لگی۔

صبا کے لیے ارتضٰی کا ثمن کو پک اور ڈراپ کرنا اس کی خوبیوں میں سے ایک اور خوبی تھی۔

''ارتضٰی بھائی کتنے اچھے ہیں۔تم نے دیکھا ثمن!وہ سب کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔'' ثمن نے اس کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

وہ اس کی بہن کا خیال رکھ رہا تھا اور اس کا یوں ثمن کا خیال رکھنا اور اس کی پروا کرنا صبا کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''وہ ایسے ہی ہیں ثمن!سب کا خیال رکھتے ہیں۔میں نے انہیں کبھی نوکروں کے ساتھ بھی چیخ چلا کر بولتے ہوئے نہیں سنا۔'' اسے ارتضٰی میں کبھی کوئی خامی نظر آ ہی نہیں سکتی تھی۔جو اس نے کہا وہ صحیح ہے۔جو وہ کر رہا ہے وہ صحیح ہے۔وہ کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ کچن میں گھسی اپنی بوریت سے نجات حاصل کرنے کی کوئی تدبیر سوچ رہی تھی۔چھٹی کا دن تھا۔

کل ہی مومنہ سے اس نے چاکلیٹ آئس کریم کی ترکیب سیکھی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے ڈیئر کزن؟'' ارتضٰی نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''چاکلیٹ آئس کریم بنا رہی ہوں ارتضٰی بھائی مومنہ سے ریسیپی لی تھی میں نے۔'' وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ پر نظریں دوڑاتے ہوئے جواباً بولی۔

''آئس کریم بن رہی ہے پھر تو بھئی مزہ آ جائے گا۔'' ارتضٰی نے فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''ہاں، اگر آئس کریم اچھی بن گئی تو ورنہ تو میری ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔''

''دکھاؤ تو، ترکیب ہے کیا......؟'' پانی پی کر گلاس واپس رکھ چکا تو اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر ترکیب پڑھنے لگا۔

''بہت آسان ہے۔ اس میں کیا مسئلہ ہے۔ چلو میں تمہاری ہیلپ کرواتا ہوں۔'' وہ جو اکیلی بور ہو رہی تھی تو اب بوریت بھی دور ہو گئی تھی اور ارتضٰی کے ساتھ ہونے کی وجہ سے جوش و خروش اچانک ہی بڑھ گیا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آئس کریم بنانے کی تیاری میں لگے ہوئے تھے جب ثمن کچن میں آئی۔

''کیا بن رہا ہے؟'' ان دونوں کو اتنی سنجیدگی سے سر جوڑے دیکھ کر اس نے فوراً پوچھا۔

''صبا آئس کریم بنا رہی ہے اور میں اس کی مدد کروا رہا ہوں۔'' ارتضٰی نے گردن موڑ کر ثمن کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں صبا سے کام ہے یا مجھ سے؟''

''آپ نے کیسے اندازہ لگایا ارتضٰی بھائی! کہ میں کسی کام سے آئی ہوں؟'' وہ بری طرح حیران ہوئی۔ حیران تو صبا بھی ہوئی تھی کیونکہ خود اسے تو بالکل بھی ایسا نہیں لگا تھا کہ ثمن کسی کام سے یہاں آئی ہے۔

''کیسے اور کیوں میں کیا رکھا ہے۔ آپ کام بتایئے مس ثمن!'' وہ اس کی حیرت کے جواب میں شوخی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے آپ ہی سے کام ہے ارتضٰی بھائی! لیکن اگر آپ اس وقت مصروف نہیں ہیں اور تھکے ہوئے بھی نہیں ہیں تو۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''نہ میں مصروف ہوں اور نہ ہی تھکا ہوا ہوں، کہو کیا کام ہے۔'' ارتضٰی نے اس کی ہچکچاہٹ اور تکلف کے جواب میں اپنائیت اور رسانیت سے کہا۔

''کل میرا ٹیسٹ ہے۔ مجھے اپنی دوست کے گھر سے ایک بک لانی ہے۔ اگر آپ مجھے وہاں لے چلیں تو۔ زیادہ دور نہیں ہے اس کا گھر، صرف دس منٹ کی ڈرائیو ہے۔''

''شکر ہے اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر دور ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہیں لے کر جاتا۔ اچھا ہوا تم نے اس بات کی پہلے ہی وضاحت کر دی۔'' وہ ثمن کو پکارتے ہوئے خفگی سے بولا۔ پھر فوراً ہی اس نے اپنا رخ صبا کی طرف کر لیا۔

''تم جب تک آئس کریم تیار کرو! میں ان محترمہ کو دس پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر واقع ان کی فرینڈ کے گھر پہنچا آؤں۔'' وہ کچھ طنزیہ انداز میں کہتا فوراً ہی کچن سے باہر چلا گیا۔

اسے جاتا دیکھ کر ثمن بھی تیزی سے اس کے پیچھے چلی گئی تھی۔

دو تین منٹ تو وہ یونہی خالی الذہنی کی کیفیت میں چپ چاپ سی کھڑی رہی۔ پھر سر جھٹک کر اس نے اپنی توجہ دوبارہ آئس کریم کے آمیزے کی طرف کر لی پانچ منٹ میں ہی اسے احساس ہوا کہ آئس کریم بنانے میں اس کی دلچسپی قطعاً ختم ہو چکی ہے۔ وہ اب صرف بے دلی سے اس

آمیزے میں چمچہ چلانے کا کام کر رہی ہے۔ وہ اپنی بے دلی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اسی وقت ندیم کچن میں آیا تو وہ اسے سارا سامان سمیٹنے اور آئس کریم تیار کرنے کا حکم دیتی کچن سے باہر جانے لگی۔

”لیکن مجھے تو آئس کریم بنانی نہیں آتی۔“ وہ گڑبڑا گیا۔

”یہ کاغذ پر ساری ترکیب لکھی ہوئی ہے اور اگر اچھی نہیں بھی بنی تو کون سا میں تمہیں پھانسی پر چڑھا دوں گی۔“ وہ چڑچڑے پن سے اسے جواب دیتی اپنے کمرے میں گئی۔

”ارتضٰی بھائی مجھے جلدی سے سبیکہ سے کتاب لانے کا کہہ کر گاڑی ہی میں بیٹھے رہے تھے۔ لیکن مزے کی بات یہ ہوئی کہ سبیکہ کا بھائی، ارتضٰی بھائی کا اسکول کا دوست نکل آیا۔ بہت اصرار سے اس نے انہیں اندر بلا لیا۔“ ارتضٰی اور ثمن کافی دیر بعد واپس آئے تھے۔ کمرے میں آتے ہی وہ اس سے کچھ پوچھے بغیر خود ہی بتانا شروع ہو گئی تھی۔ میگزین کے صفحے پلٹتے ہوئے بڑی بے توجہی سے اس نے ثمن کی بات سنی۔

”تمہاری آئس کریم کا کیا ہوا؟“ ثمن نے اس کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کیے بغیر پوچھا۔

”بن گئی۔“ ثمن کے ہنستے مسکراتے چہرے پر ایک سنجیدہ سی نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے مختصر جواب دیا۔ اس کا اس وقت ثمن کے ساتھ بات کرنے کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا جبکہ وہ باتیں کرنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔

”تم اپنے ٹیسٹ کی تیاری کیوں نہیں کر رہی ثمن! پھر اگر تمہارے اچھے مارکس نہیں آئے تو تم مجھے الزام دو گی کہ صبا نے مجھے باتوں میں لگائے رکھا تھا۔“ وہ بظاہر مسکراتے ہوئے بولی۔ ثمن کو بھی ایک دم اپنے ٹیسٹ کا خیال آ گیا اسی لیے اس کی بات پر ہنستے ہوئے وہ رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

ارتضٰی آئس کریم کی بات یکسر بھول گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رات کے کھانے کے بعد ممی کی بنائی کھیر کھانے کے بجائے آئس کریم کھانے کی فرمائش کرے گا۔ لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ شاید اپنے پرانے دوست سے ملنے کی خوشی میں اسے یہ بات یاد ہی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

صبح وہ تیار ہو کر ناشتے کے لیے کچن میں آئی تو ریشماں کے ساتھ مما بھی کچن میں موجود تھیں۔ وہ اماں کے لیے دلیہ بنا رہی تھیں۔ وہ مما کو سلام کرتی جلدی سے فرج سے ایک انڈا نکال کر ابالنے کے لیے چولہے پر رکھنے لگی۔ جب سے ارتضٰی واپس آیا تھا اس کے ناشتے کی ذمہ داری اس نے از خود اپنے ذمے لے لی تھی۔ اس کا ناشتہ ہوتا بھی بہت سادہ سا تھا۔ پنیر لگا ایک سلائس، ابلا ہوا انڈا اور ایک کپ چائے۔

اس کے علاوہ باقی سب لوگ ناشتے میں آملیٹ کھانا پسند کرتے تھے۔

ثمن صبح بہت اہتمام سے ناشتہ کیا کرتی تھی۔ انڈا پراٹھا اور حلوہ پوری قسم کا دیسی ناشتہ۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ابھی صبا کو کچن میں آئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ ثمن بھی کچن میں آ گئی۔

”میرے لیے آملیٹ مت بنانا ریشماں! رات کی کھیر اور شیرمال رکھے ہیں، میں وہ کھاؤں گی۔“ ثمن کے اس انوکھے ناشتے پر وہ بے

اختیار ہنس پڑی۔

''کھیر بھی کوئی شیر مال کے ساتھ کھاتا ہے اور وہ بھی ناشتے میں؟'' وہ اس کے مذاق اڑانے کا برا مانے بغیر رات کے شیر مال اوون میں رکھ کر گرم کرنے لگی۔ مما، ثمن کو ناشتے کا اتنی اچھی طرح اہتمام کرتا دیکھ کر حسب عادت اسے ناشتے میں صرف ایک گلاس دودھ پینے پر ٹوکنے لگیں۔

ارتضیٰ نے ثمن کے ایک ہاتھ میں کرسٹل کا نازک سا پیالہ اور دوسری پلیٹ میں رکھے شیر مال کو دیکھ کر تعجب سے دیکھا تھا۔ صبا، ثمن پر ایک مسکراتی ہوئی نگاہ ڈال کر ارتضیٰ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''آج ناشتے میں کھیر، شیر مال کے ساتھ کھاؤں گی۔ چاہیں تو آپ بھی کھا سکتے ہیں۔ یہ میری گارنٹی ہے کہ اتنا مزے دار ناشتہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کیا ہوگا۔'' وہ پیالہ اور پلیٹ میز پر رکھنے کے بعد خود کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ارتضیٰ اس کے چٹخارے لینے اور مزے لے لے کر کھیر اور شیر مال کی تعریفیں کرنے پر ہنس دیا۔

''آپ یونہی ہنس رہے ہیں ارتضیٰ بھائی! ایک بار یہ کمبی نیشن ٹرائی کر کے دیکھیں آپ کو پتا چلے گا کہ میں غلط تعریف نہیں کر رہی۔'' وہ اپنی پلیٹ میں کھیر نکالتے ہوئے بولی۔

''ارتضیٰ بھائی تو یہ کبھی بھی نہیں کھائیں گے۔ بہت لائٹ ناشتہ کرتے ہیں ارتضیٰ بھائی!'' ارتضیٰ کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

''خیر کبھی کبھار روٹین سے ہٹنے میں کچھ مضائقہ بھی نہیں۔ زندگی میں تبدیلیاں تو اچھی لگتی ہیں۔ کیا حرج ہے تھوڑا سا انجوائے منٹ ہی رہتا ہے۔'' وہ بیک وقت صبا اور ثمن سے مخاطب ہوا۔ اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی کھیر نکال لی۔

''صبا! تم بھی ٹرائی کرو۔ ثمن بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ یہ تو واقعی بہت مزے کا لگ رہا ہے۔'' پہلے نوالے کے بعد دوسرا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے صبا کو بھی دعوت دی۔ وہ ارتضیٰ کی من پسند فل کریم پنیر کے گلاس کا ڈھکن ہٹائے، ہاتھ میں چھری لیے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ اس سے جواب میں کچھ بھی نہیں بولا جاسکا۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ ثمن، ارتضیٰ کو اپنی پسند کا ناشتہ کرتے اور اس کی تعریفیں کرتے دیکھ کر کافی خوش نظر آرہی تھی۔ وہ ہر نوالے پر اس ناشتے کی تعریف کر رہا تھا اور ثمن کو یقیناً یہ بات اچھی لگ رہی تھی کہ اس کی پسند کا ناشتہ گھر میں کسی اور کو بھی پسند آرہا ہے۔ اچانک اس نے اپنے سامنے پلیٹ میں رکھے بوائل انڈے اور پنیر کے گلاس کو خود پر ہنستا ہوا محسوس کیا۔ وہ یہ سب کس کے لیے لائی تھی؟

کیا ارتضیٰ کو لمحہ بھر کے لیے بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا کہ روزانہ کی طرح صبا آج بھی یہ ناشتہ اسی کے لیے لائی ہے۔ وہ اس کے لندن سے آنے کے بعد سے پچھلے ڈیڑھ سال سے ہر روز اسی طرح اس کے لیے ناشتہ لائی تھی۔ کیا وہ اتنی غیر اہم تھی کہ وہ اسے نظر انداز کیے زندگی میں پیدا ہو جانے والی تبدیلیوں کو انجوائے کر رہا تھا۔

اپنی اداسی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسے بس یہ پتا تھا کہ وہ آج بہت اداس ہے۔ مگر کیوں؟ وہ خود اپنے آپ کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ آخر کیوں وہ اتنی حساس اور زود رنج ہو رہی تھی؟ صبح ناشتے کی میز پر ہونے والی بات اتنی بڑی بھی نہیں تھی جسے وہ دل سے ہی لگا کر بیٹھ جاتی۔ مگر

وہ بات اسے اتنی بڑی کیوں لگ رہی تھی۔

اماں کو دوپہر میں نیند نہیں آتی تھی، ثمن اکثر دوپہر میں ان کے پاس لیٹ کر باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ ثمن سے اپنے بیتے کل کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ اپنی نوعمری کے قصے، داداجان کی باتیں، بابا اور ڈیڈی کے بچپن کے واقعات۔ صبا کو ان قصوں میں کبھی بھی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ثمن پتا نہیں ان کا دل رکھنے کی خاطر وہ قصے سنا کرتی تھی یا پھر واقعی اسے، انہیں سننے میں مزہ آتا تھا۔ وہ کبھی صبا کی طرح اماں کو منہ پر جواب نہیں دیا کرتی تھی۔ کتنی جلدی اس نے خود کو اس گھر کے ماحول میں ڈھال لیا تھا۔ زندگی کے اتنے سال ایک آزاد معاشرے میں گزارنے کے باوجود ثمن کے ہر انداز میں مشرقیت تھی۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، بات چیت، سلیقہ، اس کی شخصیت کا دھیما پن، بڑوں سے آہستہ آواز میں نظریں نیچی کر کے بات کرنا۔ ماں تو اب کبھی کبھار صبا کو کسی بات پر ٹوکتے ہوئے ثمن جیسا بننے کی نصیحت بھی کرنے لگی تھیں۔

نماز وہ پابندی سے پڑھتی تھی اور تو اور ممانی نے اسے کافی حد تک کھانا پکانا سکھایا تھا۔ وہ کچن میں کام کر رہی ہوتی تو صبا اسے حیرت سے دیکھا کرتی تھی۔ کتنی نفاست اور سلیقے سے وہ ہر کام کرتی تھی۔ خود صبا اگر کچن میں کوئی کام کرتی بھی تو ایک چیز پکانے میں دس چیزیں پھیلاتی تھی۔ ثمن کے ہر انداز میں ایک عجیب شاہانہ پن اور نزاکت ہوتی۔ طریقہ اور سلیقہ گویا اس پر آ کر ختم ہو گیا تھا۔

اس گھر کا ہر فرد اس کی ان خوبیوں کو سراہتا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے صبا؟'' وہ لیٹنے کے لیے تکیہ سیدھا کر رہی تھی جب ثمن نے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے مجھے؟'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یہی بات تو میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم مجھ سے کسی بات پر ناراض ہو۔'' وہ بیڈ پر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

''میں کیا پاگل ہوں جو بغیر کسی بات کے تم سے ناراض ہوں گی۔'' وہ برا ماننے والے انداز میں بولی۔

''پھر کیا بات ہے؟ تم نے آج دن بھر میں مجھ سے بالکل بات نہیں کی۔ شام کو میں تمہارے اور اپنے لیے سینڈوچز بنا کر لائی تو تم نے منع کر دیا۔ ابھی بھی دیکھو، کتنی جلدی سونے کے لیے لیٹ گئی ہو۔ جبکہ روزانہ ہم دونوں کتنی دیر تک جاگ کر باتیں کرتے ہیں۔ ان باتوں پر میں یہی سوچ سکتی ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔'' ثمن کے ان شکووں پر وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

''سوری ثمن! بس پتا نہیں کیوں آج میرا موڈ بلاوجہ خراب ہو رہا تھا۔ تم سے میں کیوں ناراض ہوں گی۔''

''موڈ کس بات پر خراب ہو گیا تمہارا؟'' ثمن اس کے برابر میں لیٹ گئی۔

''بات کوئی نہیں ہے یار! بس میں ہوں ہی موڈی۔ تمہاری طرح نیک اور اچھی بچی نہیں ہوں نا۔ اماں سے نصف صدی پہلے کے قصے خوشی خوشی سننے والی۔'' اس نے شرارت سے ثمن کو چھیڑا تھا۔

''تم بہت اچھی ہو صبا! یہاں جو میں اتنی جلدی ایڈجسٹ ہو گئی ہوں تو اس میں سب سے بڑا ہاتھ تمہارا ہے۔'' وہ ثمن کے منہ سے اپنی تعریف سن کر مسکرا دی۔

''جب ممی پاپا کی ڈیتھ ہوئی تو مجھے ایسا لگا جیسے میں بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔ مجھے تم لوگوں سے بالکل بھی محبت اور اپنائیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ تم سب تو شروع سے ایک ساتھ ایک ہی گھر میں تھے۔ تم لوگ ایک تھے اور میں تم لوگوں سے الگ، بالکل پرائی۔ میرا ماحول، میری تربیت، تم لوگوں سے مختلف تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ تم لوگوں کا یہ گھر چھوڑ کر واپس سڈنی چلی جاؤں مگر اب مجھے اپنی اس وقت کی سوچوں پر افسوس ہوتا ہے۔ تم سب کتنے اچھے ہو۔ میرے اپنے ہو۔ مجھ سے بے تحاشا پیار کرتے ہو، اس کے لفظوں میں اتنی سچائی اور اتنی وارفتگی تھی کہ اس نے بے اختیار ثمن کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر محبت سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

ارتضیٰ اپنی فٹنس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ روزانہ صبح پابندی سے ایکسر سائز اور جاگنگ اور ہفتے میں دو مرتبہ سوئمنگ وہ ضرور کیا کرتا تھا۔ آج بھی وہ آفس سے گھر آنے کے بجائے سوئمنگ کے لیے چلا گیا تھا۔ وہاں سے گھر واپس آیا تو لاؤنج میں صبا اکیلی بیٹھی نظر آئی۔

''کیا ہوا؟ اتنی بری بری شکلیں کیوں بنا رہی ہو؟'' اس کے سلام کا جواب دے کر وہ بھی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''بور ہو رہی ہوں۔ اس گھر میں کسی کو میری پروا نہیں ہے اور یہ ٹی وی بھی بس، ایک دم فضول اور بورنگ۔'' وہ ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر روٹھے لہجے میں بولی۔

''یوں منہ بسورتے ہوئے تم کتنی پیاری لگتی ہو صبا!''

''خاک پیاری لگتی ہوں۔ اس پیاری کی کسی کو رتی برابر بھی پروا نہیں ہے۔ مما اور ڈیڈی، غیاث انکل کے گھر چلے گئے، بابا ابھی تک گھر ہی واپس نہیں آئے، ظفر بھائی تو خیر گھر پر نکتے ہی کم ہیں، اماں ہیں تو وہ اپنے وظائف پڑھنے میں مصروف ہیں اور ثمن کا تو ذکر ہی بے کار ہے۔ کتابی کیڑا نہ ہو تو۔'' وہ ہنوز ناراض تھی۔

''چلو میں تو ہوں اپنی پیاری پیاری سے صبا کو پروا کرنے کے لیے۔ ایسا کرتے ہیں آج ڈنر کہیں باہر کر لیتے ہیں۔ تمہاری پسند کی جگہ۔'' اپنی تھکن بھلا کر اس نے فوراً پروگرام ترتیب دے ڈالا۔

''واقعی؟'' وہ خوشی سے فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔ ارتضیٰ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا اور بولا۔

''تم مجھے ایک گلاس پانی کا پلاؤ اور ثمن کو بھی بلا لاؤ۔ پھر تینوں مل کر چلیں گے۔'' صبا جانتی تھی ارتضیٰ اخلاقیات نبھانا کبھی نہیں بھولتا۔ وہ لوگ کہیں باہر جائیں اور ارتضیٰ ثمن سے نہ کہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

''وہ اپنا اسائنمنٹ بنا رہی ہے۔ مشکل ہی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ چلے۔''

''تم اس سے کہو تو۔'' وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بولا۔ یوں جیسے صرف ایک اخلاقی تقاضا نبھانا چاہ رہا ہو۔ ارتضیٰ کو پانی پلا کر وہ ثمن کے پاس کمرے میں آ گئی۔

''ثمن! میں اور ارتضیٰ بھائی باہر کھانا کھانے جا رہے ہیں۔ ارتضیٰ بھائی نے تمہیں بھی انوائٹ کیا ہے۔'' وہ پرجوش سے انداز میں بولتے

ہوئے اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ثمن رائٹنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی مسلسل کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

''تم لوگ جاؤ صبا! مجھے ابھی بہت کام ہے۔''اس کا جواب حسب توقع تھا۔

''چلی چلونا ثمن! مزہ آئے گا۔''اس نے دوبارہ اصرار کیا تو ثمن نے سہولت سے معذرت کر لی۔ وہ ثمن کی بدذوقی پر لعنت بھیجتی واپس لاؤنج میں آگئی۔

''ثمن نہیں آئی؟''ارتضٰی نے اسے اکیلے آتا دیکھ کر آہستگی سے پوچھا۔

''پاگل ہے ثمن، پڑھائی کو سر پر سوار کر لیتی ہے۔اسائنمنٹ جمع کرانے کی تاریخ ابھی دور پڑی ہے پھر بھی محترمہ دل و جان سے اسے مکمل کرنے میں لگی ہیں۔فرما رہی ہیں، آپ لوگ جائیں مجھے اسائنمنٹ بنانا ہے۔''وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

''ثمن کو ابھی یہ نہیں معلوم کہ آخری تاریخ سے ایک دن پہلے گھبرائے اور بوکھلائے ہوئے انداز میں کام کرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔'' اس نے لطیف سے انداز میں صبا کے ہر کام کو آخری وقت پر ٹالے رکھنے کا ذکر کیا تو اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑی۔

''بالکل، اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔''

''چلو پھر ہم لوگ چلتے ہیں۔''وہ بڑے ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا۔لاؤنج سے باہر نکلنے کے لیے اس کے اٹھتے ہوئے وہ قدم، صبا کو ایسا لگا جیسے وہ اسے زبردستی لے جا رہا ہو۔گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے ارتضٰی کی طرف دیکھا تو پتا نہیں کیوں وہ اسے بہت چپ چپ اور بجھا ہوا محسوس ہوا۔کچھ دیر پہلے اس نے خود ہی تو باہر کھانا کھانے کا پروگرام بنایا تھا، پھر اب اچانک اس پر یہ بیزاری اور کوفت سی کیوں چھا گئی تھی۔سب لوگ کہتے تھے کہ ارتضٰی کو اپنے تاثرات دوسرے سے چھپانے میں کمال حاصل ہے۔اسے غصہ آرہا ہو یا کسی کی کوئی بات ناگوار گزر رہی ہو وہ تب بھی اپنے احساسات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔لیکن اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ارتضٰی اس وقت کسی بات پر ناخوش ہے۔کسی چیز نے اسے افسردہ کر دیا ہے۔پہلی مرتبہ اس پر اس بات کا انکشاف ہوا تھا کہ وہ ارتضٰی غضنفر کا چہرہ پڑھ لیتی ہے اور وہ دوسروں سے اپنے جذبات چھپا لیا کرتا ہوگا، لیکن صبا شفیق اس کے چہرے پر موجود ہر تاثر کو پڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔وہ مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا۔

گاڑی میں صبا کا فاسٹ میوزک بھی لگایا ہوا تھا۔کیونکہ اسے خود فاسٹ میوزک بالکل پسند نہیں تھا۔ہوٹل میں آمنے سامنے بیٹھ کر ارتضٰی نے مینیو کارڈ اس کے حوالے کرتے ہوئے اس سے اس کی پسند کی چیزیں منگوانے کے لیے کہا۔

''میں بھی تمہاری پسند کی ڈشز کھاؤں گا۔''اس نے صبا کے استفسار کے جواب میں نرمی سے کہا۔وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے آپس میں بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے، ہنس رہے تھے، آتے جاتے لوگوں پر کمنٹس بھی دیئے جا رہے تھے، مگر پھر بھی صبا کا دل خوش نہیں تھا۔ارتضٰی اس کی خاطر مروتاً یہاں آیا تھا ورنہ اس کا دل یہاں نہیں تھا، اس کی سوچیں یہاں نہیں تھیں۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا۔ سب لوگ گھر پر موجود تھے اور چھٹی کے اس دن کو انجوائے کرنے کے موڈ میں بھی تھے۔ ارتضیٰ کے خالہ زاد اور ماموں زاد کزنز آئے ہوئے تھے۔ ثمن نے پہلی مرتبہ اس طرح کا موقع دیکھا تھا اس لیے خوشی کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہو رہی تھی۔

ارتضیٰ اور ظفر دونوں ہی ٹینس اور بیڈمنٹن کے بہترین کھلاڑی تھے۔ اسکول اور کالج میں بھی اکثر ان کا آپس میں مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ ہر بار ان دونوں کا مقابلہ بہت زوردار اور دلچسپ ہوا کرتا تھا۔ کھیل شروع ہوا، ہمیشہ کی طرح تماشائیوں کے دو گروپس بن گئے تھے۔ کچھ ارتضیٰ کو سپورٹ کر رہے تھے اور کچھ ظفر کو۔ صبا چیخ چیخ کر ''ارتضیٰ بھائی، ارتضیٰ بھائی'' کے نعرے لگا رہی تھی۔ ثمن نے صبا کو بھائی کے مخالف کیمپ میں دیکھ کر ناپسندیدہ سی شکل بنائی تھی۔ وہ ظفر کے حمایتیوں کے ساتھ شامل تھی اور ان کے ساتھ مل کر ظفر کے حق میں نعرے لگا رہی تھی۔

اس وقت وہاں بھانت بھانت کی آوازیں اور قسم قسم کے نعرے گونج رہے تھے۔ سب لوگوں کی زوردار آوازوں اور نعروں میں ثمن کی آواز تو بالکل دب ہی گئی تھی۔ وہ ہمیشہ آہستہ آواز میں بات کیا کرتی تھی۔ سب سے زوردار اور بلند آواز صبا کی تھی۔

''کم آن ارتضیٰ بھائی! ایک بار پھر جیت کر دکھائیں، آپ کو ہارنا نہیں ہے۔'' وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہی تھی۔

''اللہ کرے ظفر بھائی جیتیں۔'' ثمن نے دل ہی دل میں دعا مانگی تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ صبا کی تالیاں اور نعرے کچھ ہلکے پڑنے لگے۔ ظفر ہر طرح کھیل پر چھایا ہوا تھا۔ ارتضیٰ کے تمام حمایتیوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ ہارتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شور کم ہوا تو ثمن کی آواز سب کو واضح سنائی دینے لگی۔ کھیل ختم ہو گیا تھا۔ ظفر جیت گیا تھا۔ زوردار ''ہرے'' کا نعرہ لگا کر اس نے انگلیوں سے وی بناتے ہوئے اپنے حمایتیوں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ ثمن بے ساختہ بھاگتے ہوئے ظفر کے پاس گئی تھی۔

''آپ ہارتے تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔ سب لوگ کہہ رہے تھے کہ ظفر بہت اچھا کھیلتا ہے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں ارتضیٰ سے ہر بار ہار جاتا ہے۔'' اس نے بھائی کا ہاتھ تھامتے ہوئے پر جوش انداز میں کہا۔

خوشی اور مسرت اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ ظفر نے اس کے والہانہ انداز پر خوشی محسوس کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھا کر اسکی محبت کا جواب دیا تھا۔ ارتضیٰ ان دونوں سے کافی فاصلے پر کھڑا مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اسپورٹس مین اسپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے ظفر کو گلے لگا کر مبارک باد دی اور پھر اس کے بعد ثمن پر ایک مسکراتی ہوئی نگاہ ڈال کر بولا۔

''مبارک ہو تمہیں، تم تو یقیناً بہت خوش ہوگی تمہارے بھائی صاحب جیت جو گئے ہیں۔''

''ہاں، مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' وہ بغیر ہچکچائے فوراً بولی۔ ارتضیٰ نے اس کی صاف گوئی پر اپنی بے ساختہ ہنسی لب بھینچ کر روکی تھی۔ وہ ثمن کی خوشی سے جگمگاتی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اور صبا شفیق ابھی تک کسی مجسمہ کی طرح جمی ہوئی اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ کسی نے اس کی طرف دیکھا نہیں تھا۔ کسی کو یہ بات پتا ہی نہیں چلی تھی کہ صبا ابھی تک وہیں کرسی پر ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ اسے اپنے آس پاس سناٹا پھیلتا محسوس ہوا۔ وہ جیسے اس ہجوم میں تنہا کھڑی تھی۔ معاً کسی کے زوردار قہقہے کی آواز نے اسے چونکایا۔ اسے اس بات کا احساس دلایا کہ وہ زندہ ہے، سانس لے رہی ہے، اس کا دل معمول

کے مطابق دھڑک رہا ہے۔اس کا ہاتھ اپنے چہرے کی طرف گیا تو اسے پتا چلا کہ وہ رو رہی ہے۔اس نے اپنے آنسو صاف کرنے چاہے مگر وہ اور شدت سے بہتے چلے جا رہے تھے۔اپنی چیخیں دباتی وہ بے اختیار کرسی پر سے اٹھی اور بغیر کسی کی طرف دیکھے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔اپنے کمرے میں آ کر بستر پر اوندھے منہ گری، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹا جا رہا تھا۔

''صبا! میں ہوں ارتضٰی۔'' ہار کر بہت خوش ہونے والے کو تنہا بیٹھی اس لڑکی کا دھیان آ ہی گیا تھا۔اس لڑکی کا جو صرف اس کے ہارنے کا سوچ کر ہی اداس ہو جایا کرتی تھی۔وہ اس کی آواز سننے کے باوجود اٹھی نہیں تھی۔دو تین منٹ تک اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ خود ہی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''صبا! اٹھو میری طرف دیکھو۔'' اس کے لہجے میں نرمی اور محبت تھی۔وہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ارتضٰی نے ایک دم ہی اس کا ہاتھ، پکڑ کر اسے اٹھا کر بٹھا دیا تھا۔

''آج آپ کو میرے دل کے دکھنے کا کوئی خیال نہیں آیا۔آج بھی تو آپ کے ہارنے سے مجھے تکلیف ہوئی ہے لیکن آپ کے پاس میری تکلیف کے بارے میں سوچنے کا وقت ہی کہاں ہے۔آپ کے ہارنے سے ثمن تو خوش ہے نا۔آپ ہارے ہی جان بوجھ کر ہیں، صرف اسے خوش کرنے کے لیے۔'' آنسو رگڑ رگڑ کر صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے دل میں گونجتے یہ شکوے سنے۔وہ انہیں زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔

''سوری صبا! بس یار پتا نہیں کیوں آج میں جیت نہیں پایا۔شاید ظفر آج مجھ سے بہتر کھیلا اس لیے۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر سنجیدگی سے بولا۔

اس نے خود سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے ارتضٰی غضنفر کی طرف ایک پل کے لیے دیکھا۔

''آپ کیوں ہارے؟ آپ کیوں ہارے ارتضٰی غضنفر! آپ جان کر ہارے ہیں نا؟ ثمن کے لیے۔اسے خوش کرنے کے لیے۔میرے لیے آپ جیتتے تھے اور اس کے لیے آپ ہارے، اپنا آپ ہارے، آپ نے ثمن کے آگے اپنا آپ کیوں ہار دیا؟'' اسے مزید رونا آ رہا تھا۔مگر وہ اس وقت اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی، اس سے کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔

''آپ کیوں ہارے ارتضٰی بھائی؟'' اچانک ہی اس کے ہونٹوں سے شکوہ پھسل گیا تھا۔

''یار ہمیشہ جیتتا بھی تو میں ہی ہوں۔ایک بار ہار گیا ہوں تو تم اس طرح رو رہی ہو۔اچھا چلو، بالکل پکا وعدہ اگلی بار میں جیتوں گا اور پھر جیتنے کی خوشی میں تمہیں تمہاری فیوریٹ آئس کریم بھی کھلاؤں گا۔بہت ساری آئس کریم۔'' وہ پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے عہد کر رہا تھا، مگر اس مسکراہٹ اور پیار میں وہ بات نہیں تھی جو ثمن کی طرف اٹھنے والی نگاہوں میں تھی۔

''مبارک ہو تمہیں، تم تو یقیناً بہت خوش ہو گی۔تمہارے بھائی صاحب جیت جو گئے ہیں؟'' یہ بات ثمن سے کہتے وقت ارتضٰی غضنفر نے جن نگاہوں سے ثمن کو دیکھا تھا، ان میں کتنی وارفتگی تھی، کس قدر محبت تھی۔وہ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتے ہوئے ان نگاہوں سے موازنہ کر رہی تھی۔پیار دونوں ہی جگہ تھا، مگر انداز جدا تھا۔وہ اس سے کیا کہہ رہا تھا، اسے ایک لفظ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''اچھا اب یہ آنسو صاف کرو'' اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

''جلدی سے منہ دھو کر آؤ۔ ظفر زندگی میں پہلی مرتبہ مجھ سے جیتنے پر خوشی سے پاگل ہو رہا ہے اور اسی خوشی میں وہ سب کو کچھ کھلانے پلانے باہر لے جا رہا ہے۔'' ارتضیٰ شوخی سے بولا۔ وہ خوشی سے واش روم میں چلی گئی تھی۔ ارتضیٰ بیڈ پر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے ان ہی دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔

''بہت برا لگا ہے بھئی لوگوں کو میرا جیتنا۔'' ظفر نے اسے دیکھتے ہی طنزیہ انداز میں کہا۔ وہ جواباً خاموش رہی۔ کچھ دیر بعد وہ سب گاڑیوں میں ٹھنس ٹھنسا کر ظفر سے شاندار سی ٹریٹ وصول کرنے جا رہے تھے۔ وہ بہت کوشش کے باوجود بھی سب کے ساتھ باتیں کرنے اور ہنسنے ہنسانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔

''ویسے تمہارے ہارنے پر مجھے بہت حیرت ہے۔'' پیپسی کا سپ لیتے ہوئے نادر نے ارتضیٰ سے کہا۔

''بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ ظفر نے واقعی آج بہترین انداز میں کھیلا اور دوسرے یہ بھی ہے کہ آج کل میں آفس میں ضرورت سے زیادہ مصروف ہو گیا ہوں اس لیے پابندی سے پریکٹس نہیں کر پاتا۔'' نادر کو جواب دے کر وہ اپنی پلیٹ میں میکرونینز ڈالنے لگا۔

''مطلب یہ کہ اگر آپ دوبارہ پابندی سے پریکٹس شروع کر دیں تو با آسانی ظفر بھائی کو ہرا دیں گے؟''

ثمن کو ارتضیٰ کی بات بہت بری لگی تھی۔ ارتضیٰ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چمچہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔ ثمن کی طرف سے وہ بڑی محظوظ سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''ہار کر لوگ یونہی الٹے سیدھے جواز پیش کرتے ہیں۔ یوں ہوتا تو میں یوں کر لیتا اور یوں نہیں ہو سکا اس لیے میں یوں نہیں کر پایا۔ یہ بات تھوڑی اس کے منہ سے نکلے گی کہ آج میں نے اسے آؤٹ کلاس کر دیا ہے۔'' ظفر نے ثمن کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ صبا پلیٹ میں تھوڑے سے چاول اور سلاد ڈالے انہیں زبردستی کھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تمہیں ہارنے پر دکھ تو ہوا ہوگا۔'' اسماء نے سوالیہ نظروں سے ارتضیٰ کو دیکھا۔

''کبھی کبھی انسان ہار کر بھی تو جیت جاتا ہے۔''

''اوہ فلسفہ۔'' اسماء نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''مسٹر ارتضیٰ غضنفر! آج آپ نے ہار کر کیا جیت لیا؟'' وہ اسماء کی بات پر دھیمے سروں میں ہنسا۔

''یونہی کہہ رہا تھا یہ بات، اصل بات تو یہ ہے کہ آج کا دل میرا نہیں، ظفر کا تھا۔'' اسماء کو جواب دیتے ہوئے اس نے ایک نظر اپنے بالکل سامنے بیٹھی ثمن پر ڈالی پھر کچھ سوچ کر مسکرایا۔

''اور جہاں تک جیتنے کی بات ہے تو اور کچھ نہ سہی کم از کم آج میں نے ثمن کی مسکراہٹ تو جیت ہی لی ہے۔ کیا میرے جیتنے پر یہ اس طرح مسکرا سکتی تھی؟ یہی سوچ کر مجھے زیادہ افسوس نہیں ہو رہا کہ چلو میرے ہارنے پر ظفر کے ساتھ ساتھ ثمن بھی بہت خوش ہے۔'' ثمن اس کی صاف گوئی اور کچھ دیر پہلے کے اپنے رویے پر شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''مجھے آپ کے جیتنے پر بھی خوشی ہوتی ارتضیٰ بھائی! لیکن ظفر بھائی کے لیے جس طرح میں فیل کرتی ہوں، اس طرح آپ کے لیے تو نہیں کر سکتی۔ یہ تو بہت نیچرل سی بات ہے۔'' وہ اپنے رویے کی وضاحت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ظفر، ثمن کی محبت پر بڑی سرشاری سے مسکرایا تھا۔

''دنیا کی ساری بہنیں میر جعفر سے رشتہ جوڑے تھوڑی بیٹھی ہوتی ہیں۔ کچھ تو ثمن جیسی بھی ہوتی ہی ہیں۔'' ظفر نے بہت دیر سے چپ بیٹھی صبا کو لڑائی پر اکسانے کی کوشش کی تھی۔ ظفر کی بات نے سب کو ایک دم ہی اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ ورنہ اتنی دیر سے کسی کی بھی توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔

''ظفر بھائی بالکل ٹھیک کہتے ہیں صبا! تم واقعی ارتضیٰ بھائی کی چمچی ہو۔'' ثمن صبح یونیورسٹی پہن کر جانے والے کپڑے نکالتے ہوئے بولی۔ ان لوگوں کو واپسی میں اچھی خاصی دیر ہو گئی تھی۔ واپس آ کر وہ فوراً بستر پر لیٹ گئی تھی۔

''اور ظفر بھائی کتنے اچھے ہیں۔ انہوں نے تمہارے رویے کا برا بھی نہیں مانا۔ میں ان کی جگہ ہوتی اور تم میرے جیتنے پر اس طرح ناراض ہوتیں اور روتیں تو میں تم سے بات بھی نہیں کرتی۔'' وہ اپنے کام میں مصروف اس کے رویے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتی جا رہی تھی۔

''ہم میں سے کسی کو تو پتا بھی نہیں چلا تھا کہ تم ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی ہو۔ وہ تو ارتضیٰ بھائی ہی کی نظر پڑی تھی۔ ظفر بھائی کہنے لگے کہ اس کے چہیتے ارتضیٰ بھائی مجھ سے ہار جو گئے ہیں، وہ ضرور کمرے میں بیٹھ کر اس ہار کا غم منا رہی ہو گی۔'' وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکی تھی، بیڈ کی طرف آتے ہوئے اس نے اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

''لائٹ آف کر دو ثمن!'' تکیہ منہ پر رکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے ثمن سے کہا۔ ثمن لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔

''ارتضیٰ بھائی کے کزنز سارے ہی بہت اچھے ہیں۔ خوش مزاج اور ہنسنے ہنسانے والے۔ ہے نا صبا!'' کچھ دیر بعد اس نے ثمن کی آواز سنی۔ وہ روزانہ کی طرح باتیں کرنے کے موڈ میں تھی۔ صبا جواب میں اسی طرح بے حس و حرکت خاموش لیٹی رہی۔

''تم کیا سو گئیں صبا؟'' اس کے جواب نہ دینے پر ثمن نے پوچھا۔ اس نے اب کی بار بھی جواب نہیں دیا تو اس نے یہ سمجھ کر کہ صبا سو گئی ہے دوبارہ اسے آواز نہیں دی۔ کافی دیر تک کمرے میں خاموشی اور سناٹے کا راج رہا۔ بہت دیر بعد اس نے منہ پر سے تکیہ ہٹا کر ثمن کی طرف دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ گہری اور پرسکون نیند۔

''میری آنکھوں سے نیند چرا کر تم کتنے مزے سے سو رہی ہو ثمن!'' اس نے ثمن کے حسین چہرے پر نگاہیں جما دیں۔

''تم یہاں پر کیوں آ گئی ہو ثمن۔'' اس رات پہلی مرتبہ اس نے ثمن کے بارے میں یہ بات سوچی۔

''پلیز واپس چلی جاؤ ثمن، تم واپس سڈنی چلی جاؤ۔ جہاں سے آئی تھیں وہیں لوٹ جاؤ۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم سب کتنے خوش تھے۔'' اتنے دنوں سے اسے کیا بات اداس کر رہی تھی، کون سی چیز تھی جو اسے دکھی کر رہی تھی اور جسے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، آج اس کی سمجھ میں وہ بات آ گئی تھی اور وہ بات کتنی تکلیف دہ تھی۔

''وہ مجھے نہیں دیکھتا، ثمن کو دیکھتا ہے۔ اسے مجھ سے نہیں ثمن سے محبت ہے۔'' ساری رات وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی تھی۔

☆☆☆

وہ ہر روز ثمن کو دیکھ کر "تم یہاں پر کیوں آ گئی ہو ثمن؟" ضرور سوچا کرتی تھی۔ اس رات بھی وہ فزکس کی کتاب اور نوٹ بک سامنے رکھے اسی ایک جملے کو پڑھے جا رہی تھی جب ثمن نے اس کے پاس میز پر لا کر کچھ رکھا۔

اس نے سر اٹھا کر نہ تو ثمن کی طرف دیکھا اور نہ اس چیز کی طرف جو اس نے میز پر رکھی تھی۔

"پڑھاکو صاحبہ! یہ سینڈوچز اور چائے میں آپ ہی کے لیے لائی ہوں۔" اس نے صبا کے آگے سے کتاب اٹھا کر دور رکھتے ہوئے خفگی سے کہا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے پاس رکھی پلیٹ میں خوب صورتی سے سجے ہوئے سینڈوچز اور مگ میں بھاپ اڑاتی ہوئی چائے کو دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"میرے لیے؟ لیکن کیوں، میں نے کھانا کھا تو لیا تھا۔" اس نے سر اٹھا کر ثمن کی طرف دیکھا۔

"بس بس رہنے دو، کھانا کھا لیا تھا، دیکھا تھا میں نے تمہیں، کتنا کھانا کھایا تھا تم نے...... ایسی بھی کیا امتحانوں کی ٹینشن کہ بندہ کھانا پینا ہی چھوڑ دے۔ حالت دیکھو ذرا اپنی کتنی کمزور ہو رہی ہو۔ مما بھی کہہ رہی تھیں کہ اب کی دفعہ صبا امتحان کی ضرورت سے زیادہ ٹینشن لے رہی ہے۔" اس کی ڈانٹ میں پیار چھپا ہوا تھا۔ بالکل بڑی بہنوں والا محبت بھرا انداز تھا اس کا اپنی لمحہ بھر پہلے کی سوچ پر اسے یک دم ہی ندامت ہوئی۔

"کتنا اچھا ہے کہ لوگ ہماری سوچ نہیں پڑھ سکتے۔ ورنہ ثمن کو دکھ ہوتا۔"

"بہت مزے کے سینڈوچز بنائے ہیں میں نے۔ اس میں چکن بھی ہے، ویجی ٹیبلز بھی ہیں اور مایونیز بھی ہے۔ کھا کر دیکھو، تمہیں مزا آ جائے گا۔" ثمن کے کہنے پر اس نے سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔

"مزے کا بنا ہے نا؟" اس کے پہلا نوالہ لیتے ہی ثمن نے پوچھا۔ اس نے اسی طرح پلیٹ پر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔ وہ ثمن سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

"اب میں بھی پڑھنے بیٹھ رہی ہوں۔ شرافت سے یہ پوری پلیٹ خالی کر دینا۔ ورنہ پھر میں زبردستی یہ سارے سینڈوچز تمہارے منہ میں ٹھونسوں گی۔" وہ اسے دھمکاتی بیڈ پر اپنی نوٹ بک اور پین لے کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر اس من موہنی سی لڑکی کی طرف دیکھا جو اس کی بہن تھی، جو بہت اچھی تھی، جو اس سے بہت پیار کرتی تھی۔

"ثمن! جس طرح تم مجھ سے پیار کرتی ہو، اسی طرح میں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ بہت زیادہ بے حساب مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں اکثر میرے دل میں تمہارے بارے میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ اگر وہ میں تمہیں بتا دوں تو تم مجھ سے نفرت کرنے لگو۔ اکثر تمہیں دیکھ کر میں یہ سوچتی ہوں کہ تم یہاں نہ آتیں تو کتنا اچھا تھا۔ تم اتنی ہی اچھی ہو ثمن! اتنی اچھی کہ تم سے پیار کرنے کے علاوہ کچھ اور سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ کاش تم محبتوں سے لبالب بھرا ہوا یہ دل نہیں رکھتیں، تم اتنی خوبیوں کی مالک نہ ہوتیں، پھر کوئی بھی تم سے پیار نہ کرتا۔ وہ بھی۔"

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ارتضٰی کو دیکھ کر اس کا دل مچلنے لگا تھا۔

"بہت زبردست طریقے سے پڑھائی ہو رہی ہے۔ لگتا ہے اب کی بار فرسٹ پوزیشن لینے کا ارادہ ہے۔" وہ بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ ثمن بھی کمرے ہی میں موجود تھی۔

''میں آفس کے کام سے ٹوکیو جا رہا ہوں۔ جلدی سے اپنی فرمائش بتا دو۔ کیا کیا چیزیں لاؤں تمہارے لیے وہاں سے۔''

''جو مجھے چاہیے، وہ تم مجھے کبھی نہیں دو گے۔'' وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''یار! مما نے تو بس یونہی ایک بات کہی تھی۔ تم بلاوجہ ان کے ڈانٹنے پر اتنی سیریس ہوگئی ہو۔'' بڑے یقین سے وہ اسکی خاموشی کی وجہ بتا رہا تھا، یوں جیسے اس بات کے علاوہ اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ بالکل اتفاق ہی تھا کہ جس روز ارتضٰی کے کزنز ان لوگوں کے گھر آئے تھے اسی روز صبح مما نے اسے اسٹڈیز میں سیریس نہ ہونے اور اپنا وقت بیکار کے مشغلوں میں ضائع کرنے پر خاصا تفصیلی لیکچر دیا تھا۔ ارتضٰی اس وقت وہیں بیٹھا ہوا تھا اور اس نے ہمیشہ کی طرف مما کے سامنے صبا کی طرف داری بھی کی تھی۔

''صبا کا رزلٹ بہت اچھا آئے گا اس بات کی آپ کو میں گارنٹی دے رہا ہوں۔ ہر ایک کا پڑھنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ صبا ہر وقت کتابوں میں منہ گھسا کر نہیں بیٹھتی، لیکن جس وقت پڑھتی ہے تو بھرپوری سنجیدگی سے پڑھائی کرتی ہے۔'' اور ارتضٰی ہی کی وجہ سے مما نے اپنی ڈانٹ اور لیکچر کا دورانیہ تھوڑا مختصر کر دیا تھا۔ ثمن اپنے جرنل پر ڈائیگرام بناتے ہوئے ان دونوں کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ ارتضٰی نے ثمن کی توجہ محسوس کی تو بظاہر اسے نظر انداز کیے صبا سے بولا۔

''ہماری صبا تو ہنستی کھلکھلاتی اور شرارتیں کرتی ہوئی ہی اچھی لگتی ہے۔ بڑی بی ٹائپ کی بزرگ اور سنجیدہ خواتین تو یہاں پہلے ہی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اماں اور مما تمہیں جن خاتون کے جیسا بننے کی نصیحتیں کرتی ہیں خدا کے لیے تم ان کے جیسی مت ہو جانا۔'' اس کے چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں بڑی شریری چمک تھی۔ ثمن نے پنسل اور ربڑ ایک طرف رکھ کر ارتضٰی کی طرف ناراض نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ اس سے بے نیاز صبا سے باتوں میں مصروف تھا لیکن آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ ثمن کے تاثرات کو انجوائے کر رہا ہے۔

''آپ کو میری پسند معلوم تو ہے، بس جو آپ کو اچھا لگے لے آئیے گا۔'' وہ اس کے اصرار پر آہستگی سے بولی۔ کچھ دیر تک وہ اس سے اس کی پڑھائی کے بارے میں باتیں کر کے کمرے سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کے مزاج کی تبدیلی گھر کے کسی فرد کے لیے بھی قابل قبول نہیں۔ ابھی تو امتحانوں کا بہانہ تھا، اس کے بعد اس کے پاس سب سے الگ تھلگ اور خاموش رہنے کے لیے کیا بہانہ ہوگا؟ وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اماں تک بھی جو اسے ثمن کے آنے کے بعد سے اکثر اس جیسا بننے کی نصیحت کرنے لگی تھیں۔ کل بے اختیار کہہ بیٹھیں۔

''میرے گھر کی بلبل خاموش کیوں ہے۔ تم سے ہی تو اس گھر میں رونق ہے صبا! آج کل تو گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ایسی خاموشی، کوئی شور شرابہ ہی نہیں۔''

وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اس کے بدلے رویے کو کوئی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ہنسنا اور شرارتیں کرنا چھوڑ دے۔ ارتضٰی کے آگے پیچھے پھرنا چھوڑ دے۔ ظفر سے لڑنا چھوڑ دے، اماں سے بحث کرنا چھوڑ دے۔ اسے خود کو بدلنا ہوگا۔ صبا کو اب بڑا ہونا ہوگا۔ اپنی خوشی اور غم چھپانا سیکھنا ہوگا۔ اب وہ کبھی کسی کو صرف صبا شفیق کا دل رکھنے کی خاطر چہرے پر جھوٹی مسکراہٹ نہیں سجانے دے گی۔

وہ دوبارہ سے پہلے والی صبا بن گئی تھی۔ ارتضٰی، ٹوکیو سے واپس آیا تو اس کے لیے بہت سی چیزیں لایا تھا۔

''یہ رہیں تمہاری چاکلیٹس، یہ تمہاری کی چینز، دیکھو یہ ساری کی ساری تمہاری پسند کے کارٹون کیریکٹرز کی، کی چینز ہیں اور یہ ہیں تمہاری

پسند کے کلرفل پین اور پنسلیں سب سے خاص چیز ہے یہ کیلکولیٹر جب تم یونیورسٹی جانا شروع کرو گی، تو اس سے تمہیں مدد ملے گی۔'' اس نے کیلکولیٹر اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

''اب مجھے پتا چلا کہ صبا کو اس طرح کی چیزیں لا کر دیتا کون ہے۔'' ثمن جو کی چینز کو بغور دیکھ رہی تھی، مسکرا کر بولی۔

وہ ثمن کی بات سنے بغیر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور وہاں سے اپنا کالج بیگ اٹھا کر لے آئی۔ پہلے کی لگی ہوئی چند کی چینز اتار کر اس نے ان کی جگہ ارتضٰی کی لائی ہوئی نئی کی چینز لگانی شروع کر دی تھیں۔ ارتضٰی اس کام میں اس کی مدد کر دار ہا تھا۔

''صبا کو شروع سے شوق ہے اس طرح کی چیزیں جمع کرنے کا۔'' کی چین اس کے بیگ پر لگاتے ہوئے ارتضٰی نے ثمن کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''تب ہی اس کے پاس مارکرز اور پنسلوں کا اتنا زبردست ذخیرہ ہے۔ مجھے بھی ہمیشہ سے نئی نئی طرح کے پین جمع کرنے کا شوق رہا ہے۔''

''پھر تو مجھے تمہارے لیے بھی اس طرح کی کوئی چیز ضرور لانی چاہیے تھی۔'' وہ بیگ اور کی چین سے توجہ ہٹا کر ثمن کی طرف دیکھتے ہوئے تاسف سے بولا۔

''تم کبھی بتاتی بھی تو نہیں ہو اپنی پسند ناپسند، بتا دیا ہوتا تو میں تمہارے لیے بھی دو چار منفرد قسم کے پین لے آتا۔'' اس کے لہجے میں افسوس کے ساتھ ساتھ خفگی بھی تھی۔

''یہ تو میں ایسے ہی ایک بات کہہ رہی تھی اور ویسے بھی آپ اپنے بزنس کے کام سے گئے تھے، میرے حساب سے تو اس پرفیوم کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔'' ثمن نے اسے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

ثمن کو جو پرفیوم ارتضٰی نے تحفے میں دیا وہ بہت قیمتی تھا۔ لیکن صبا کے سارے تحفوں کی قیمت کے ساتھ اگر اس پرفیوم کا مقابلہ کیا جاتا تو یقیناً صبا کے تحفے قیمت میں زیادہ تھے۔ وہ ایک اکیلا پرفیوم جو بہت مہنگا تو تھا لیکن صبا کے لیے آئے بہت سارے تحفوں کی مشترکہ قیمت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے لینے کے لئے صبا کا دل مچل رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ثمن سے تحفہ بدل لے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ثمن سے کہے۔

''یہ سب چیزیں تم لے لو، مجھے بس صرف یہ پرفیوم لے لینے دو۔'' ارتضٰی سے اس کے لائے ہوئے تمام تحائف کے لیے ''بہت شکریہ'' کہہ کر اور ان پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر کے جب وہ کمرے میں آئی تو اس کی سب سے پہلی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے اس پرفیوم پر پڑی جسے ابھی کچھ دیر پہلے ہی ثمن نے یہاں رکھا تھا۔ اسے حسد محسوس ہوا۔ اپنے سب تحفے اٹھا کر پھینک دینے کو دل چاہا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم بیک وقت کسی سے محبت بھی کریں اور نفرت بھی؟ اسے کبھی ثمن سے محبت محسوس ہوتی اور کبھی شدید نفرت۔ اس وقت وہ شدید نفرت کے حصار میں تھی۔

تم یہاں پر کیوں آگئی ہو ثمن! واپس چلی جاؤ۔ خدا کے لیے واپس چلی جاؤ۔ مجھ سے میری محبت مت چھینو۔ میں نے اس شخص سے بہت شدید محبت کی ہے اور اس کے علاوہ میں کبھی کسی سے محبت نہیں کر پاؤں گی۔''

☆☆☆

اس روز کھانے کی میز پر بابا اور ڈیڈی، ارتضٰی کے جاپان کے بزنس ٹرپ کو موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھے۔ وہ جس کام سے گیا تھا اسے بڑے شاندار طریقے سے مکمل کر کے آیا تھا۔ کھانے کے دوران سارا وقت یہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔

''ارتضٰی بھائی کتنے ذہین ہیں۔ میں تو ان سے بری طرح امپریس ہوں۔'' چائے بناتے ہوئے ثمن نے اس سے کہا۔ کھانے کے بعد ظفر کی فرمائش پر ثمن کچن میں چائے بنانے آ گئی تھی۔ کام کرتے ہوئے وہ مسلسل ارتضٰی کی ذہانت ہی کو ڈسکس کیے جا رہی تھی۔

''ارتضٰی بھائی مجھے بتا رہے تھے کہ انہیں مختلف زبانیں سیکھنے کا بہت شوق ہے اور اس چیز نے انہیں ٹوکیو میں کتنا فائدہ پہنچایا۔ آپ کہیں کوئی بزنس ڈیل کرنے گئے ہیں اور جس کے ساتھ آپ کو معاملات طے کرنے ہیں آپ اس کے ساتھ اسی کی زبان میں بات کریں تو وہ شخص تو آپ کو فوراً ہی اہمیت دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ فطری سی بات ہے نا۔'' وہ ثمن کی تعریفوں پر خاموشی سے مسکراتی رہی۔

''ابھی تمہیں شاید پتا نہیں ہے ثمن! کہ یہ شخص زندگی کے ہر میدان میں یونہی جیتتا آیا ہے، اسی لیے تمہیں حیرت ہو رہی ہے۔''

''ارتضٰی بھائی کتنے جینئس ہیں نا صبا! مجھے تو بڑا فخر ہوتا ہے اس بات پر کہ وہ ہم لوگوں کے کزن ہیں۔'' باقی سب کو لاؤنج میں چائے دے کر وہ دونوں لان میں آ گئی تھیں۔

''اور پتا ہے صبا! ارتضٰی بھائی جب مجھے یونیورسٹی لینے آتے ہیں تو میری فرینڈز ان کے بارے میں کتنے زبردست قسم کے کمنٹس دیا کرتی ہیں۔''

''سبیکہ، سونیا اور شہلا تینوں کہتی ہیں۔''

''تمہارے اس کزن میں عجیب سی کشش ہے۔ میری بعض کلاس فیلوز جن سے میری خاصی دوستی بھی نہیں، ان تک نے اپنی طرف سے بڑی لاپروائی سے باتوں باتوں میں مجھ سے ارتضٰی بھائی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ سچ صبا! لڑکیاں ارتضٰی بھائی پر مرتی ہیں۔ پتا نہیں انہیں یہ بات معلوم ہے بھی یا نہیں کہ وہ لڑکیوں میں کتنے پاپولر ہیں۔'' وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے ارتضٰی ہی کو موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھی۔

''وہ بے وقوف تو نہیں ہیں ثمن! اچھے خاصے ذہین آدمی ہیں۔ ظاہر ہے انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگی! بلکہ دل ہی دل میں وہ اس بات پر بہت خوش بھی ہوتے ہوں گے اور کیا پتا وہ تمہیں یونیورسٹی لینے جاتے ہی اس لیے ہوں، لڑکیوں کے پاگل پن کا مزا لینے کے لیے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ ارتضٰی بھائی اس طرح کے ہرگز نہیں ہیں۔'' ثمن نے اس کے تبصرے کو ناپسند کیا تھا۔

''تو تم اس مقام تک آ گئیں کہ تمہیں ان کی برائی بری لگ رہی ہے۔'' وہ خاموشی سے ثمن کی طرف دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''تم سو گئیں صبا!'' ثمن جائے نماز تہہ کر کے رکھتے ہوئے بولی۔

''فی الحال تو جاگی ہوئی ہوں۔'' اس نے بند آنکھیں کھول کر ثمن کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے کی لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلانے کے بعد بیڈ پر آ گئی تھی۔

''میں تم سے ایک بات شیئر کرنا چاہتی ہوں۔ بہت پرسنل بات۔ میں اس بات کا ذکر تم سے کرنا نہیں چاہتی تھی، بلکہ کسی سے بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر پھر بھی میں تم سے اس بارے میں بات کرنے سے خود کو روک نہیں پا رہی ہوں۔'' ثمن کی مدھم سی آواز اس نے بڑے غور سے سنی۔ وہ اپنی جگہ پر لیٹنے کے بعد اس کی طرف کروٹ لیے ہوئے تھی۔

''ہوسکتا ہے یہ محض میرا وہم ہے۔ انہوں نے منہ سے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ شاید میں خود ہی ان کی توجہ اور التفات کے غلط معنی نکال رہی ہوں۔ مگر اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا صبا! یقین کرو وہاں آسٹریلیا میں میرا ایک کلاس فیلو دل و جان سے مجھ پر فدا تھا، ہر وقت میرے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ مگر مجھے اس میں کبھی کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ کبھی اس کا دیکھنا اور باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ پاپا کے ایک دوست کا بیٹا تھا، وہ بھی بہانے بہانے سے ہمارے گھر میری وجہ سے آیا کرتا تھا۔ میں نے کبھی کسی لڑکے کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا۔ جب میں یہاں آئی تو شروع میں ارتضٰی بھائی کی توجہ کو صرف ایک کزن کا اچھا سلوک سمجھتی تھی۔ مگر پھر پتا نہیں کیوں مجھے آہستہ آہستہ ان کا یہ انداز اچھا لگنے لگا۔ تم بتاؤ صبا کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ میرے بارے میں کچھ مختلف انداز سے سوچتے ہوں......؟ کیا یہ صرف میرا وہم ہے یا وہ واقعی مجھے غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں؟'' اس نے ہچکچاہٹ کے ساتھ اپنی بات مکمل کی تھی۔

''تم آج کل سارا وقت ان ہی نظروں کے حصار میں رہتی ہو۔ پھر بھی یہ بات پوچھ رہی ہو؟ کیا تم اس شخص کی نگاہیں پڑھنا نہیں جانتیں، جن میں تمہارے لیے محبت اور والہانہ چاہت کے سوا کچھ اور ہوتا ہی نہیں ہے۔'' اس نے ثمن کی طرف بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تم میں کس بات کی کمی ہے ثمن! تم سے تو کوئی بھی محبت کرسکتا ہے۔ خوش قسمت تو وہ ہوگا جس سے تم بھی محبت کرو گی، اور یقیناً وہ خوش قسمت انسان ارتضٰی بھائی ہی ہیں۔ اور جو وہ بھاگے بھاگے تمہیں یونیورسٹی چھوڑنے اور لینے جاتے ہیں تو یقیناً خدمت خلق کے طور پر تو وہ ایسا ہرگز نہیں کرتے ہوں گے۔''

وہ اس سے کسی بھی قسم کی منفی اور دل توڑنے والی بات نہیں کہہ پائی تھی۔ ثمن! اس کی بات سن کر یکلخت ہی مسکرائی تھی۔

''لیکن صبا! مجھ میں اور ان میں کتنا فرق ہے۔ وہ کتنے کوالیفائیڈ ہیں، کتنے ہینڈسم اور ذہین ہیں اور میں نے ابھی آنرز بھی مکمل نہیں کیا۔ پھر میں ان کے جیسی غیر معمولی شخصیت بھی نہیں ہوں۔''

''تو تم ان سے پانچ سال چھوٹی بھی تو ہو۔ انہوں نے بہت زیادہ تعلیم حاصل کی ہے تو تم بھی کرلو گی۔ اب تک کے اکیڈمک کیرئر میں تم ہمیشہ پوزیشن ہولڈرز میں ہی شامل رہی ہو اور تمہاری خوب صورتی کی اگر میں تعریفیں کرنا شروع کیں تو تم بلاوجہ چڑھ جاؤ گی۔ جو کہ میں چاہتی نہیں ہوں۔'' اس نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔

''صبا! تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا، وہ واقعی بہت اچھے ہیں۔ سب کا خیال رکھنے والے۔ ان کا سینس آف ہیومر کتنا اچھا ہے۔'' ثمن، ارتضٰی کی تعریفیں کرنے میں مصروف تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھنے میں۔

''ابھی تو تمہیں یہ پتا نہیں چلا ہوگا کہ اس شخص کی آنکھیں بولتی بھی ہیں۔ کیا تم نے کبھی ایسی زندگی سے بھرپور، چمک دار اور بولتی ہوئی

آنکھیں دیکھی ہیں۔ وہ مسکراتا ہے تو اس کی آنکھیں بھی مسکراتی ہیں۔ وہ غصے میں ہو تو اس کی آنکھیں بھی خفا خفا سی نظر آتی ہیں۔ جب وہ لکھتے لکھتے کچھ سوچنے لگتا ہے تو بے خیالی میں قلم اپنے لبوں میں دبا لیتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ کتنا زبردست لگتا ہے۔ اسے ٹائی باندھتے وقت کبھی شیشے کے آگے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بغیر شیشے میں دیکھے بھی وہ اتنی زبردست ناٹ بناتا ہے، بابا اور ڈیڈی سے بھی زیادہ اچھی۔ اسے ٹیولپس بہت پسند ہیں، اسے وائٹ للی اور سفید گلاب بہت پسند ہیں۔ ساری دنیا سرخ گلابوں پر مرتی ہے اور اسے سفید گلاب پسند ہیں۔ وائٹ کلر اس کا فیورٹ کلر ہے ناں اسی لیے تم میری وارڈروب دیکھو ثمن! اس میں اکثر لباس تمہیں سفید رنگ کے نظر آئیں گے۔ مما کہتی ہیں۔

''صبا تو بازار جا کر وائٹ کلر کے ڈریسز کے علاوہ کسی اور رنگ کے کپڑوں کو ہاتھ ہی نہیں لگاتی۔ اسے کیٹس کی شاعری بہت اچھی لگتی ہے۔ اسے سردیوں کی بارش بہت پسند اچھی لگتی ہے۔ وہ اپنے خیالات میں گم ہو چکی تھی کہ ثمن کی بات سن کر چونکی۔

''پرسوں ان کی سالگرہ ہے نا، میں سوچ رہی ہوں ہم دونوں مل کر انہیں کوئی تحفہ دیں۔ وہ ٹوکیو سے ہم دونوں کے لیے تحفے لائے تھے۔ پھر ہمیں بھی تو انہیں کوئی تحفہ دینا چاہیے۔ لیکن تحفے میں کیا چیز دینی چاہیے یہ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ اتنے دنوں میں میں گھر کے سب لوگوں کی پسند ناپسند سے بہت اچھی طرح آگاہ ہو گئی ہوں۔ کس کو کھانے میں کیا پسند ہے، پہننے میں کیا پسند ہے اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتیں۔ لیکن ان کی کھانے میں پسند تک کا میں اندازہ نہیں لگا پاتی۔ وہ تو ہر ڈش ایک ہی جیسی رغبت سے کھاتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا، انہیں کیا چیز اچھی لگتی ہے اور کیا نہیں۔''

''اماں نے بچپن میں ہم تینوں کو ایک بات سکھائی تھی کہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر کبھی کھانے کی برائی مت کرنا، کبھی کسی کھانے کی چیز کو دیکھ کر منہ مت بنانا۔ اللہ کی نعمت کو دیکھ کر منہ بنائیں تو اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ رزق میں سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ ہم تینوں میں سے یہ بات سب سے زیادہ اچھی طرح اس نے سمجھی۔ لیکن پھر بھی ثمن! تم نے شاید کبھی غور نہیں کیا۔ اگر غور کرتیں تو تمہیں پتا چل جاتا کہ اسے پنیر ڈال کر بنائی ہوئی مکسڈ سبزیاں بہت پسند ہیں، وائٹ میٹ وہ بہت شوق سے کھاتا ہے۔ اسے تلی ہوئی مچھلی اور مسالہ بھری ہوئی بھنڈیاں اچھی لگتی ہیں۔ چائنیز کھانے اسے بہت زیادہ پسند ہیں۔ ابھی تو اس کی بہت سی خوبیاں اور اچھائیاں تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں ثمن! جب تمہیں وہ معلوم ہوں گی تو تم مزید اس کی عاشق ہو جاؤ گی۔''

برابر برابر لیٹی وہ دونوں لڑکیاں ایک ہی شخص کے بارے میں سوچ رہی تھیں، اس فرق کے ساتھ کہ ایک جو سوچ رہی تھی اسے بول بھی رہی تھی اور دوسری جو سوچ رہی تھی، اسے بول نہیں سکتی تھی۔

ارتضیٰ کی سالگرہ کا دن تھا۔ ثمن نے صبح اٹھنے کے ساتھ ہی اس سے پوچھا تھا۔

''تمہارے ذہن میں کوئی گفٹ آیا۔ میں تو کل سارا دن سوچتی رہی، لیکن کوئی چیز میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ ارتضیٰ کو تحفہ دینے کے لیے بہت بے چین نظر آرہی تھی۔

''میں تو گفٹ بہت دن ہوئے خرید بھی چکی۔'' اب کی دفعہ اس کا ارتضیٰ کو تحفہ دینے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس کے تحفہ نہ دینے پر کوئی اور چونکتا یا نہیں کم از کم ارتضیٰ تو اس بات پر نہ صرف چونکتا بلکہ باقاعدہ اس کے پاس آکر تحفہ نہ دینے کی وجہ بھی دریافت کرتا۔

''کافی دن پہلے جب وہ ایک روز مما کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھی تو ارتضٰی کو تحفے میں دینے کے لیے ایک خوب صورت سی ٹائی اور والٹ خرید کر لے آئی تھی۔

''تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔ پرسوں رات بھی جب میں اس بارے میں بات کر رہی تھی تو گھنی بنی لیٹی رہی تھیں۔'' ثمن نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

''مجھے کیا پتا کہ تم بھی انہیں گفٹ دینے کے لیے اتنی بے تاب ہو۔ میں تو شروع ہی سے ارتضٰی بھائی کو برتھ ڈے پر انہیں گفٹ دیا کرتی ہوں، اس میں کون سی خاص بات تھی جو میں تم سے ذکر کرتی۔'' اس نے اچھے خاصے بے مروت انداز میں ثمن سے کہا۔ لیکن ثمن پتا نہیں کس مٹی کی بنی تھی جو اسے صبا کی کوئی بات بری ہی نہیں لگتی تھی۔ اسے نہ صبا کا لہجہ برا لگا اور نہ یہ بات کہ صبا نے اسے بتائے بغیر جا کر تحفہ خرید لیا۔

''میں پھر ایسا کروں گی کہ جا کر ان سے پوچھ لوں گی کہ وہ گفٹ میں کیا لیں گے۔ اب اتنے مشکل بندے کو میں خود سے کیا دوں، کم از کم میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آ رہا۔'' اس نے نہ ثمن کی بات کا کوئی جواب دیا نہ اس بارے میں کوئی مشورہ کہ وہ ارتضٰی کو تحفے میں کیا دے۔ ثمن کمرے سے چلی گئی۔ وہ خود بھی کالج کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

اپنی الماری میں رکھا ہوا گفٹ اس نے نکالا اور ارتضٰی کے کمرے کی طرف آ گئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھلا دیکھ کر ہلکے سے دستک دے کر یونہی اندر جانے کا ارادہ رکھتی تھی، لیکن اندر کمرے میں ارتضٰی کے سامنے کھڑی ثمن کو دیکھ کر اس کا دستک دینے کے لیے اٹھا ہوا ہاتھ بے ساختہ ہی گر گیا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی کی بھی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو کر انہیں صبا شفیق نظر آ بھی کیسے سکتی تھی۔

''میں آپ کو سالگرہ کی مبارکباد دینے اور یہ پوچھنے آئی ہوں کہ آپ مجھ سے گفٹ میں کیا لیں گے۔ بہت غور و فکر کیا میں نے، لیکن آپ کو دینے کے لیے کوئی چیز میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' دوستانہ سے انداز میں اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ وہ وہاں سے فوراً پلٹ جانا چاہتی تھی۔ وہ ایسا نہیں کر سکی۔ ارتضٰی نے ثمن کی بات بڑے غور سے سنی، کچھ دیر وہ یونہی خاموش رہا جیسے اس بارے میں سوچ رہا ہو۔ پھر اس نے اس کی آنکھوں پر جھانکتے ہوئے بہت گہرے اور گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

''جو میں تم سے مانگوں گا، وہ تم مجھے دو گی ثمن؟'' ثمن کا اس بات پر کیا ردعمل تھا، وہ دیکھ نہیں پائی۔ کیونکہ وہ وہاں رکی ہی نہیں تھی۔ تیزی سے چلتے ہوئے وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور گرنے والے انداز میں وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ گفٹ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر کارپٹ پر گر گیا تھا۔ وہ وہاں رک کر کیا کرتی؟ اقرار کا وہ لمحہ اس کے لیے نہیں ثمن کے لیے تھا۔ وہ لمحہ، وہ اقرار اور وہ شخص ثمن کے لیے تھا۔ اسے رونا نہیں آ رہا تھا، وہ ساکت بیٹھی اپنے دل کے کرچی کرچی ہو کر ٹوٹنے اور بکھرنے کی آوازیں سن رہی تھی۔

عجب ہے در محبت کا، جو مرضی پر نہیں کھلتا
نہیں چلتا یہاں سم سم، کسی کو دوش کیا ہم دیں

''کہاں غائب ہو بے مروت لڑکی! اور کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے تم نے میرا گفٹ؟'' شام کو ارتضیٰ نے اس کی شکل دیکھتے ہی شکوہ کیا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر بڑی بہادری سے مسکرائی اور پھر ''میں ابھی آئی۔'' کہہ کر وہاں سے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور جلدی سے تحفہ اٹھا کر لے آئی۔ ارتضیٰ کے ہاتھ میں اس نے تحفہ پکڑایا جسے اس نے بخوشی ''شکریہ'' کہتے ہوئے قبول کرلیا۔ لاؤنج میں اس وقت گھر کے سب افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ارتضیٰ نے فوراً ہی تحفہ کھول لیا تھا۔ خوٹائی اور والٹ کا خوب اچھی طرح معائنہ کرنے اور بہت ساری تعریفیں کرنے کے بعد اب وہ باقی سب لوگوں کو بھی صبا کا دیا ہوا تحفہ دکھانے لگا۔

''اسے کہتے ہیں سچی محبت۔ کتنے پیار سے صبا نے سالگرہ کے دن سے کتنے پہلے ہی سے تحفہ خرید کر رکھا ہوا تھا۔ یہ نہیں کہ وقت کے وقت اوپری دل سے رسم نبھانے کو پوچھنے کھڑی ہو جاتی کہ ارتضیٰ بھائی! آپ تحفے میں کیا لیں گے؟'' ارتضیٰ کی بات سب سے زیادہ اچھی طرح یہاں ثمن اور صبا ہی سمجھ سکتی تھیں۔ ثمن نے ارتضیٰ کی نظریں اور جملے کی معنی خیزی محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ اس سے نظریں چرائی تھیں۔ وہ اس کے اس انداز پر زیرلب مسکرا رہا تھا۔ ظفر، ارتضیٰ کے طعنہ دینے پر یہ سمجھا کہ وہ شاید اسے اور ثمن کو مشترکہ طور پر شرمندہ کرنا چاہ رہا ہے، اسی لیے فوراً لڑنے والے انداز میں بولا۔

''بھائی صاحب! وہ دن گزر گئے جب ہم اتنے بے وقوف ہوا کرتے تھے۔ اب ایک ہاتھ دو اور ایک ہاتھ لو کا زمانہ ہے۔ اگر گفٹ وصول کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو پھر پہلے ہمیں شاندار سا ڈنر کرائیے، وہ بھی ہم لوگوں کی پسند کی جگہ پر پھر گفٹ وغیرہ کی کوئی امید رکھیے گا۔ یہ بغیر ٹریٹ کے گفٹ تو آپ کو صرف آپ کا چمچہ گروپ ہی دے سکتا ہے۔'' جملے کے اختتام پر ظفر نے ایک شوخ سی نظر صبا پر ڈالی تھی۔ اسے پتا تھا چمچہ گروپ کہلائے جانے پر وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ بابا نے اس موقع پر اس کی مشکل آسان کر دی تھی اور جھٹ اس کی حمایت میں بولنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے بابا کی طرف دیکھا۔

ارتضیٰ ان لوگوں کو رات کا کھانا باہر کھلانے لے جا رہا تھا۔ ثمن اور ظفر ساتھ جا کر ارتضیٰ کے لیے ان دونوں کی طرف سے ایک مشترکہ تحفہ لے آئے تھے۔

''صبا! میں کون سے کپڑے پہنوں؟'' وہ بے دلی سے ایک سادہ سا سوٹ استری کر رہی تھی، جب ثمن نے اس سے پوچھا۔

''یہ ریڈ والا، یا یہ سی گرین یا پھر یہ بلیک والا؟'' وہ تین چار ہینگرز اپنے ساتھ لگائے کھڑی تھی۔

''تم کچھ بھی پہن لو، اچھا لگے گا۔'' اس نے ان تمام ڈریسز پر ایک نگاہ ڈال کر سنجیدگی سے کہا۔ لیکن وہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ ''بتاؤ نا، کون سا پہنوں؟'' اس نے دوبارہ اصرار کیا۔ اس کے اصرار پر آخر کار اسے اپنی رائے دینی ہی پڑی۔ وہ آج بہت اہتمام سے تیار ہو رہی تھی۔ صبا اس کی تیاریوں کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ تیاری کے معاملے میں اس نے ثمن کو اتنا حساس اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''آج کچھ خاص دن ہے ثمن؟ میں تو تمہیں بہن کی نظروں سے دیکھ رہی ہوں اور ظاہر بات ہے مجھے تم ہر طرح پیاری لگتی ہو چاہے تم لان کا پرانا سا سوٹ پہن کر اور بالوں میں تیل چپڑ کر ماسیوں والا حلیہ بنا کر بھی میرے ساتھ آؤ تو مجھے تم تب بھی اچھی ہی لگو گی۔''

(اور جن نظروں سے آج تم خود کو جانچ رہی ہو تم بے فکر رہو۔ وہاں تمہارے لیے ستائش ہی ستائش ہو گی۔ وہ نظریں تمہارے چہرے کے علاوہ کسی اور کو دیکھیں گی ہی نہیں)

پھر جب وہ چاروں ہوٹل میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے اپنی اپنی پسندیدہ ڈشز سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو ثمن کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پتا چلا کہ جب کسی لڑکی کو چاہا جاتا ہے تو چاہے جانے کا انوکھا سا احساس اسے مزید خوب صورت بنا دیتا ہے۔ ثمن تقریباً سارا وقت زیادہ تر خاموش رہی تھی۔ سر جھکائے کھانا کھاتی، ارتضٰی سے نظریں چراتی اور اس کے گالوں پر بکھرا وہ گلال۔ صبا اسے دیکھ کر بس حیران ہو رہی تھی۔

اس کا چہرہ کتنا دلکش، کتنا من موہنا سا لگ رہا تھا۔ اس پر سے نظریں ہٹانے کو صبا کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ارتضٰی بہانے بہانے سے اسے مخاطب کر رہا تھا اور وہ اس کی عام سی باتوں پر بھی بری طرح کنفیوژ ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ارتضٰی بڑی مَصرُوف زندگی گزار رہا تھا۔ اسے کبھی تفریحاً لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنے کا شوق نہیں رہا تھا۔ یُ کے لندن سے واپس آنے کے بعد سے اماں مسلسل اس کے پیچھے لگی ہوئی تھیں کہ وہ شادی کے لیے کسی لڑکی کا انتخاب کر لے۔ ان کی خواہشات اور خوشیوں کا احترام اپنی جگہ وہ اتنی جلدی شادی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ بابا اور ڈیڈی کے ساتھ مل کر اپنے بزنس کو مزید پھیلانا اور آگے بڑھانا چاہتا تھا۔

ایسا بھی نہیں کہ اس نے کبھی لڑکی کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا، جسے وہ اپنی شریک سفر بنانے کا فیصلہ کرتا۔ وہ خوب صورتی سے متاثر ہوتا تھا مگر صرف اس سے متاثر ہو کر وہ کسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی زندگی میں آنے والی اس لڑکی کے پاس خوب صورت سوچ، خوب صورت ذہن اور خوب صورت دل ہونا چاہئے تھا، خوب صورت چہرہ چاہے ہو یا نہ ہو، لیکن شادی سے اس کا یہ انکار اس روز دھرا کا دھرا رہ گیا۔ جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ ثمن سے محبت کرنے لگا ہے۔ وہ لڑکی اچانک اس کی زندگی میں آئی اور بس ہر جگہ چھا گئی۔ وہ جو ہر کام بہت سوچ سمجھ کر اور جذبات کو اعصاب پر سوار کیے بغیر کرنے کا عادی تھا، اسے ثمن سے بس ایک دم ہی محبت ہو گئی۔

وہ اچانک ہی ان سب کی زندگی میں چلی آئی تھی۔ مہمان کی حیثیت سے آنے والی اجنبی سی ثمن اور اس لڑکی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ تب وہ ان لوگوں کو پرایا سمجھ کر دور دور رہتی تھی، اب جب اس گھر کو اپنا مان کر یہاں رہنے لگی تو ارتضٰی کو پتا چلا کہ ثمن کا دوسرا نام محبت ہے۔ اسے خالق نے محبت کی مٹی سے تخلیق کیا ہے۔ وہ محبت کرنے اور محبت بانٹنے کے لیے بنی ہے گھر والوں کی تو بات کیا تھی، ان سے تو اس کا خونی رشتہ تھا۔ اسے تو راستے میں کچرا چنتے اور بھیک مانگتے بچوں تک سے محبت ہو جایا کرتی تھی۔ وہ ذہین تھی، سمجھ دار تھی، میچور تھی، وہ اپنی عمر سے زیادہ ذمہ دار تھی۔ اس کی بہت سی باتیں ارتضٰی جیسی تھیں۔

ارتضٰی اس سے بے حد متاثر تھا۔ خود میں موجود اتنی ساری خوبیوں کے باوجود اس میں ایک بے نیازی تھی۔ اپنی خوبیوں سے بے نیازی۔ اسے جیسے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ وہ بہت خوب صورت ہے، ذہین ہے، دوسرے لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ اس کی خود اپنے آپ سے یہ بے نیازی اور لاپروائی ارتضٰی کی نظروں میں اس کی خوبیوں کو کئی گنا بڑھا گئی تھی۔

پھر کچھ اور وقت گزرا تو اسے احساس ہوا کہ وہ صرف ثمن کی خوبیوں سے متاثر نہیں ہے بلکہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ محبت کا یہ انکشاف کتنا اچانک ہوا تھا اس پر اور جب اس پر اس محبت کا انکشاف ہوا تو اسے اس محبت پر بہت فخر محسوس ہوا۔ اس لیے کہ اس نے جس لڑکی سے محبت کی تھی، وہ واقعی اس قابل تھی کہ اس سے محبت کی جائے۔ ثمن کے لیے اپنی دیوانگی خود اس کے اپنے لیے بہت حیرت انگیز تھی۔

اسے یونیورسٹی سے لانے کی خاطر وہ اپنی ضروری سے ضروری اپائنٹمنٹ تک کینسل کر دیا کرتا تھا۔ مگر وہ لڑکی اس کی دیوانگی سے انجان ہنوز ویسی ہی بے نیاز تھی۔ وہ اس کے ساتھ بڑی اچھی اچھی طرح بات کرتی تھی، لیکن اس میں ابھی تک وہی پہلے والا تکلف اور دوری حائل تھی۔ کبھی اس کا دل چاہتا وہ ثمن سے پوچھے۔

''ثمن! کیا تمہیں میری محبت کا احساس ہی نہیں یا پھر تم جان بوجھ کر بے نیازی ظاہر کرتی ہو۔ میری آنکھوں میں لکھا پیغام تم کیوں نہیں پڑھ پاتیں؟'' اس کی بے قراری ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ اس نے ارتضیٰ کی آنکھوں میں موجود پیغام پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ براہ راست اس کی نگاہوں میں دیکھنے سے کترانے لگی، اس سے بات کرتے کرتے وہ اس کی نگاہوں کی وارفتگی دیکھ کر یکلخت چپ ہو جایا کرتی۔ لیکن اس گریز اور اس خاموشی میں اس کے لیے ایک بہت خوب صورت سا اقرار چھپا ہوتا تھا۔

وہ اس رات سونے سے پہلے اماں کے کمرے میں آ گیا۔ اماں اس کے لیے بالکل ماں کی طرح تھیں، اسے ان سے بات کرتے ہوئے کبھی لفظ اکٹھے کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بغیر ہچکچاہٹ کے ان سے اپنے دل کی باتیں کیا کرتا تھا۔

''اماں! آپ چاہتی ہیں نا کہ میں شادی کے لیے ہاں کہہ دوں؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے بیٹا! تمہاری شادی تو میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان ہے۔ جس لڑکی کو تم پسند کرو گے ہم سب اسے دل وجان سے قبول کریں گے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے جواب دیا۔

''میری پسند وہ لڑکی ہے جو آپ سب کو بھی بہت پسند ہے۔ میں ثمن کی بات کر رہا ہوں اماں! میں ثمن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کے منہ سے ثمن کا نام سن کر اماں کو بے تحاشہ خوشی ہوئی۔ اس نے اس لڑکی کو پسند کیا تھا جس سے اس کی شادی اس گھر کے ہر فرد کا ارمان تھی۔ اماں، بابا، ڈیڈی اور مما، سب کے سب ارتضیٰ کی ثمن کے ساتھ شادی کے خواہش مند تھے۔ دل کی یہ خواہش انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کر دی تھی، لیکن ارتضیٰ سمیت بچوں میں سے کسی کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اگر ارتضیٰ نے اس رشتے سے انکار کر دیا تو خوامخواہ آپس میں دل برے ہوں گے۔ لیکن اس نے تو وہی بات کہہ دی تھی جو سب کی دلی تمنا تھی۔ اماں نے صبح کا انتظار بھی بڑی مشکلوں سے کیا تھا۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے بابا، ڈیڈی اور مما کو اس بات سے آگاہ کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں گھر کے تمام افراد کو اس بات کا پتا چل گیا۔ مما نے ثمن کی رضامندی لینے کے بعد اماں کو باقاعدہ اس رشتے کے لئے ہاں کہہ دی تھی۔ اسی دن رشتہ دیا گیا، اسی دن رشتہ طے ہوا، اور اسی دن منگنی کی تاریخ بھی طے کر لی گئی۔

ظفر کے امریکہ جانے میں صرف چار دن رہ گئے تھے۔ اس کے جانے سے ایک دن پہلے منگنی کی تقریب ہونی تھی۔ وقت بہت کم تھا اور اماں نہایت دھوم دھام سے تقریب کرنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے گھر میں خوب بھاگ دوڑ مچی ہوئی تھی۔ ارتضٰی کے لیے یہ سب ایک حسین خواب کی طرح تھا۔

''کون کہتا ہے محبت ہجر ہے، نارسائی ہے، دکھ ہے، آنسو ہے، غلط بالکل غلط'' اس نے خود سے کہا تھا۔

''محبت کرنے والوں کو ہمیشہ ہی تو پل صراط کا سفر طے نہیں کرنا پڑتا۔ کبھی کبھی سب کچھ من چاہا بھی تو ہو جایا کرتا ہے۔ بالکل اس طرح، جیسے میرے ساتھ ہوا ہے۔''

☆☆☆

وہ حاسد نہیں تھی، کم ظرف نہیں تھی جو اپنی بہن کی خوشیوں سے جلتی۔ وہ اس کی خوشی میں خوش ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے خود کو ارتضٰی کی برسوں پہلے کی ایک بات یاد دلانی چاہی۔

''ضروری نہیں جب جو میں چاہوں، وہ مجھے مل بھی جائے۔ کبھی میرے بہت چاہنے پر بھی مجھے میری پسندیدہ چیز نہیں مل سکتی اور مجھے اسے نارمل طریقے سے لینا چاہیے۔''

''میں آپ جیسی حقیقت پسند اور میچور نہیں۔ کیسے مان لوں کہ جو میں نے چاہا وہ میرے بجائے کسی اور کو مل رہا ہے۔'' اس نے اسٹیج پر بیٹھے ارتضٰی کی طرف دیکھا جو مسکراتے ہوئے ثمن سے کچھ کہہ رہا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا صبا! کیا محبت کرنا اور اسے پا لینا اتنا ہی آسان ہوتا ہے؟'' ثمن خوشی کی انتہا پر پہنچ کر بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں یہ سب اتنا آسان نہیں ہوتا۔ صرف چند خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں محبت حاصل ہو جاتی ہے اور تم ان چند خوش نصیب لوگوں میں سے ایک ہو'' وہ بس سوچ کر رہ گئی تھی۔

''ثمن کے پاس آج بولنے کے لیے بہت کچھ تھا، وہ بے تحاشہ خوش تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس کے ساتھ آج کے اس خوشیوں بھرے یادگار دن کے حوالے سے باتیں کرتی رہی۔ باتیں کرتے کرتے ثمن سو چکی تھی، لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ آسمان پر جگمگاتا چاند اسے اس سے پہلے اتنا تنہا کبھی نہیں لگا تھا۔

''تم تنہا ہو اسی لیے اتنے اداس ہو۔ اداس مت ہو۔ دیکھو میں بھی تمہاری طرح آج بالکل تنہا ہوں۔'' وہ خاموش کھڑی چاند سے باتیں کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ سب لوگ ائیرپورٹ پر ظفر کو سی آف کرنے آئے تھے۔

''جیسے ہی تصویریں آئیں، فوراً مجھے بھیجنا۔'' ظفر نے ثمن کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اماں! آپ نے دیکھا صبا کو۔ اس نے اس معاملے میں بھی میرے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ ارتضٰی کے لندن جانے پر یہ کیسے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور آج دیکھیں، کتنے مزے سے کھڑی ہے۔'' وہ جاتے جاتے بھی اسے چھیڑ رہا تھا اس کے طعنہ دینے پر سب ہنس پڑے تھے، یہاں تک کہ ثمن بھی روتے روتے ہنس پڑی تھی۔ سب کو خدا حافظ کہہ کر وہ آگے بڑھا، دو قدم آگے بڑھ کر اس نے گردن موڑ کر سب کی طرف دیکھا تو نظریں سب پر سے ہوتی ہوئی صبا پر جا کر ٹھہر گئیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بالکل خاموشی سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک دم پلٹ کر واپس آیا۔

''ارے صبا! میں مذاق کر رہا تھا۔'' وہ اس کے پاس آ کر بولا۔

''ظفر بھائی! آپ جلدی واپس آئیے گا۔ اب آپ ارتضٰی بھائی کے ساتھ کوئی گیم کھیلیں گے تو میں آپ کو سپورٹ کروں گی۔'' وہ روتے ہوئے اسے یقین دلا رہی تھی۔ ظفر اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

ظفر کے جانے پر اداسی اور خوشی کے ملے جلے جذبات لیے وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے۔ شام تک سب یونہی کچھ خاموش خاموش سے رہے۔ ارتضٰی، ثمن کو ڈنر کرانے باہر لے جا رہا تھا۔

''صبا تم بھی چلو۔'' ارتضٰی نے آفر کی۔

''مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اخلاقاً مجھے ساتھ چلنے کو کہہ رہے ہیں، اگر میں واقعی چلنے کے لیے تیار ہو گئی تو دل ہی دل میں مجھے گالیاں دیں گے۔ پھر مرتا آپ دونوں مجھے برداشت کریں گے اور میری وجہ سے آپ لوگوں کو آپس میں انتہائی احمقانہ گفتگو کرنا پڑے گی۔ ہو سکتا ہے پھر آپ اس سے پاکستان کی فارن اور اکنامک پالیسیز ڈسکس کریں اور یہ آپ کو گوبھی کے پھول اور گیندے کے پھول کے درمیان موجود بنیادی فرق سمجھانے لگے۔'' اس کے منہ پھٹ سے انداز پر ارتضٰی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا جب کہ ثمن، اماں کی موجوگی کی وجہ سے بری طرح جھینپ گئی تھی۔ خود اماں کے لبوں پر اس کی بات سن کر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ وہ کیمسٹری میں آنرز کر رہی تھی۔ وہ اور ثمن یونیورسٹی ایک ساتھ جایا کرتی تھیں۔ اس نے اپنے ذہن سے سب سوچوں کو جھٹک کر خود کو پڑھائی میں مصروف کر لیا تھا۔ وہ اب اکیلے میں بھی نہیں روتی تھی، اس نے جیسے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا۔ دنیا میں ارتضٰی غضنفر ہی تو ایک اکیلا اچھا شخص نہیں، اس جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ اچھے مرد اس دنیا میں موجود ہیں۔ اسے ثمن پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ وہ کیوں بیکار میں خود کو ہلکان کرے۔ ایسے شخص کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ کیوں اداس ہوتی رہتی، جسے اس سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔ اس نے ارتضٰی غضنفر کے ساتھ اپنی یک طرفہ محبت کو حماقت قرار دے کر خود کو مزید اس حماقت میں مبتلا رہنے سے روک دیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد وہ سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمن سب کے لیے کافی بنا کر لے آئی۔ ارتضٰی کا اگرچہ آج کل کراچی میں قیام بہت مختصر ہوتا تھا، پھر بھی اس مختصر سے وقت میں ثمن کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اسے اس کی پسند کی ڈشز بنا کر کھلائے، رات میں اسے کافی بنا کر

دے۔ وہ ارتضٰی کے پیچھے لگ لگ کر اس سے پوچھتی کہ وہ کیا چیز کھانا چاہتا ہے۔ صبا کو اب اس کے لیے کافی بنانے اور ناشتہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کی ان سب ضرورتوں کا خیال رکھنے کے لیے ثمن کافی تھی اور صبا کو اس بات سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔

ارتضٰی نے کپ اٹھا کر پہلا گھونٹ لیا اور فوراً بولا۔

''کافی اچھی ہے ثمن! لیکن اس میں وہ بات نہیں ہے جو صبا کے ہاتھ کی بنی کافی میں ہوتی ہے۔'' اس کے اس صاف گو انداز کا ثمن نے ذرا بھی برا نہیں مانا تھا۔

''واقعی، صبا اچھی کافی بناتی ہے۔ میں کتنی بھی کوشش کرلوں اس کے جیسی مزے دار کافی نہیں بنا پاتی۔'' اس نے برملا اعتراف کیا تھا۔

''اچھا کھانا بہت لوگ بنا لیتے ہیں، لیکن اچھی چائے اور اچھی کافی بنانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ کیوں بابا! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟'' وہ بڑے موڈ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے اب بابا کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بابا تائیدی انداز میں مسکراتے ہوئے خود بھی کچھ کہنے والے تھے۔ وہ خاموشی سے بیٹھی کافی پی رہی تھی۔ اسے اپنی اس تعریف پر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ بچہ سمجھ کر کی جانے والی اپنی ان تعریفوں پر اب اسے کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی۔

اس نے ارتضٰی غضنفر کے بارے میں سوچنا بالکل چھوڑ دیا تھا، لیکن پھر بھی وہ اس کے کراچی میں ہونے کی وجہ سے ڈسٹرب ہو جایا کرتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ایک دو دن کے لیے بھی کراچی نہ آئے۔ اس کی غیر موجودگی اسے بڑا سکون پہنچاتی تھی۔ وہ جب یہاں آتا تو اسے دیکھ کر ہر لمحہ اسے ایسا لگتا جیسے اس کی کوئی بہت اپنی چیز، جس کی وہ مالک تھی، جسے وہ کسی اور کو دینے کا مر کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی، مسلسل اس سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے اور وہ بے بسی سے کھڑی اسے خود سے دور جاتا دیکھ رہی ہے۔

اپنی اس سوچ پر وہ خود کو سخت ملامت کرتی۔ خود سے خفا ہو جاتی تھی۔ اسے اس شخص کی قطعاً پروا نہیں، وہ ثمن سے شادی کرے یا کسی سے بھی، اس کی بلا سے۔

ثمن کے امتحانوں کے فوراً بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔ گھر میں کئی دن پہلے سے ڈھولک بجنی شروع ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کی کزنز اور ثمن کی سہیلیاں سب مل کر رات گئے تک ڈھولک بجاتیں، گیت گاتیں، ثمن بھی شرمائی شرمائی سی ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھی ہوتی۔ مما ہر بار ثمن کے خوشیوں سے جگمگاتے اور مسکراتے چہرے کو دیکھ کر ماشاءاللہ کہتیں، اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگا کرتیں۔

''اماں! دعا کریں میری بیٹی کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔'' اس روز رات کو وہ اماں کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھی مایوں کے فنکشن کے بارے میں ان کی مختلف ہدایات سن رہی تھی، جب مما کمرے میں آ کر اماں کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''ملیحہ! تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا! اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے دعا کرنے کے علاوہ، اب میرے پاس زندگی میں اور ہے ہی کیا۔'' انہوں نے مما کا ہاتھ اپنے بوڑھے اور کمزور ہاتھوں میں لے کر بہت محبت سے کہا۔ وہ کمرے میں آئی تو ثمن جاگی ہوئی تھی۔

''تم سوئیں نہیں ابھی تک؟'' بالوں میں سے بینڈ نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر اچھالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''چند دن رہ گئے ہیں تمہارے ساتھ اس کمرے میں گزارنے کے لیے، میں ان دنوں میں سونے کے بجائے تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''ثمن کچھ اداسی سے بولی۔ وہ چوٹی کھول کر بالوں میں انگلیاں چلاتی ہوئی بیڈ پر آ گئی۔

''صبا! تمہارے اس کمرے میں، میں نے اپنی زندگی کا بہت خوب صورت دور گزارا ہے۔ یہاں بے شمار مرتبہ تم نے میرے آنسو صاف کرے مجھے جینے کا حوصلہ دیا اور یہیں میں نے اپنی زندگی کا سب سے حسین خواب دیکھا پھر اپنے اس حسین خواب کو تعبیر پاتے دیکھا''اس کی آنکھوں سے ایک دم ہی آنسو بہنے لگے۔

''پاگل ہو، تم کون سا رخصت ہو کر کسی دوسرے گھر میں جانے والی ہو، جو یوں رو رہی ہو۔ تمہیں یہ کمرہ پسند ہے تو یہ تم اور ارتضٰی بھائی لے لو اور ارتضٰی بھائی کا کمرہ میں لے لیتی ہوں۔''اس نے ہاتھوں سے اس کے آنسو خشک کرنے چاہے تو وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر اور شدت سے رونے لگی۔

''اہمیت کمرے کی نہیں ہے۔ اہمیت تمہاری ہے۔ صبا شفیق کی۔ میری بہن کی، میری سب سے اچھی دوست کی۔ میں تمہیں مس کروں گی صبا!''وہ مسلسل روئے چلی جا رہی تھی۔

''تم میں کیا ہے صبا! میں تم سے کچھ بھی چھپا ہی نہیں پاتی۔ میرا دل خود بخود تمہاری طرف کھنچتا ہے۔''وہ اس سے محبت کا والہانہ انداز میں اقرار کر رہی تھی۔ اور صبا کے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا تھا۔''میں اس محبت کے لائق نہیں ثمن۔''

☆☆☆

عشق کا قاف

عشق کا قاف سرفراز راہی کے حساس قلم کی تخلیق ہے۔ ع ش ق...... عشق...... ازل سے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا یہ جذبہ جب جب اپنے رخ سے حجاب سرکاتا ہے' انہونیاں جنم لیتی ہیں۔ مثالیں تخلیق ہوتی ہیں۔ داستانیں بنتی ہیں۔ ''عشق'' کی اس کہانی میں بھی اسکے یہ تینوں حروف دمک رہے ہیں۔ ''عشق کا قاف'' میں آپ کو عشق کے عین' شین اور قاف سے آشنا کرانے کے لئے سرفراز راہی نے اپنی راتوں کا دامن جن آنسوؤں سے بھگویا ہے۔ اپنے احساس کے جس الاؤ میں پل پل جلے ہیں' ان انگارہ لمحوں اور شبنم گھڑیوں کی داستان لکھنے کے لئے خون جگر میں موئے بیان کیسے ڈبویا ہے' آپ بھی اس سے واقف ہو جائیے کہ یہی عشق کے قاف کی سب سے بڑی دین ہے۔ **عشق کا قاف** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آسمانی رنگ کا شرارہ پہنے، بہت نفیس سی جیولری اور مہارت سے کیئے گئے میک اپ کے ساتھ وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔اپنے لمبے سلکی بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔بالوں کی بیچ سے مانگ نکال کر جو نازک سا ٹیکا اس نے ماتھے پر سجایا تھا،اس نے اس کی تیاری کو مزید دلکشی عطا کی تھی۔

''صبا!تم لڑکے والی ہو یا لڑکی والی؟''ظفر شادی سے پانچ دن پہلے آگیا تھا اور آتے ہی اس نے شادی کے بہت سے کام اپنے ذمے لے لیے تھے۔لیکن صبا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی جاری تھی۔

''میں لڑکے والی بھی ہوں اور لڑکی والی بھی۔''

''ثمن!اس غدار کا خیال رکھنا۔کہیں ایسا نہ ہو آخری وقت میں یہ تمہیں ہری جھنڈی دکھا کر دولہا کی گاڑی میں بیٹھ کر بارات کے ساتھ آئے۔'' سارے فنکشنز بڑی اچھی طرح ہو گئے تھے۔شادی کے دن بھی وہ بڑی متحرک سی ادھر سے اُدھر پھر رہی تھی۔

''دلہن کی بہن کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں پڑ رہی۔وہ الگ ہی نظر آرہی ہے۔''اسماء نے اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے تعریف کی۔

''آج کا دن تو بس صبا کا ہے۔اس کے آگے ہم سب کی تیاریاں بالکل فضول لگ رہی ہیں۔ویسے یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں دلہن کی بہن کہیں یا نند۔''اس کے کمنٹس پر باقی سب کزنز ہنس پڑیں۔وہ خود بھی مسکراتے ہوئے بابا کی بات سننے چلی گئی۔اس کے پاس اپنی کیفیتوں کا تجزیہ کرنے کی فرصت نہیں تھی۔لیکن اتنا اندازہ تو اسے تھا کہ بھری محفل میں تنہا ہونے کی یہ کیفیت آج صبح سے اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔اسے رونا آرہا تھا،اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کہیں چھپ جائے اور سب سے چھپ کر بہت سارو ئے۔نکاح کے وقت ثمن کے ایک طرف اماں اور ایک طرف مما بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ خود بھی ثمن کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔جس وقت ثمن نے نکاح نامے پر دستخط کیے،اس نے اپنے اردگرد سناٹا پھیلتا محسوس کیا۔اسے ایک مرتبہ پھر ایسا لگا جیسے وہ کسی ریگستان میں تنہا کھڑی ہے۔کہیں کوئی آواز نہیں۔دور دور تک کوئی اپنا نہیں۔وہ بالکل تنہا ہے۔

کوئی اس کے رونے پر متعجب نہیں تھا،نہ اس کے برابر میں کھڑی کسی کزن نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ثمن کو اسٹیج پر لا کر ارتضیٰ کے ساتھ بٹھا دیا گیا تھا۔ان دونوں کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر اسے آج بھی بالکل ویسی ہی تکلیف ہوئی تھی جیسے پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہونے پر ہوئی تھی کہ ارتضیٰ غضنفر جس لڑکی سے محبت کرتا ہے وہ صبا نہیں بلکہ ثمن ہے۔

وہ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔خود کو سرزنش کرتے ہوئے آنسوؤں کو بار بار پیچھے دھکیل رہی تھی۔

مختلف رسموں اور تصویروں اور مووی کے لیے اسے بار بار آوازیں دی جا رہی تھیں۔وہ اسٹیج پر گئی اور ارتضیٰ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اس کی نظر پڑی تو اسے پتا چلا،اس شخص کی محبت اس کے دل سے کبھی نہیں نکل سکتی۔وہ لاتعلقی اور بے نیازی کا خول جو اتنے دنوں سے اس نے خود پر چڑھا رکھا تھا یکلخت چٹخ گیا تھا۔وہ سب کے ساتھ ساتھ خود کو بھی دھوکا دیتی رہی تھی۔

''تم نے مجھ سے میری محبت چھین لی ہے ثمن!میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''اسے اس لڑکی سے آج پھر شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

''صبا!ثمن کو اس کے کمرے میں لے کر جاؤ۔''گھر واپس آکر کچھ دیر رسومات کا سلسلہ چلا۔ان سے فارغ ہو کر اماں نے اسے ثمن کو اس

کے کمرے میں پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ وہ اپنی چند کزنز کے ساتھ ثمن کو لے کر اس کے کمرے میں آ گئی اسے اس پھولوں بھری سیج پر بٹھاتے وقت اس کے دل کو نا قابل بیان تکلیف ہوئی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا، اس سجے سجائے کمرے کو اجاڑ دے۔ سرخ گلابوں اور موتیے کے پھولوں سے مہکتی ہوئی تمام لڑیاں نوچ ڈالے۔ اس کمرے میں چاروں طرف بکھرے ان پھولوں کو اپنے قدموں تلے مسل ڈالے اور ان پھولوں کے درمیان بیٹھی اس حسین لڑکی کو کہیں غائب کر دے۔ آج کتنے دنوں بعد بے اختیار پھر اس کے دل سے یہی جملہ نکلا۔

''تم یہاں پر کیوں آ گئیں ثمن! تم یہاں نہ آتیں تو کتنا اچھا ہوگا۔'' سب کزنز، ثمن کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ وہ بالکل چپ تھی۔ کچھ دیر بعد وہ سب کمرے سے نکل آئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بالکل اکیلی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے رو سکتی تھی دل کی دنیا کے لٹ جانے کا ماتم کر سکتی تھی۔ اتنے گھنٹوں سے خود کو سنبھالتے سنبھالتے وہ تھک چکی تھی۔ خود پر سے اختیار کرتی وہ بلک بلک کر رہ پڑی تھی۔ جتنا وہ رو رہی تھی اتنی ہی اس کی وحشت بڑھ رہی تھی۔

''کیوں نہیں مجھے میری محبت ملی؟ جسے میں نے چاہا وہ کسی اور کو کیوں مل گیا؟ ایسا کیا ہے ثمن میں، جو مجھ میں نہیں ہے؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ اس شخص کو چاہتی ہے؟''

وحشت زدہ انداز میں اس نے اپنا ٹیکا نوچ ڈالا۔ پھر گلے کا ہار، کانوں کے بندے، وہ جنونی انداز میں سب کھینچ کھینچ کر اتارتی رہی۔ زیور نوچ نوچ کر پھینکنے سے اس کے چوٹ لگ رہی تھی۔ چند منٹوں میں اس نے اپنے روپ کو اجاڑ ڈالا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر خود کو آئینے میں دیکھا اور پھر اسی سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''ایسا کیا گناہ کیا تھا میں نے جو تو نے میرے مقدر میں یہ دکھ لکھ ڈالا؟''

''اگر وہ مجھے نہیں ملنا تھا تو پھر اس کی محبت بھی میرے دل میں نہ ڈالی ہوتی۔'' وہ روتے روتے کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیوں ڈالی میرے دل میں اس شخص کی محبت جو مجھے مل نہیں سکتا تھا۔'' اس سے اپنی چیخیں دبائی نہیں جا رہی تھیں۔

''اس ساری کائنات میں کس چیز کی کمی آ جاتی، اگر مجھے میری محبت حاصل ہو جاتی۔ کوئی بہت انہونی خواہش تو نہیں کی تھی میں نے فقط ایک شخص، جو جس طرح ثمن کو ملا گیا ہے اسی طرح مجھے بھی تو مل سکتا تھا۔'' وہ روتے روتے اٹھ کر باہر بالکنی میں آ گئی تھی۔ اس کا وجود شعلوں کی لپیٹ میں تھا اور شعلوں کو باہر کی ٹھنڈی ہوا اور بھڑکا رہی تھی۔

''جب میں نہیں تو ثمن بھی کیوں۔'' اس کے اللہ سے شکوے ختم نہیں ہو رہے تھے۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ثمن بھی اس روز انس ماموں اور ممانی کے ساتھ اسی پلین میں ہوتی۔ کیا فرق پڑ جاتا، اگر ثمن بھی ان لوگوں کے ساتھ مر جاتی۔ تیرے اختیار میں تھا تو ایسا کر سکتا تھا۔ مار سکتا تھا نا تو ثمن کو۔ وہ مر جاتی پھر یہ سب نہ ہوتا جو آج ہوا۔ وہ آج اس شخص کی دلہن بنی بیٹھی ہے، جسے میں نے اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر چاہا ہے۔ جس کے خواب دیکھتے ہوئے میں بڑی ہوئی۔ اپنی زندگی کے اتنے برسوں تک جس شخص سے

صبح ہوچکی تھی۔اس کا رات والا جنون اور وحشت ختم ہوچکی تھی۔اپنی محبت کے چھن جانے کا وہ دل بھر کر ماتم کر چکی تھی۔اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی تھا۔وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے خاموشی سے کمرے میں سے اپنی رات کی دیوانگی کے سارے نشانات مٹا رہی تھی۔رات جو کچھ ہوا، اس بارے میں وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔منہ ہاتھ دھو کر بال بنانے کے بعد کمرے پر ایک مطمئن سی نظر ڈالتی وہ باہر آ گئی۔اس کی روئی ہوئی سرخ آنکھیں دیکھ کر کسی کو تشویش نہیں ہوگی۔اتنا تو اسے اطمینان تھا۔کیا عجیب اتفاق تھا کہ باہر نکل کر اس کی پہلی نظر ارتضٰی پر پڑی تھی۔وہ اماں کے کمرے میں جا رہا تھا، اس نے صبا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''یہ ارتضٰی غضنفر تمہارا بہنوئی ہے۔تمہاری بہن کا شوہر۔رشتے بدل گئے ہیں صبا شفیق! تمہیں اس تبدیلی کو قبول کرنا ہی ہوگا۔'' اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔

وہ ملازمین کو ساتھ لگائے، گھر میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے ناشتے کا انتظام کرنے میں مصروف تھی۔اس کی کزنز بھی مدد کرانے کچن میں آ گئی تھیں۔

''ثمن تمہارا پوچھ رہی ہے۔'' وہ صبح سے ثمن کے کمرے کی طرف نہیں گئی تھی۔جب کہ باقی سب کزنز اس سے مل کر اور منہ دکھائی میں کیا ملا قسم کی معلومات لے کر آ چکی تھیں۔

''ذرا ناشتے سے فارغ ہو جائیں سب پھر جاؤں گی ثمن کے پاس۔'' وہ خود میں اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔کیسے دیکھ پائے گی وہ اس چہرے کی وہ دلآویز مسکراہٹ۔وہ محبتوں کا یقین پا لینے کے بعد والی سرخوشی اور جگمگاہٹ۔

''چھوڑو اسے، یہاں اتنا کوئی خاص کام نہیں ہے۔ثمن بار بار تمہارا پوچھ رہی ہے۔جاؤ اس کے پاس۔'' ثمرہ جو ابھی ثمن کا میک اپ کر کے آئی تھی۔اس کے ہاتھ سے مٹھائی کی پلیٹ لیتے ہوئے بولی۔ایک گہری سانس لے کر وہ کچن سے باہر آئی اور مرے مرے قدموں سے چلتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

ثمن اس وقت کمرے میں اکیلی تھی۔سرخ رنگ کی پشواز، چوڑی دار پاجامے اور بہت بڑے سے سرخ رنگ کے دوپٹے کے ساتھ وہ ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔خاموشی سے بیڈ پر بیٹھی وہ یوں لگ رہی تھی جیسے کوئی ملکہ اپنے تخت پر بیٹھی ہو۔اس کی چوٹی آگے پڑی ہوئی تھی اور اس میں گندھی بیلے کی کلیاں کس قدر خوب صورت لگ رہی تھیں۔اسے دیکھ کر خفگی کے اظہار کے طور پر وہ بالکل چپ بیٹھی رہی۔وہ اس کے پاس آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔وہ دونوں خاموش تھیں۔لیکن اس خاموشی کو ثمن نے ہی توڑا تھا۔اس کی نظر اس کی روئی ہوئی آنکھوں پر پڑی تو وہ بے چین ہو کر بولی۔

''صبا! تم روئی تھیں؟'' اتنی تشویش اور پریشانی تھی اس کے انداز میں کہ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''بے وقوف، میں کوئی تم سے دور تو نہیں جا رہی جو تم اتنا روئی ہو۔میں یہیں تو ہوں تمہارے پاس۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اسے اپنے بالکل قریب بٹھا لیا تھا۔(ثمن اگر تمہیں میرے رونے کی اصل وجہ پتا چل جائے تو تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی) اسے اس پل ثمن سے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔وہ خود میں اس سے نظریں ملانے کا حوصلہ نہیں پا رہی تھی۔

''بس صرف میرا کمرہ بدلا ہے اور تو کوئی فرق نہیں پڑا۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ثمن! تم خوش ہونا!'' اس کی وہ تسلیاں اسے چابک کی طرح لگ رہی تھیں، اسی لیے گھبرا کر اس نے موضوع بالا۔ ارتضٰی کا ذکر آجانے پر ثمن کو پھر اور کوئی بات یاد نہیں رہتی تھی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

''ہاں صبا! میں بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش ہوں کہ اپنی کیفیت کا اظہار لفظوں میں کر ہی نہیں سکتی۔ بعض دفعہ لفظ کتنے چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔ میں خوش ہوں، بہت خوش ہوں۔ بس تم خوشی سے پہلے ''بہت'' کا لفظ جتنی مرتبہ دل چاہے لگا لو۔'' بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ ثمن کے چہرے پر بکھری ہوئی تھی۔

''تم اتنی دیر سے کیوں آئیں۔'' میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' اسے اچانک ہی شکوہ کرنے کا خیال آیا۔

''یار میں بزی تھی۔ گھر میں اتنے سارے مہمان ہیں۔ مما کا تمہیں پتا ہے نا، کہیں کسی چیز میں انہوں نے ذرا سی بھی کمی دیکھ لی تو سمجھو میری شامت پکی ہے۔ نوکروں پر تو انہیں بھروسہ ہی نہیں ہے۔'' وہ تفصیل سے جواب دیتے ہوئے اس کا شکوہ دور کرنے لگی۔

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ارتضٰی نے مجھے منہ دکھائی میں کیا دیا ہے؟'' اس کے شکوے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے، لیکن کتنی اپنائیت تھی ان شکووں میں۔

''ویسے تو میں نیچے سب لوگوں سے سن چکی ہوں، لیکن چلو تم دوبارہ سے بتا دو۔ بلکہ دکھا دو۔'' ثمن جواب میں کچھ بولنے کے بجائے اس کی گردن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ چوٹ کیسے لگی صبا؟'' اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر ثمن سے نظریں چرانے پر مجبور ہوگئی تھی۔

''پتا نہیں، لگ گئی ہوگی کہیں سے۔ میں نے تو ابھی منہ دھوتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔'' اس نے اپنے جھوٹ کو بے نیازی کے پردے میں چھپا کر آہستہ سے کہا۔

''دیکھ لیا تھا اور پھر بھی کوئی دوا نہیں لگائی۔'' وہ ناراضی سے اس کو گھورتے ہوئے اٹھنے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''تمہارے لیے دوا لینے جا رہی ہوں، حد ہے بے نیازی کی۔'' اس نے ثمن کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھالیا۔

''بیٹھی رہو، ہمارے ہاں ایک دن کی دلہن سے کام نہیں کرایا جاتا۔ میں ابھی جا کر خود لگا لوں گی۔''

''لگا لوں گی نہیں، ابھی فوراً جا کر لگاؤ۔'' وہ ناراضی سے بولی تو وہ فوراً اٹھ گئی۔ اپنی اس چوٹ پر دوا لگاتے ہوئے اسے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ کیا وہ شرمندہ تھی؟ اسے ندامت ہو رہی تھی؟ مگر کس سے؟ کیا ثمن سے یا پھر خود اپنے آپ سے؟

☆☆☆

ولیمے کے بعد ظفر ایک ہفتہ ان لوگوں کے ساتھ رہ کر واپس چلا گیا۔ ارتضٰی نے اس کے جانے سے پہلے اپنے تمام قریبی کزنز کو شادی کی خوشی میں ڈنر دیا تھا۔ اس ڈنر کو سب نے خوب انجوائے کیا تھا۔ ظفر نے ارتضٰی اور ثمن کی دعوت کرنے کی خاطر ایک پکنک ارینج کی تھی۔ اس پکنک میں ہونے والا ہلا گلا اور ہنگامہ بہت یادگار تھا۔ شادی کے ہنگامے سرد پڑ رہے تھے۔ ارتضٰی اور ثمن ہنی مون کے لیے ہوائی جا چکے تھے، اس نے خود کو پہلے سے بھی زیادہ مصروف کر لیا تھا۔

ثمن اور ارتضٰی نے ہوائی سے تین چار بار گھر میں فون بھی کیا تھا مگر وہ ان لوگوں سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ہر بار اسے ان لوگوں سے بات کرنی پڑی تھی۔ اس کی ہنسی اور کھنکتی ہوئی آواز سن کر اس کے دل کو پتا نہیں کیا ہونے لگتا تھا۔ اس سے وہ ہنسی برداشت نہیں ہو پاتی تھی۔

مہینے بھر کا ہنی مون ٹرپ انجوائے کر کے وہ دونوں واپس آ چکے تھے۔ ثمن کے پاس ہمیشہ کی طرح اسے سنانے کے لیے وہاں کی ڈھیر ساری باتیں تھیں۔

''بہت سے لوگ ہوائی کو زمین پر جنت قرار دیتے ہیں اور واقعی صبا! وہاں کی تعریفیں اگر اس قدر کی جاتی ہیں تو یقین کرو وہ جگہ ایسی ہی ہے کہ اس کی اس درجہ تعریفیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بے تحاشہ حسن بکھیر رکھا ہے۔ وہاں کے اونچے پہاڑ، خوب صورت سمندر، حسین ساحل، چاروں طرف پھولوں کی دلفریب مہک۔ کون سی ایسی خوب صورتی ہے جو وہاں نہیں۔'' وہ اسے وہاں کی تصویریں دکھاتے ہوئے مسلسل بولتی جا رہی تھی۔ ان دونوں نے وہاں پر بے تحاشا تصویریں کھینچی تھیں اور ان تمام تصویروں میں وہ دونوں کس قدر خوش نظر آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہمارے ہوٹل سے سمندر اتنا نزدیک تھا۔ اتنا خوبصورت لگتا تھا اپنے کمرے کی کھڑکی سے کھڑے ہو کر سمندر کو دیکھنا۔'' ثمن بڑے خوشگوار انداز میں بول رہی تھی۔

وہ سمجھ سکتی تھی کہ ثمن کو وہ جگہ اتنی زیادہ خوب صورت کیوں لگی ہے۔ وہ جس کے ساتھ وہاں گئی تھی اس کے ساتھ تو اگر اسے کسی صحرا میں بھی بھیج دیا جاتا تو وہ اتنی ہی خوش خوش لوٹتی۔ محبت ایسی ہی زور آور ہوتی ہے۔ چاہے جانے کا احساس اتنا ہی سرشار کر دینے والا ہوتا ہے۔ وہ کیوں نہ خوش ہوتی آخر۔ وہ جس کے ساتھ وہاں گئی تھی، وہ اس سے بے تحاشا پیار کرتا تھا۔ وہ رشک بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے چلی جا رہی تھی اور ثمن جیسے ابھی ان ہی حسین لمحوں میں گھری بیٹھی تھی۔

''میں نے اس ایک مہینے میں زندگی سے اپنے حصے کی ساری خوشیاں سمیٹ لی ہیں۔ زندگی اس قدر خوب صورت بھی ہو سکتی ہے، یہ بات تو کبھی میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔ مجھے تو ساری دنیا ہی بدلی بدلی سی محسوس ہو رہی ہے۔ ایسا لگنے لگا ہے جیسے دنیا میں کہیں کوئی غم ہے ہی نہیں۔ ارتضٰی کے بارے میں، میں تم سے کیا کہوں صبا! بس میں تو یہ دعا کرتی ہوں کہ تمہیں بھی اتنا محبت کرنے والا شوہر ملے۔'' ثمن کی یہ بات اسے ایسی لگی جیسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔

''مت مانگو تم میرے لیے کوئی دعا۔ تمہاری یہ دعائیں میرا تمسخر اڑاتی ہیں۔ مجھے نہ اب محبت چاہیے اور نہ ہی محبت کرنے والا کوئی شخص۔

جب وہ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔ میں نے اس سے محبت کرنے کے علاوہ زندگی میں کچھ بھی نہیں کیا اور اس کی زندگی سے نکل جانے کے بعد اب کبھی کسی کی نہ محبت پانا چاہتی ہوں اور نہ کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ سوچتے ہوئے البم بند کر کے ایک دم وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' باقی تصویریں نہیں دیکھو گی؟'' ثمن اسے یوں اٹھتا دیکھ کر حیرت سے بولی۔

''میں ذرا کچن میں ایک نظر ڈال آؤں۔ مما کہیں گی ڈنر کی کوئی فکر نہیں ہے اس لڑکی کو۔ فراغت سے بیٹھ کر گپیں مار رہی ہے۔'' وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولی اور پھر فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ کچن میں آ کر کوئی مصروفیت ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ثمن بھی وہیں آ گئی۔ ابھی اس کے قصے ختم نہیں ہوئے تھے، اور جب تک وہ انہیں صبا کو سنا نہیں لیتی اسے چین نہیں آتا تھا۔ اس کی عدم دلچسپی بھی اس کے جوش و خروش کو کم نہیں کر رہی تھی۔ وہ لاتعلقی کا مظاہرہ کرتی اپنے کام میں مصروف تھی اور وہ مسلسل بولنے میں۔

''ہر روز صبح جب میری آنکھ کھلتی تو میں اپنے سرہانے ڈھیر سارے پھول پاتی۔ اتنے دنوں میں کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ میری آنکھ کھلے اور مجھے اپنے پاس پھول رکھے ہوئے نظر نہ آئیں مجھے کبھی بھی پتا نہیں چلا کہ ارتضیٰ پھول کس وقت لاتے تھے اور کس وقت میرے پاس رکھتے تھے۔ کتنی مرتبہ میں نے ارتضیٰ سے پوچھا، لیکن انہوں نے بتایا نہیں۔'' وہ اس کے ساتھ مل کر سلاد بنانے لگی۔

''کتنی مرتبہ ہم نے ایک ہی کپ میں چائے اور کافی شیئر کی۔ ایک ہی کون آئس کریم کھائی اور ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھایا۔'' وہ اچانک ہی ثمن کی بات کاٹ کر بولی۔

''مائی سوئیٹ سسٹر! جسے آپ محبت سمجھ رہی ہیں میرے خیال سے وہ ارتضیٰ بھائی کی خرچا بچانے کی ایک کامیاب کوشش تھی۔ ایک ہی پلیٹ میں کھانا، ایک ہی کپ میں چائے، کافی، واہ، کامیاب بزنس مین ایسے ہی ہوتے ہیں، تمہاری جیسی احمق لڑکیاں اسے محبت کا خوب صورت سا اظہار سمجھ کر خوش اور ان جیسے چالاک بزنس مین کی جیب پر بوجھ بھی کم۔'' ثمن کو اس کی بات سن کر ہنسی کا دورہ سا پڑ گیا تھا۔ سب کام چھوڑ کر وہ بری طرح ہنسے چلی جا رہی تھی۔

''کس قدر ان رومینٹک ہو تم صبا! توبہ ہے۔'' کتنی دیر بعد کہیں جا کر وہ اپنی ہنسی روکنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

''بے چارہ تمہارا شوہر، جو رومینٹک ہوا تو تم اس کی ساری رومینٹک سوچوں پر اسی طرح پانی پھیر دیا کرو گی۔ ہر وقت اسے شک کی نظر سے دیکھو گی کہ ضرور اس بات کے پیچھے خرچا بچانے کی کوئی نہ کوئی کوشش کارفرما ہے۔'' وہ ثمن کو ہنستا دیکھ کر ہنسنے لگی تھی۔

''آج کل کہاں پائی جاتی ہیں آپ؟'' ارتضیٰ نے اسے دیکھتے ہی ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا تھا اور اب پورا کا پورا اس کی طرف متوجہ تھا۔

''یہیں پر ہوں۔ آپ کے سامنے۔'' وہ بیگ کندھے پر لٹکائے کہیں باہر جانے کے لیے تیار نظر آ رہی تھی۔ بڑے سرسری سے انداز میں اس نے ارتضیٰ کو جواب دیا تھا۔

''اچھا حیرت ہے۔ یہیں پر ہو، پھر بھی مجھے دکھائی نہیں دیتیں۔ یا تو گھر پر نظر ہی نہیں آتیں اور اگر آ بھی جاؤ تو کسی نہ کسی مصروفیت کے ساتھ۔'' ارتضیٰ اور ثمن کو واپس آئے چار روز ہو گئے تھے اور ان چار دنوں میں اس کی ارتضیٰ سے برائے نام بات چیت ہوئی تھی۔

شادی سے پہلے وہ کراچی میں نہیں تھا، پھر شادی کے ہنگاموں کے دوران اسے اتنا وقت نہیں ملا تھا کہ کسی بات پر کچھ سوچتا۔ لیکن اب چار دن سے وہ کراچی میں تھا اور وہ بھی گھر پر، بالکل فارغ۔ ایسے میں اسے صبا کا اپنے ساتھ زیادہ بات چیت نہ کرنا بہت کھٹکا تھا۔

''کتنے عرصے سے تم نے مجھے نہ فارینہ کا کوئی قصہ سنایا ہے اور نہ حرا اور شازیہ کے گروپ کے ساتھ ہونے والی لڑائیاں۔''

''وہ سب تو میری کالج کی فرینڈز تھیں۔'' وہ اسے باتوں کے موڈ میں دیکھ کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''تو کیا کالج اور اسکول کے دوستوں سے یونیورسٹی جا کر دوستی ختم ہو جاتی ہے؟'' ارتضیٰ نے بحث کرنے والے انداز میں کہا۔

''دوستی ختم تو نہیں ہو جاتی۔ لیکن اب ان لوگوں کا ڈیپارٹمنٹ الگ ہے۔ وہ لوگ فزکس میں ہیں، بہت کم ان لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ میں نے بہت سارے نئے دوست بنا لیے ہیں۔ فاریہ وغیرہ کے ساتھ تو بس صرف شرارتیں اور احمقانہ حرکتیں ہی کیا کرتی تھی۔ اب ان لوگوں کے ساتھ دوستی ہوئی ہے تو میرا انٹرسٹ پڑھائی میں پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ سب ٹیچرز ہمارے گروپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔''

''یہ تو خیر بہت اچھی بات ہے کہ تم نے پڑھا کو قسم کے لڑکے لڑکیوں کو اپنا دوست بنایا ہے۔ لیکن پرانے دوستوں کو کبھی چھوڑنا مت صبا! جو بات پرانے دوستوں کی ہوتی ہے وہ نئے دوستوں میں نہیں ہو سکتی۔ دوستی جتنی پرانی ہو اتنی ہی خوب صورت اور مضبوط بھی ہوتی ہے۔ یہ ویسے یونہی ایک اضافی بات تھی، تم کہیں جا رہی تھیں۔ میں نے تمہیں روک لیا۔ جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہو گی۔'' ہمیشہ کی طرح اس نے بزرگانہ انداز میں اسے نصیحت کی تھی۔ وہ صوفے سے اٹھی تو ارتضیٰ نے پوچھا۔

''تم جاؤ گی کیسے؟ چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں؟''

''میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی قریب ہی تو ہے سرامتیاز کا گھر۔ ہمارا گروپ اکثر ان کی لائبریری میں جمع ہوتا رہتا ہے۔'' وہ اسے خدا حافظ کہتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکلنے لگی تو ارتضیٰ پیچھے سے بولا۔

''کتنے دنوں سے تم نے مجھے کافی بنا کر نہیں پلائی ہے۔ آج رات مجھے تمہارے ہاتھ کی کافی پینی ہے۔''

''میں کیوں بناؤں، ثمن صاحبہ کس مرض کی دوا ہیں۔ آپ کی کافی، ناشتہ وغیرہ سب اب اس کی ذمہ داری ہے۔'' لاؤنج میں آتے ہوئے ثمن نے اس کی بات سن لی تھی۔

''اسماء صحیح کہہ رہی تھی کہ، صبا تمہیں بہن اور نند دونوں رشتوں کے مزے کروائے گی۔ کیسا نندوں کی طرح اکیلے میں ارتضیٰ کے کان بھرے جا رہے ہیں۔'' ارتضیٰ، ثمن کے طعنہ دینے پر ہنس پڑا تھا۔ اس نے مڑ کر ارتضیٰ کی طرف دیکھا وہ مسکراتے ہوئے ثمن سے کچھ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

ہوائی سے آنے کے بعد ارتضیٰ اور ثمن ایک ہفتہ کراچی رکے اس کے بعد وہ دونوں لاہور چلے گئے تھے۔ ارتضیٰ لاہور میں اپنے جس پروجیکٹ میں ان دنوں مصروف تھا۔ اس کے لیے اسے ابھی کچھ عرصہ وہیں قیام کرنا تھا۔ شادی سے پہلے ہی اس نے وہاں اپنا ذاتی مکان خرید لیا تھا۔ لاہور میں اس کے بعض بہت قریبی دوست بھی رہتے تھے۔

گھر میں سب کو ثمن کی کمی بہت محسوس ہو رہی تھی۔ ظفر کے بعد اب ارتضیٰ اور ثمن بھی یہاں نہیں تھے۔ گھر کے سب ہی افراد کو ان دونوں کے بغیر گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔ سوائے اس کے۔ وہ اس گھر کی واحد فرد تھی جو ان دونوں کے جانے پر بہت خوش تھی۔ وہ خود کو سمجھانے میں بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ کتنی مرتبہ اس نے خود کو سمجھایا تھا۔ تقدیر کے اس فیصلے کو تسلیم کر لینے پر خود کو آمادہ کرنا چاہا تھا۔ اس نئے رشتے کو قبول کرنے کے جتن کیے تھے۔ لیکن اس کا خود کو سمجھانا، صرف اس ایک لمحے میں برباد ہو جاتا تھا۔

اب جب وہ دونوں یہاں نہیں تھے تو اسے بڑا اطمینان تھا۔ وہ اس بلاوجہ کی مشقت سے بچ گئی تھی۔ ارتضیٰ سے پرانے بے تکلفانہ انداز میں بات کرنے کی مشقت۔ ثمن کے ساتھ محبت بھرے انداز میں باتیں کرنے کی مشقت۔

ثمن، کراچی بڑی پابندی سے فون کرتی تھی۔ وہ وہاں بہت خوش تھی۔ وہ اپنے منہ سے اپنی خوشیوں کا ذکر نہ بھی کرتی۔ تب بھی اس کی آواز سے ہی پتا چل جاتا تھا کہ وہ ارتضیٰ کے ساتھ بے حد خوش ہے۔ حیرت انگیز طور پر اسے ثمن کے ساتھ فون پر باتیں کرنا برا نہیں لگتا تھا بلکہ اگر کہیں اسے فون کیے دو تین دن ہو جاتے تو وہ بے چین سی ہو جاتی تھی۔ خود سے وہ اسے بہت کم فون کرتی تھی، ثمن اس کے فون نہ کرنے پر شکوہ کرتی تو وہ پڑھائی کی مصروفیت اور وقت کی کمی کا عذر کر دیتی۔ کبھی یوں لگتا کہ جیسے اس کا دل دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک حصہ ثمن سے محبت کرتا ہے اور ایک نفرت۔ وہ شاید دوہری شخصیت کی مالک بنتی جا رہی تھی۔ کبھی اس کا موڈ خراب ہوتا تو وہ بڑی بے مروتی سے ثمن سے فون پر بات کرنے سے انکار کر دیتی۔

''مما! میں اس وقت بزی ہوں۔ آپ ثمن کو بتا دیں، میں اس سے بعد میں بات کر لوں گی۔'' مما اسے اس بدتمیزی پر گھورتے ہوئے دوبارہ ثمن سے باتیں شروع کر دیتیں۔

اگلی بار جب اس کی ثمن سے بات ہوتی تو وہ دل ہی دل میں یہ توقع کرتی کہ ثمن پچھلی بار کی اس کی بدتمیزی کا ذکر ضرور کرے گی، مگر وہ اس بات کا کوئی ذکر کیے بغیر معمول کے انداز میں باتیں کرتی۔

''ثمن! تم اتنی اچھی کیوں ہو؟ اتنی اچھی کہ میں دل میں تمہارے لیے نفرت رکھنے کے باوجود بھی تم سے نفرت کر نہیں پاتی۔ تمہاری اچھائیاں، تمہارا پیار، مجھے تم سے محبت کرنے پر مجبور کرنے لگتے ہیں۔ لیکن میں تم سے محبت نہیں کرنا چاہتی۔'' ثمن کے خلوص اور اس کی محبت اسے ایک نامحسوس سی چبھن سے دوچار کر دیتے تھے۔

ثمن کو گھر والوں کی یاد بے چین کرنے لگی تو وہ پانچ چھ دن کے لیے کراچی آ گئی۔ وہ یونیورسٹی سے آئی تو ثمن کو گھر میں دیکھ کر اسے بہت خوشی ہوئی۔ وہ اپنی خوشی پر حیران ہوتی اس سے گلے ملنے لگی۔

''مجھے سب لوگ بہت یاد آ رہے تھے۔'' وہ اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولی۔

''بس اب تھوڑے دن یہیں رہنا۔ پندرہ بیس دن سے پہلے میں تمہیں واپس جانے نہیں دوں گی۔'' اماں نے دوٹوک انداز میں ثمن سے کہا۔

اس نے اپنے برابر میں بیٹھی ثمن کی طرف دیکھا جو اماں کے احترام میں کچھ بولی تو نہیں تھی، لیکن اس کے تاثرات یہی ظاہر کر رہے تھے کہ وہ اتنے دن رکنا نہیں چاہتی۔ مما آج ہمیشہ سے بھی بڑھ کر خوش نظر آ رہی تھی۔ اتنا خوش تو اس نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا اور پھر اس خوشی کی وجہ اسے بھی پتا چل ہی گئی تھی۔

''واقعی؟'' اس نے تصدیق چاہنے والے انداز میں ثمن کی طرف دیکھا، اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔ اس بات کو سن کر اسے بے تحاشا خوشی کا احساس ہوا تھا۔

''اف، کتنا مزہ آئے گا۔ مجھے تو سوچ سوچ کر خوشی ہو رہی ہے۔ اب اس گھر میں کوئی مجھ سے چھوٹا آنے والا ہے۔ جس پر میں رعب جماؤں گی، ڈانٹ ڈپٹ کروں گی۔ وہ خوشی میں اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگی تھی۔

''تم رعب جماؤ گی، سختی کرو گی، اور ہم لوگ کہاں ہوں گے جو اسے تم سے ڈانٹیں کھانے کے لیے تنہا چھوڑ دیں گے۔'' مما نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے خفگی سے کہا۔ اس سارے دن اس کے پاس ثمن کے ساتھ باتیں کرنے کے لیے اس موضوع کے علاوہ دوسرا کوئی موضوع نہیں تھا۔

ثمن کو آئے تیسرا دن تھا، جب ارتضٰی نے فون کر کے اس سے واپس آنے کے لیے کہا۔ وہ خود واپس جانے کے لیے بڑی بے تاب تھی۔ جتنے شوق اور بے چینی سے وہ سب سے ملنے آئی تھی اب اتنی ہی بے چینی اسے واپس کے لیے تھی، لیکن اماں اور مما اسے کسی بھی قیمت پر اتنی جلدی بھیجنے پر آمادہ نہیں تھیں۔ لیکن اس کا موڈ دیکھ کر انہوں نے رکنے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔ اور ثمن تو ہر کسی کا خیال رکھنے کی عادی تھی۔ پھر اماں تو اماں تھیں۔ ان کی کسی بات سے اختلاف کرنے یا منہ پر انکار کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، لیکن پھر بھی اس نے دبے لفظوں میں اماں سے یہ ضرور کہا تھا۔

''میں یہاں رک گئی تو ارتضٰی کو مشکل ہو جائے گی۔''

''کوئی مشکل نہیں ہو رہی اسے۔ اسے عادت ہے، اپنے سارے کام وہ خود کر لیتا ہے۔ لندن پڑھنے گیا تھا تو کون سا وہاں اس کے پاس ملازمین کا انبار تھا۔ رہ لے گا وہ مزے میں۔'' انہوں نے قطعیت بھرے انداز میں اس کا اعتراض رد کر دیا تھا۔ مما سامنے والے صوفے پر بیٹھی صبا کے بالوں میں تیل کا مساج کر رہی تھیں۔ انہوں نے بغور ثمن کی طرف دیکھا، وہ مزید کسی بحث اور اختلاف کے بغیر یوں خاموش ہو گئی تھی، جیسے اماں کی بات سے متفق ہو گئی ہو۔ انہیں بے اختیار اپنی اس بیٹی پر پیار آیا تھا۔ ابھی اس کی جگہ صبا ہوتی تو اماں سے خوب بحث کرتی، ضد کر کے اپنی بات منوائی۔ اس وقت تو انہوں نے اماں اور ثمن کی گفتگو میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا، لیکن اسی روز انہوں نے اماں کو پتا نہیں کس انداز میں قائل کیا تھا کہ وہ خوشی خوشی اسے واپس بھیجنے پر تیار ہو گئی تھی۔ ثمن کو یہ بات معلوم نہیں تھی، رات ارتضٰی سے فون پر بات ہوئی تو اس نے کہہ دیا۔

''میں اماں کو ناراض کر کے نہیں آ سکتی۔ جب تک وہ خوشی سے اجازت نہیں دیں گی، میں نہیں آؤں گی۔'' مگر جب اماں نے اسے اس کی صحت اور خوراک کے حوالے سے ایک طویل ہدایت نامہ دیتے ہوئے واپس جانے کی اجازت دی تو اس کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے سامنے، اس نے کسی قسم کی خوشی اور ایکسائٹمنٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، لیکن رات میں صبا کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس نے اپنی بے تحاشا خوشی کا برملا اظہار کیا تھا۔

''جب وہاں تھی تو سب لوگ بہت یاد آتے تھے، اب یہاں آئی ہوں تو ارتضٰی کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ میں کسی کے بغیر بھی نہیں رہ سکتی۔ مجھے وہ سب لوگ ایک ساتھ چاہئیں، جن سے میں پیار کرتی ہوں۔ میرے سب پیارے میرے پاس ہوں، میرے بالکل قریب۔ سب کا بے تحاشا پیار ہو اور میں ہوں۔ سچ کہتی ہوں صبا! عجیب سی ایک ہوس ہے میرے اندر۔ اپنے حصے کی ساری محبتیں جلدی جلدی سمیٹ لینے کی۔''

ثمن اگلے ہی روز واپس چلی گئی تھی۔ اماں اور مما کو آج کل اس کی فکر پہلے سے بھی زیادہ رہنے لگی تھی۔ بعض مرتبہ دن میں دو دو تین تین مرتبہ ثمن کو فون کیا کرتیں۔ ثمن کو واپس گئے دو مہینے ہو چکے تھے۔ وہ اپنے امتحانوں کی تیاری میں مصروف تھی جب ثمن نے اس سے اپنے پاس لاہور آنے کے لیے کہا۔

''چھٹیوں میں تم یہاں آ جاؤ صبا! بہت مزہ آئے گا۔'' اس کا ان دونوں کے پاس جانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے فوراً ہی اسے منع کر دیا۔

''آنا تو تمہیں پڑے گا۔ اب دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔'' اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا اور پھر جو اس نے کہا وہ واقعی کر بھی دکھایا۔ وہ امتحانات میں ثمن کا چیلنج بھول بھی چکی تھی، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ ثمن، اماں اور ڈیڈی سے یہ وعدہ لے چکی ہے کہ وہ سمسٹر بریک میں صبا کو اس کے پاس لاہور بھیجیں گے۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا جانے کو۔ یہ اچھی زبردستی ہے۔'' وہ اپنے جانے کی بات سن کر چڑ گئی۔

''اتنے پیار سے بہن بلا رہی ہے اور تم نخرے دکھا رہی ہو۔ تمہارے جانے سے اس کا دل بہل جائے گا۔ یہاں پر بھی تو فارغ ہی ہو۔ ذرا سا بہن کا خیال کر لوگی تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے۔'' اماں کو اس کا انکار سخت ناگوار گزرا تھا۔

''ارتضٰی بھی بڑے اصرار سے کہہ رہا تھا کہ صبا کو بھیج دیں اور ثمن بھی تمہیں بہت مس کر رہی ہے۔'' ڈیڈی نے بھی سمجھایا۔

''کہو کیسی رہی؟'' ڈیڈی نے اس کی فلائٹ کا ٹائم بتانے کے لیے لاہور فون کیا تو ثمن نے اس سے بات کی۔ وہ اپنی جیت پر بہت خوش تھی۔

''بہت ذلیل ہو تم، تم سے تو اب وہیں آکر نمٹوں گی۔'' اس نے اسے دھمکی دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔

''ساری دنیا کی فکر رہتی ہے اس لڑکی کو سوائے اپنے، مجھے نہیں لگتا کہ وہ اپنے کھانے پینے کا کچھ خاص دھیان رکھتی ہوگی۔ اب تم جا رہی ہو تو بہن کا اچھی طرح خیال رکھنا۔ چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے واپس آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اماں جاتے جاتے بھی اسے سمجھانا نہیں بھولیں۔ ارتضٰی اسے ائیر پورٹ پر لینے کے لیے آیا ہوا تھا۔

''وہ محترمہ کہاں ہیں جنہوں نے نادر شاہی حکم جاری کر کے مجھے یہاں بلوایا؟''

''وہ گھر پر تمہارے استقبال کا خاص اہتمام کر رہی ہے۔ بہت زبردست قسم کی ڈشز تیار کی گئی ہیں تمہارے لیے۔ صبح سے کچن میں گھسی ہوئی ہیں محترمہ۔'' ارتضٰی نے مسکراتے ہوئے اسے ثمن کی مصروفیات سے آگاہ کیا۔ وہ لوگ گھر پہنچے تو ثمن پہلے ہی سے اس کے استقبال کے لیے کھڑی نظر آئی۔ بڑی بے ساختگی میں اس نے صبا کو گلے لگا لیا۔

''کتنی خوش ہو رہی ہے مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر، میں بتا نہیں سکتی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آئی تھی۔

''مہمانوں کی طرح بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر اس نے ٹوکا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''پہلے سارا گھر تو دیکھ لو۔ تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔ میں نے اسے اتنی اچھی طرح سجایا ہے۔ ارتضٰی کہتے ہیں، تمہیں تو انٹیریر ڈیزائنر ہونا

چاہیے تھا۔" وہ اسے ڈائننگ روم، بیڈ رومز، وہ اسے وہاں موجود ایک ایک چیز کی تفصیل بتانے لگی۔

وہ اس گھر کی سجاوٹ سے زیادہ ثمن کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس پر سچی خوشی روشنی بن کر جگمگا رہی تھی۔

اس کمرے کی کسی بھی دوسری چیز پر نظر پڑنے سے پہلے اس کی نظر اس تصویر پر پڑ گئی تھی جو بہت خوب صورت سے فریم میں جڑی بیڈ کے پیچھے والی دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے کمرے میں لگانے کے لیے اپنی شادی کے دن کی تصویر کی جگہ ہنی مون کی تصویروں میں سے ایک تصویر کا انتخاب کیا تھا۔ وہ تصویر بہت خوب صورت تھی۔ ارتضٰی اور ثمن دونوں ہی اس تصویر میں بہت خوب صورت اور خوش نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کا انتخاب بہترین تھا۔ اس نے ایک دم ہی تصویر پر سے اپنی نظریں ہٹا کر گردن گھمائی تو آنکھوں کے سامنے وہی منظر آیا جس سے اس نے نظر ہٹالی تھی۔ ارتضٰی اور ثمن ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ اتنے ہی خوش اور اتنے ہی خوب صورت جتنے کہ تصویر میں لگ رہے تھے۔

"ہوگیا گھر کا معائنہ؟" وہ اس سے مخاطب ہوا۔ اس نے جواباً مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اسے خود اس بات کا احساس ہوا کہ اس وقت وہ منافقانہ انداز میں ہنس رہی ہے۔

"میرا خیال ہے، اب کھانا کھالینا چاہیے۔ دیکھیں تو سہی کہ ثمن صاحبہ صبح سے کچن میں گھس کر خالی مجھے امپریس کر رہی ہیں یا واقعی کچھ ڈھنگ کی ڈشز تیار بھی کر رہی ہیں۔" ارتضٰی کی مخاطب دوبارہ وہی تھی۔

"کھانا بالکل تیار ہے۔ آپ دونوں حیران رہ جائیں گے، میں نے اتنی مزے مزے کی چیزیں بنائی ہیں۔" ثمن ارتضٰی کو جواب دیتی تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ دونوں بھی کمرے سے باہر نکل آئے۔

"بہت خوش ہے ثمن تمہارے آنے پر۔" سیڑھیوں کی طرف آتے ہوئے ارتضٰی نے اس سے کہا۔

"جب سے تمہارے آنے کا کنفرم ہوا، اس نے اسی وقت سے تمہارا انتظار شروع کر دیا تھا۔ کل کتنے گھنٹوں تک اس نے میرا سر کھایا ہے۔ صبا آرہی ہے، اس سے یہ بات کرنی ہے۔ اسے وہ بات بتانی ہے۔ اسے یہ کھلانا ہے۔ اس کے لیے وہ پکانا ہے، تمہارا ذکر کر کے اس نے مجھے اچھا خاصا چڑا دیا تھا۔"

"آپ کو میرے ذکر سے چڑ ہوتی ہے۔؟" ارتضٰی کی شوخی سے کی گئی بات کے اختتام پر اس نے ایک دم پوچھا۔ ارتضٰی کو اس کے سوال پوچھنے کا یہ انداز بڑا اجنبی سا لگا۔ اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی۔ اس کی توجہ ارتضٰی کی طرف نہیں بلکہ سیڑھیوں کی طرف تھی۔ اس کی شوخی سے کہی گئی ایک بات کو اس نے کس طرح لیا تھا۔ اس کے جملے کے باقی سارے حصے کو نظر انداز کر کے اس نے صرف آخری بات پر توجہ دی تھی۔

☆☆☆

"کیا ہوا آپ چپ کیوں ہوگئے؟ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔ مجھے پتا ہے آپ کبھی بھی مجھ سے چڑ نہیں سکتے۔" اس کی خاموشی کو محسوس کر کے وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ ثمن کے پاس کچن میں چلی گئی تھی۔ جب کہ ارتضٰی ابھی وہیں کھڑا ہوا تھا۔ صبا کے لہجے میں ایسی کیا بات تھی جو اسے اجنبی لگی تھی؟

''ویسے تو میں پلین میں بھی کھانا کھا چکی تھی۔لیکن اب تم نے اتنی مزے مزے کی ڈشز بنائی ہیں تو دوبارہ کھانے میں بھی کچھ حرج نہیں۔''
اس نے اپنی پلیٹ میں رشین سلاد ڈالتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بہن صاحبہ خود تو چٹوری تھیں ہی مجھے بھی اپنا جیسا بنا دیا ہے۔روز ناشتے میں یہ پراٹھا کھلاتی ہے، مجھے آج کل پہلے سے بھی زیادہ پابندی سے ایکسرسائز اور جوگنگ کرنی پڑ رہی ہے۔'' ارتضیٰ اپنی کچھ دیر پہلے کی حیرت کو نظر انداز کر کے بڑے خوشگوار سے موڈ میں کھانا کھا رہا تھا۔

''تم بتاؤ صبا! یہ کوئی انصاف تو نہیں ہے۔شوقین خود ہیں کھانے کے اور الزام مجھے دیتے ہیں۔اب ناشتے کی میز پر میں نے ٹوسٹ، آملیٹ، مکھن اور جیم بھی رکھا ہوا ہوتا ہے، لیکن یہ اپنی مرضی سے اسے چھوڑ کر پراٹھا کھاتے ہیں تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔'' ثمن...... مصنوعی غصے سے بولی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ثمن! آپ نہ کھایا کریں۔یہ کہیں کہ اصل میں خود ہی کا دل چاہ رہا ہوتا ہے۔'' ثمن اس کے اپنی حمایت میں بولنے پر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ظفر بھائی اور آپ کے مقابلوں میں ضرور صبا آپ کا ساتھ دیا کرتی تھی۔لیکن اگر بات میری اور آپ کی ہو تو صبا صرف اور صرف میرا ساتھ دے گی۔ہے نا صبا؟'' ارتضیٰ سے کہتے کہتے اس نے ایک دم اس سے پوچھا۔

''کیوں خوامخواہ میں، میری ارتضیٰ بھائی کے ساتھ لڑائی کروانا چاہ رہی ہو اور اللہ نہ کرے کہ کبھی ایسی نوبت آئے جو مجھے آپ دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ دینا پڑے۔'' ارتضیٰ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''صبا واقعی بڑی ہو گئی ہے ثمن! اسے سیاسی قسم کے بیانات دینے آ گئے ہیں۔'' ثمن بھی اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔

''میں سمجھتی تھی مردوں کی محبت بس شادی سے پہلے تک ہی ہوتی ہے۔بیوی بننے کے بعد تو انہیں اپنی پسندیدہ ترین لڑکی میں بھی عیب نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔مگر ایسا ہے نہیں صبا! کم از کم میرے ساتھ تو ایسا ہرگز نہیں ہے۔'' وہ لاؤنج کے کارپٹ پر ویکیوم کلینر چلاتے ہوئے ثمن کی باتیں سن رہی تھی۔ارتضیٰ کے آفس چلے جانے کے بعد ثمن کارپٹس کی صفائی کے لیے ویکیوم کلینر لگانے لگی تو اس نے ویکیوم کلینر اس کے ہاتھ سے چھین کر اسے صوفے پر بٹھا دیا تھا۔

''مجھے نوکروں کا کیا کام پسند نہیں آتا۔جس محبت سے میں اپنے گھر کا خیال رکھوں گی ایسے کوئی نوکر تو کبھی نہیں رکھ سکتا۔مجھے تو حیرت ہوتی ہے، ایسی عورتوں پر جو اپنے گھروں کو ملازمین کے سپرد کر کے خود بے فکر ہو جاتی ہیں۔'' وہ اس کے ڈانٹنے اور یہ کہنے پر کہ یہ کام اسے خود کرنے کے بجائے کسی ملازم سے کروانا چاہیے، بہت سنجیدگی سے بولی۔

''اچھا جب تک میں ہوں، تب تک تم یہ سارے کام میرے سپرد کر دو۔میرے جانے کے بعد شوق سے اپنا گھر خود اپنے ہاتھوں سے سجا، سنوار لیا کرنا۔'' ڈرائنگ روم کی صفائی کے بعد وہ اب لاؤنج میں آ گئی۔

''ارتضیٰ کو جتنا اچھا میں شادی سے پہلے سمجھتی تھی، وہ حقیقت میں اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔کبھی کبھی تو مجھے خود اپنے آپ پر رشک آتا

ے۔اتنی شدید محبت مجھ سے؟'' ایسا غیر معمولی کیا ہے مجھ میں کبھی کبھی مجھے ڈر لگنے لگتا ہے۔محبت کے کھو جانے کا ڈر، اس کے چھن جانے کا ڈر۔ پتا نہیں محبت اتنی واہمی کیوں ہوتی ہے۔لیکن صبا! مجھے واقعی ڈر لگتا ہے۔ایسا کیوں لگتا ہے جیسے یہ محبت ایک روز مجھ سے چھن جائے گی۔'' وہ ثمن کی بات پر کھل کر ہنسی تھی۔

''تم میری سوچ سے بھی زیادہ جذباتی ہو۔ارے احمق اگر کچھ نہ کچھ سوچنا بہت ہی ضروری ہے تو بجائے ان بے سروپا باتوں کے اس کے بارے میں سوچ لیا کرو۔ جو ہم لوگوں کی زندگیوں میں آ کر ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھیر دے گا۔'' ثمن کا موڈ ایک دم ہی بدل گیا، وہ اب چہرے پر خوب صورت سی مسکراہٹ لیے شاید اسی کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

''اماں نے تو نام بھی سوچ لیا ہے۔اگر لڑکا ہوا تو معاذ اور لڑکی ہوئی تو ماہم۔ویسے تمہیں کس کا انتظار ہے معاذ کا یا ماہم کا؟''

''میں دعا مانگتی ہوں کہ اللہ مجھے بیٹا دے، بالکل ارتضٰی جیسا ہو وہ۔اس کی شکل صورت، عادتیں سب ان کے جیسی ہوں۔''

''پھر ارتضٰی بھائی یہ دعا مانگتے ہوں گے کہ بیٹی ہو اور بالکل ثمن جیسی خوب صورت ہو، اسی کے جیسی اچھی اور محبت کرنے والی ہو۔'' اس نے جواب فوراً اور بڑی بے ساختگی سے کہا تھا۔

''ہاں واقعی، وہ یہی کہتے ہیں۔حیرت ہو رہی ہے مجھے تمہارے اندازے پر، ویسے ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے اپنی ماں کی طرح بچپن ہی سے سنجیدہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ خالہ کی طرح شوخ و شریر ہونا چاہئے۔اب تو تم ایسی نہیں ہو، بچپن میں تم کتنی شریر اور باتونی تھیں صبا! مجھے ابھی بھی یاد ہے میں جب کبھی تم لوگوں کے پاس کراچی آتی تو تمہیں اتنا زیادہ اور مسلسل بولتا دیکھ کر مجھے کس قدر حیرت ہوتی تھی۔ ارتضٰی کہتے ہیں تمہارے گھر میں ساری رونق صبا کی وجہ سے تھی۔اس کی شرارتیں اتنی معصومانہ اور پیاری ہوتی تھیں کہ اس کی کسی بھی حرکت پر غصہ نہیں آتا تھا۔'' زندگی کا جو دور وہ اسے یاد دلانا چاہ رہی تھی اسے وہ یاد کرنا نہیں چاہتی تھی، اسی لیے اس بات پر کوئی تبصرہ کئے بغیر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''بس تو پھر میں یہ دعا مانگنا شروع کر دیتی ہوں کہ پیارے اللہ میاں آپ ارتضٰی بھائی اور ثمن میں سے جس کی بھی چاہیں دعا قبول کر لیں۔ اس لیے کہ میرا بھانجا ہوا تو وہ ارتضٰی بھائی جیسا اچھا ہو گا اور بھانجی ہوئی تو ثمن جیسی۔''

''ہاں یہ دعا ٹھیک رہے گی۔'' ثمن نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔کچھ دیر بعد جب وہ صفائی کے اس کام سے فارغ ہو چکی تو ثمن سے بولی۔

''جب اپنے گھر کی صفائیاں تم خود کرتی ہو تو پھر کھانا تو لازمی خود ہی پکاتی ہو گی۔ مجھے بتاؤ کیا پکانا ہے۔تمہارے جیسا مزے کا تو نہیں پکا سکوں گی، لیکن یقین کرو میں نے بہت سی چیزیں مما اور اماں سے پکانی سیکھ لی ہیں۔اچھی خاصی کوکنگ کرنا آ گئی ہے مجھے۔''

''میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا تھا کہ مجھے ایک نوکرانی کی ضرورت تھی۔'' اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

''تم نے تو اس لیے نہیں بلایا، لیکن اماں نے مجھے یہاں اسی لیے بھیجا ہے۔تمہاری خدمت کرنے کے لیے۔ابھی تو میں تمہیں وہ سب چیزیں بنا بنا کر کھلاؤں گی، بلکہ ٹھنساؤں گی جو اماں نے تمہیں کھلانے کے لیے مجھے خاص تاکیدیں کی تھیں۔'' اس کا انداز ڈرانے والا تھا۔'' اور تمہیں یہ تو پتا ہی نہیں ہے کہ وہ چیزیں کیا ہیں۔ان میں سے اکثر چیزیں دیسی گھی میں تیار کی جائیں گی۔'' اس نے اسے مزید ڈرایا تھا۔

''خدا کے لیے صبا اتنی ڈراؤنی باتیں مت کرو۔ میں تو کھانے میں کارن آئل بھی اتنا تھوڑا سا ڈالتی ہوں، دیسی گھی کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''یہ بحث تم اماں سے کرنا۔ مجھے تو جو کام کرنے کا کہا گیا ہے میں وہی کروں گی۔ باقی تم جانو اور اماں۔'' وہ اسے ڈرا کر کچن میں چلی گئی تھی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد آئس کریم کا پروگرام بن گیا تھا۔ وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر لے آیا تو وہ دونوں بھی اس کے پیچھے پیچھے پورچ میں آ گئیں۔ وہ ثمن سے ایک قدم پیچھے تھی۔ ثمن کو گاڑی کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے بڑی حسرت سے دیکھا۔ کتنا مالکانہ انداز تھا اس کا اور کیوں نہ ہوتا۔ اسے حق تھا اس جگہ بیٹھنے کا اور یہ حق اس گاڑی کے مالک نے اسے دیا تھا۔ اپنی لمحہ بھر کی اس سوچ پر وہ شرمندہ ہوگئی۔ خود کو ملامت کرتے ہوئے وہ پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''ساری دنیا کے بچے آئس کریم کے شوقین ہوتے ہیں، لیکن صبا تو آئس کریم کی دیوانی تھی۔ کچھ مت دو، بس اسے آئس کریم کھلائے جاؤ۔ میری پاکٹ منی کا بڑا حصہ اس کی آئسکریمز کی نذر ہو جایا کرتا تھا۔'' آئس کریم کھاتے ہوئے ارتضیٰ نے ثمن سے کہا۔

''کتنا اچھا وقت آپ لوگوں نے ساتھ گزارا ہے، آپ صبا اور ظفر بھائی۔ افسوس میں نے وہ خوب صورت وقت مس کر دیا۔ اتنا اچھا لگتا ہے مجھے جب آپ تینوں اپنے ایک ساتھ بتائے بچپن کی باتیں بتاتے ہیں۔'' ثمن کے لہجے میں بڑی حسرت ہی تھی۔

''تم ہوتیں بھی تو الگ تھلگ بیٹھ کر نخرے ہی دکھایا کرتیں۔ کیوں صبا! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟'' ارتضیٰ اسے ستا رہا تھا۔ وہ اپنی آئس کریم ختم کر چکی تھی۔

''صبا اور آئس کریم منگواؤں تمہارے لیے؟'' ارتضیٰ کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کل رضا کے ہاں ڈنر پر جانا ہے، یاد ہے نا تمہیں؟''

''واپسی میں گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ارتضیٰ نے ثمن سے کہا۔

''ہاں یاد ہے۔'' اسے جواب دے کر وہ صبا سے مخاطب ہوئی۔

''ارتضیٰ کے دوست ہیں رضا بھائی۔ ہماری شادی پر بھی آئے تھے۔ ہو سکتا ہے تم نے انہیں دیکھا ہوا بھی ہو۔ ان کی مسز ان سے بھی زیادہ بااخلاق اور ملنسار ہیں۔ تم ان سے ملو گی تو تمہیں بھی وہ دونوں بہت پسند آئیں گے۔'' اسے ارتضیٰ کے کسی دوست اور ان کی بیگم کے قصے میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ ثمن کی باتوں پر اس نے محض سر ہلا دیا۔

''کل صبا ہم لوگوں کے ساتھ جائے گی تو مل لے گی۔ ان دونوں سے۔'' ارتضیٰ نے کہا تو ثمن سے تھا، لیکن ثمن کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ فوراً بولی۔

''آپ دونوں جائیے گا۔ مجھے ایسے بن بلائے ساتھ لٹک کر جانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں آرام سے گھر پر کوئی شاندار سی مووی دیکھوں گی، کافی پیوں گی اور ڈرائی فروٹس کھاؤں گی۔''

''بن بلائے کیوں؟ رضا نے خاص طور پر تمہارا نام لے کر تمہیں انوائٹ کیا ہے۔'' ارتضٰی نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آج صبح آفس میں میری اس سے فون پر بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ صبا آئی ہوئی ہے اور''

''اور انہوں نے کہا کہ اتنی مشہور و معروف شخصیت کو آپ ضرور ان کے گھر لے آئیں۔'' اس کے تمسخرانہ انداز پر ارتضٰی اور ثمن دونوں ہنس پڑے۔

''دیکھا کیسے قینچی کی طرح زبان چلتی ہے اس کی۔'' ارتضٰی نے ہنستے ہوئے ثمن سے کہا۔ مگر اگلے روز ثمن ارتضٰی بھی اسے ساتھ لے جانے پر بضد ہوگیا۔ ان دونوں کے اصرار پر اسے اٹھنا پڑا تھا۔ زبردستی جا رہی تھی۔ اس لیے تیار بھی بے دلی سے ہوئی تھی۔ ثمن البتہ خوب اچھی طرح تیار ہوئی تھی۔ رضا اور مسز رضا دونوں اس سے بڑی گرم جوشی سے ملے تھے۔

''ثمن نے تمہاری کم تعریفیں کی تھیں۔ تم اس کی تعریفوں سے زیادہ خوب صورت ہو۔'' فائزہ رضا نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ فائزہ کے کمنٹس ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر کھڑے ایک اور شخص نے بھی سن لیے تھے بے ساختہ گردن موڑ کر اس نے پہلے فائزہ کو اور پھر اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ فائزہ کے بلند آواز میں دیے جانے والے ان کمنٹس پر اچھی خاصی شرمندہ ہوگئی تھی۔ اس وقت صبا، ثمن اور فائزہ ایک ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ارتضٰی ان دونوں کو فائزہ کے ساتھ چھوڑ کر اپنے دوستوں میں جا بیٹھا تھا۔

''السلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ چلتا ہوا ان لوگوں کے پاس آ کر رک گیا تھا۔ اس کی مخاطب ثمن تھی۔ یقیناً وہ لوگ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے۔ ثمن نے اس کے سلام کا بڑے تپاک انداز میں جواب دیا تھا۔

''میں بالکل خیریت سے ہوں عامر! آپ کیسے ہیں؟'' آپس میں رسمی قسم کے جملوں کے تبادلے کے بعد ثمن کو اس کا تعارف کروانے کا خیال آیا تھا۔

''یہ صبا ہے، میری چھوٹی بہن...... کراچی سے آئی ہے یہاں پر ہم لوگوں سے ملنے کے لیے۔'' عامر نے مسکراتے ہوئے ہیلو کہا اس نے بھی جواباً رسمی سے انداز میں مسکراتے ہوئے ہیلو کہہ دیا۔

''صرف ثمن کی بہن نہیں ہے، بلکہ ارتضٰی بھائی کی فرسٹ کزن بھی ہے۔'' فائزہ نے اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

''اور صبا! یہ عامر ہے۔ میرا خالہ زاد بھائی۔'' فائزہ اس سے بولی۔ اس رسمی سے تعارف کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔ فائزہ اپنے باقی مہمانوں سے ملنے چلی گئی تو ثمن اسے وہاں موجود اپنے باقی جاننے والوں سے متعارف کروانے لگی۔

''مجھے امید ہے کہ تمہیں ہم لوگوں سے ملنا اچھا لگا ہوگا۔'' واپسی میں ان لوگوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے فائزہ نے اس سے کہا تھا۔

''مجھے آپ لوگوں سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی ہے۔'' اب کی بار اس نے رسماً نہیں بلکہ دل سے یہ بات کہی تھی۔ یہاں وہ بے دلی سے آئی تھی، لیکن رضا اور فائزہ کا پُرخلوص انداز اسے اچھا لگا تھا۔

''صبا تم بور تو نہیں ہوئیں؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ارتضٰی نے اس سے پوچھا۔

''بور تو نہیں ہوئی، لیکن آپ ثمن صاحبہ کی خوش اخلاقی اور مروت بگھارنے والی عادتوں کو تھوڑا کم کروائیں۔ خدا جانے کون سی مسز تھیں۔

مجھے نام یاد نہیں آرہا۔ اتنا پوز کرکر کے اپنے آسٹریلیا جانے کا ذکر کررہی تھیں اور یہ اسے سکون اور خاموشی سے ان کا اتراہوا انداز دیکھ رہی تھی۔ اس سے یہ نہیں ہوا کہ انہیں بتاتی کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ وہیں گزارا ہے۔'' ارتضیٰ اس کے شکایتی انداز پر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا اگر میں انہیں یہ بات بتا دیتی او چھے لوگ کرتے ہیں اس طرح شو آف۔'' ثمن نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ ارتضیٰ دونوں بہنوں کی بحث و تکرار سے محظوظ ہوتا خاموشی سے ڈرائیو کررہا تھا۔ گھر آکر جب وہ لوگ گاڑی سے اترے تو لاؤنج کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ارتضیٰ اس سے بولا۔

''صبا! مجھے ثمن کی سب سے پیاری عادت یہی لگتی ہے۔ اس کی سادگی۔ آپ بہت کچھ ہوں اور پھر اتنے ہی سادہ بھی ہوں۔ ایسے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ کتنی خوب صورت ہے اس کی یہ بے نیازی اور سادگی مجھے بے حد عزیز ہے۔'' ارتضیٰ نے ایک محبت بھری نگاہ ثمن پر ڈال کر کہا۔ ثمن کے چہرہ پر فخریہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ ان دونوں کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آکر لیٹی تو اسے نیند نہیں آئی۔

اسے یہاں آئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا۔ اس دوران اس نے ثمن کا بالکل اسی طرح خیال رکھا تھا۔ جیسا اماں نے اسے ہدایتیں دے کر بھیجا تھا۔ وہ اسے مختلف چیزیں پکا پکا کر کھلاتی اور ثمن ہزار نخرے دکھا کر انہیں کھاتی۔ اس روز ارتضیٰ کے آفس سے آنے کے بعد وہ تینوں ساتھ بیٹھ کر شام کی چائے پی رہے تھے۔ جب ارتضیٰ ثمن کو بتانے لگا۔

''آج عامر کا فون آیا تھا۔ اپنے گھر ڈنر پر انوائٹ کیا ہے اس نے۔''

''ڈنر اور وہ بھی عامر کنجوس۔ خیریت تو ہے آپ نے پوچھا نہیں یہ ڈنر کس خوشی میں دیا جارہا ہے؟'' ثمن اس اطلاع پر اچھی خاصی حیران نظر آرہی تھی۔

''میں نے بھی بالکل اسی طرح اس سے حیرت کا اظہار کیا تھا۔ کہہ رہا تھا تم لوگوں نے بلاوجہ مجھے بدنام کررکھا ہے۔ خود پر لگے اس ''کنجوس'' کے الزام سے نجات حاصل کرنے ہی کے لیے ڈنر دے رہا ہوں۔'' ارتضیٰ نے مسکراتے ہوئے عامر سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

''ویسے ڈنر کی وجہ کوئی خاص نہیں ہے۔ بس قریبی دوستوں کو انوائٹ کیا ہے اس نے۔''

''یہاں سب ملنے والوں میں عامر کی کنجوسی مشہور ہے۔ رضا بھائی تو اسے اس کے منہ پر کنجوس کے لقب سے نوازتے ہیں۔ مگر وہ مجال ہے جو کوئی اثر لے اس بات کا۔ آج تک کبھی اس نے باقاعدگی سے اپنے گھر پر کسی کو کھانے پر انوائیٹ نہیں۔ ایسے ہی کوئی چلا جائے تو بڑی اچھی خاطر تواضع کرتا ہے۔'' ارتضیٰ کی بات سننے کے بعد ثمن اسے اس گفتگو کے پس منظر سے آگاہ کرنے لگی تھی۔ وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''پھر آپ لوگ مجھ سے چلنے کے لیے اصرار کرتے ہیں۔ اس لیے میں ابھی سے بتا رہی ہوں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی دوٹوک انداز میں ان دونوں کو اپنے انکار سے آگاہ کیا۔ ارتضیٰ نے اس کے موڈ دیکھ کر چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ لیکن ثمن نے اگلے روز اسے ساتھ لے جانے کی بہت کوشش کی تھی۔ اسے یقیناً اس بات کی فکر تھی کہ صبا گھر پر اکیلی بور ہوگی۔

''بہت سے بہت آپ لوگ ڈھائی تین گھنٹوں میں واپس آجائیں گے اس سے زیادہ دیر تو لگتی نہیں ہے اور اتنی تھوڑی سی دیر میں مجھے بور

ہونے کا ذرا بھی ٹائم نہیں ملے گا۔'' اس نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان دونوں کی واپسی اس کی توقع سے بھی جلدی ہوگئی۔

''اتنی جلدی آگئے۔ ابھی تو میں نے بور ہونا اور آپ لوگوں کا انتظار کرنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔'' ثمن اسے گھورتے ہوئے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''آپ کی ہی وجہ سے جلدی آئے ہیں۔ حالانکہ ابھی اٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اتنا مزہ آرہا تھا باتوں میں۔ رضا بھائی اتنے مزے مزے کے قصے سنا رہے تھے۔ چلتیں تو تم بھی انجوائے کرتیں۔'' ارتضٰی بھی ثمن کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''عامر نے بھی تمہارا پوچھا تھا۔'' ثمن کی اس بات پر اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

''انہوں نے پوچھا ہوگا کہ صبا کیوں نہیں آئی؟ اسی کے اعزاز میں تو میں نے یہ ڈنر دیا تھا۔'' اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''تمہارے سرخاب کے پر نہیں لگے جو وہ خاص طور پر تمہیں پوچھتا۔ یہ کہو کہ ہمارے سب جاننے والے بہت مہمان نواز اور بااخلاق لوگ ہیں، اسی لیے تم جیسی سڑیل لڑکی کو اہمیت دیتے ہیں۔ جیسے ہی ہم لوگ اندر داخل ہوئے، سلام دعا کے بعد عامر نے اگلی بات یہی کہی تھی کہ 'بھابھی' میں نے ارتضٰی سے کہا تھا کہ آپ سب لوگ آئیے گا۔ یقیناً سب لوگوں سے مراد تم تھیں۔ خوامخواہ مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ سچی بات تو بتا نہیں سکتی تھی کہ میری بہن صاحبہ خود کو بڑی اونچی شخصیت سمجھتی ہیں۔'' ثمن اس کے استہزائیہ انداز پر چڑ گئی۔

''اچھی لگ رہی ہو، دونوں بہنیں لڑتے ہوئے۔'' ارتضٰی ٹی وی آف کر کے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

''دیکھا ثمن، انہیں کتنی تمنا ہے ہم دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھنے کی۔''

''تمہاری حرکتیں یہی رہیں تو بہت جلدی یہ تمنا پوری بھی ہو جائے گی۔'' ثمن غصے سے کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔ اس کا یہ غصہ کتنی دیر کا تھا۔ یہ وہ جانتی تھی۔ اس لیے اطمینان سے سونے کے لیے کمرے میں آگئی۔

اس روز جب عامر ان کے گھر چلا آیا تو وہ خود اور اس کے گھر ہونے والی دعوت ایک مرتبہ پھر موضوع گفتگو بن گئے۔

''میں یہاں سے گزر رہا تھا، سوچا آپ لوگوں سے بھی مل لوں۔'' اس کے آنے سے پہلے وہ تینوں لان میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے، ارتضٰی نے اسے بھی وہیں بٹھا لیا۔

''بہت اچھا سوچا آپ نے عامر! اور اب کھانا آپ ہم لوگوں کے ساتھ کھا کر جائیے گا۔'' کچھ دیر بعد ثمن نے اندر آ کر خانساماں سے کھانا لگانے کے لیے کہا۔

''اگر آپ کو سبزیاں پسند نہیں بھی ہیں۔ تب بھی صبا کے ہاتھ کی بنی یہ ڈش ٹرائی ضرور کیجیے گا۔ اس نے مجھے اس کی ریسپی نہیں بتائی، پتا نہیں کس طرح یہ چیز اور سبزیاں مکس کر کے اتنے مزے کی ڈش تیار کرتی ہے۔'' کھانے کی میز پر ثمن کی یہ تعریف تو اسے زہر لگی ہی تھی، مزید غصہ اس وقت آیا، جب عامر نے شامی کبابوں کی ڈش کی طرف بڑھایا ہوا ہاتھ پیچھے ہٹا کر سبزی کا باؤل اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس نے براہ راست اسے مخاطب کیا تھا نہ کسی خاص توجہ سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے اس شخص سے چڑ سی ہو رہی تھی۔

''صحیح تعریف کر رہی تھیں آپ، یہ ڈش واقعی بہت مزے کی ہے۔ اگرچہ میں ویجیٹیرین نہیں، لیکن یہ سبزیاں مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔'' اس ڈش کے قصیدے بھی ثمن نے ہی پڑھے تھے۔ چنانچہ جوابی تعریف بھی اسی سے کی گئی۔

کھانے کے بعد وہ لوگ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ کتنی دیر بیٹھا اور پھر کب واپس آ گیا اسے بالکل پتا نہیں تھا، وہ میگزین پڑھتے پڑھتے ہی سو گئی۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔

''آج خوب سوئیں تم۔'' وہ منہ دھو کر نیچے آئی تو ثمن نے اس سے کہا۔ وہ دودھ کا گلاس لے کر ثمن کے پاس لاؤنج میں آ گئی تھی۔

''کل رات تم اتنی جلدی کیوں سو گئی تھیں؟''

''ایک تو مجھے نیند آ رہی تھی اور دوسرے تمہارے مہمان آئے ہوئے تھے، بلاوجہ اجنبی آدمی کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرنے کا میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔'' اس نے اخبار پڑھتے ہوئے جواب دیا۔

''ویسے صبا! مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ عامر سے ارتضیٰ کی اچھی دوستی ہے مگر وہ اتنا فارغ نہیں کہ یونہی گزرتے گزرتے خوامخواہ ہمارے گھر آ جائے جب کہ پرسوں رات ہی تو ہم لوگوں کی ملاقات ہوئی تھی۔'' وہ دودھ کا گلاس خالی کر چکی تھی۔ گلاس سینٹر ٹیبل پر رکھ کر اس نے دوبارہ اخبار پر نظریں جما دیں۔ اس نے ثمن کی بات ان سنی کر دی تھی۔

''رات، عامر کے جانے کے بعد میں نے یہی بات ارتضیٰ سے کہی تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

''تم اب چونکی ہو۔ میں پرسوں رات عامر کے گھر ہی چونک گیا تھا۔ ہم دونوں گاڑی سے اترے تو وہ کتنے پرجوش طریقے سے ہمارا استقبال کرنے آیا تھا لیکن پھر ایک دم اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی۔ کتنے مایوس سے انداز میں اس نے تم سے کہا تھا کہ میں نے سب لوگوں کو انوائٹ کیا تھا۔'' وہ اخبار پر سے نظریں ہٹانے اور ثمن کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ ثمن یہ سمجھ کر کہ اسے ذکر میں دلچسپی پیدا ہو رہی ہے مزید تفصیل کے ساتھ ارتضیٰ کی کہی باتیں بتانے لگی۔

☆☆☆

ارتضیٰ فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''پروگرام تو بہت اچھا ہے۔ اچھا چلو میں ثمن سے بات کر لوں، پھر تمہیں کنفرم کر دوں گا۔'' پھر الوداعی کلمات کہنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

''کس کا فون تھا؟'' ثمن نے اس سے پوچھا۔

''عامر کا تھا۔'' ارتضیٰ نے اسے بتایا۔ پھر ایک شرارتی سی نگاہ صبا پر ڈال کر ثمن سے کہنے لگا۔

''پکنک کا پروگرام بنایا ہے اس نے، کہہ رہا ہے دو چھٹیاں اکٹھی آ رہی ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کہیں گھومنے چلنا چاہیے۔ رضا اور فائزہ ہوں گے، ہم لوگ ہوں گے اور وہ خود۔'' اس کی بات سن کر ثمن کے چہرے پر بھی شوخ سی مسکراہٹ ابھری۔

''پھر کیا خیال ہے صبا! چلو گی پکنک پر؟'' وہ مسکراہٹ ہونٹوں پر دبائے اس سے پوچھ رہا تھا۔

اسے اس شخص کے چہرے کی مسکراہٹ کبھی اتنی بری نہیں لگی تھی۔ جتنی اس وقت لگ رہی تھی۔

''بے چارہ نوکری پیشہ آدمی ہے۔ میری اور رضا کی طرح بزنس مین نہیں۔ مہینے میں ایک ہی بار تنخواہ ملتی ہے غریب کو۔ اب اگر تم پکنک پر نہیں گئیں تو لامحالہ اسے کوئی تیسرا پروگرام ترتیب دینا پڑے گا اور یہ اضافی بوجھ اس کی جیب برداشت نہیں کر پائے گی۔'' وہ نگاہوں میں شوخی اور شرارت لیے اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ پلیٹ میز پر پٹخ کر ایک جھٹکے سے صوفے پر سے اٹھ گئی۔

''کیا ہوا صبا؟'' ثمن اسے یوں غصے سے اٹھتا دیکھ کر حیران ہوگئی۔ اس کے چہرے پر سے مسکراہٹ غائب ہوگئی اور ارتضیٰ بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ شوخی اور شرارت کی جگہ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھاگئی تھی۔

''میں تمہارے بلانے پر یہاں اس لیے نہیں آئی تھی ثمن! کہ تم لوگ میرے لیے کوئی بندہ ڈھونڈو اور پھر زبردستی اس کے ساتھ میرا تعلق جوڑنے کی کوشش کرو۔'' اس کی آواز اچھی خاصی بلند تھی۔

''کیا ہوگیا ہے صبا تمہیں۔ ارتضیٰ تو یونہی مذاق کر رہے تھے۔ کیا تمہیں مذاق سمجھنا بھی نہیں آتا؟'' ثمن کے چہرے پر ناگواری پھیلی۔ اسے صبا کا یہ بدتمیز انداز بہت برا لگا تھا۔

''اس قسم کا مذاق میں کسی کا بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ ارتضیٰ بھائی کا بھی نہیں۔ آپ دونوں میاں بیوی کو رشتے کروانے کا اتنا ہی شوق ہے تو کوئی میرج بیورو کھول لیں۔ اپنے لیے اپنی پسند کا بندہ میں خود ڈھونڈ لوں گی۔'' اس بار اس کی آواز تو بلند نہیں تھی لیکن لہجہ ہنوز بدتمیز اور گستاخ تھا۔ وہ ان دونوں پر نظر ڈالے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ کتنی دیر تک وہ غصے سے کھولتی رہی تھی۔ بہت دیر تک بیڈ پر بیٹھے رہنے کے بعد وہ خود کو پرسکون کرنے کے لیے واش روم میں آگئی تھی۔ کافی دیر تک چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے رہنے کے بعد جب اس نے محسوس کیا کہ اس کا اشتعال قدرے کم ہوگیا ہے تو وہ واپس کمرے میں آگئی۔ ارتضیٰ تو نہیں لیکن وہ توقع کر رہی تھی کہ وہ اس کے پیچھے ضرور آئے گی۔ لیکن اب جب کہ کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ نہیں آئی تو اسے یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمن اس سے ناراض ہے۔ اس نے کچھ دیر پہلے کا سارا واقعہ یاد کیا۔ اسے خود پر سے یوں اختیار کھو دینے پر سخت تاسف ہوا۔

اس نے کبھی ارتضیٰ سے مس بی ہیو نہیں کیا تھا، پھر آج کیوں؟ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اسے بہت رونا آرہا تھا۔ ساری رات وہ تکیے میں منہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی آنکھ نہیں لگی تھی۔ صبح ہوچکی تھی۔ بستر سے اٹھ کر وہ کھڑکی کے پاس آئی تو نظریں لان میں ایکسرسائز کرتے ارتضیٰ سے ٹکرائیں۔ وہ دوپٹہ اوڑھ کر کمرے سے باہر نکلی۔ ثمن شاید ابھی جاگی نہیں تھی۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ وہ لان میں آگئی۔ ارتضیٰ کی اس کی طرف پشت تھی۔ اس لیے اس نے اسے آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

''اسلام علیکم ارتضیٰ بھائی! اسے ارتضیٰ کا سامنا کرنے کے خیال سے شرمندگی تھی، اسی لیے پیچھے سے آہستگی سے سلام کیا تھا۔ وہ اس کی آواز سن کر چونکنے والے انداز میں بے ساختہ مڑا۔

''وعلیکم اسلام'' اس کے چہرے کے تاثرات نارمل تھے۔ سلام کا جواب اس نے معمول کے انداز میں دیا تھا۔

''سوری ارتضٰی بھائی! میں نے رات آپ کے ساتھ بہت بدتمیزی کی۔ مجھے اس طرح مس بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ثمن ٹھیک کہہ رہی تھی مجھے واقعی مذاق سمجھنا نہیں آتا، اتنی معمولی سی بات پر میں خوامخواہ چڑ گئی۔'' اس کی آنکھوں میں دوبارہ سے آنسو آنے لگے، ارتضٰی نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے اس کی بات سنی۔ پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لان چیئرز کی طرف آ گیا۔

''بیٹھو صبا......'' اس کے کہنے پر وہ فوراً کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ خود بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مما کہتی ہیں صبا! بعض دفعہ بہت بدتمیز اور منہ پھٹ ہو جاتی ہے۔ پھر اسے اس بات کا بھی احساس نہیں رہتا کہ جس سے وہ بات کر رہی ہے وہ عمر اور رشتے میں اس سے بڑا ہے۔'' وہ اس سے نظریں ملائے بغیر سر جھکا کر بول رہی تھی۔ اس کے لہجے میں دکھ اور خود اپنے لیے بہت سا غصہ تھا۔

''مجھے رات کو ہی اپنی بدتمیزی کا احساس ہو گیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں اسی وقت آپ سے آ کر معافی مانگوں۔ لیکن میری ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ......'' اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اس کی گود میں گر رہے تھے۔ اس نے ایک بار بھی ارتضٰی کی طرف نہیں دیکھا۔

''میں نے کچھ نہیں سوچا صبا! مجھے نہ تم پر غصہ آیا اور نہ ہی میں تم سے ناراض ہوں۔ ہاں مجھے حیرت ہوئی تھی۔ میں تمہارے رویے پر حیران ہوا تھا اور ابھی بھی میری حیرت دور نہیں ہوئی ہے۔'' اس نے بڑی سنجیدگی اور بردباری سے اسے جواب دیا۔

''تمہیں کیا بات بری لگی میں سمجھ نہیں پایا۔''

''بس مجھے وہ اچھے نہیں لگتے۔ اس دن جب وہ گھر آئے تھے تب ثمن نے اسی طرح کی باتیں کی تھیں، جیسی کل آپ کر رہے تھے۔ یہی کہ وہ میری وجہ سے گھر پر آئے تھے، انہوں نے میری وجہ سے اپنے گھر پر ڈنر دیا تھا۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ آپ کے وہ دوست بہت اچھے ہیں ارتضٰی بھائی! لیکن ضروری تو نہیں کہ وہ مجھے بھی اچھے لگیں۔'' ارتضٰی کے چہرے پر سے سنجیدگی غائب ہو گئی۔ اس کے بولنے کا انداز اتنا سادہ اور معصومانہ تھا کہ وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ بمشکل چھپا پایا۔

''تمہیں وہ اچھے نہیں لگے، تو پھر وہ کون ہے جو تمہیں اچھا لگتا ہے؟'' اس نے گھبرا کر ارتضٰی کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی بوکھلاہٹ کو محظوظ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''بلاوجہ تو کوئی برا نہیں لگتا۔ اس برا لگنے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ وجہ کہاں پائی جاتی ہے؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ارتضٰی بھائی! آپ بالکل غلط سمجھ رہے ہیں۔'' اس نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اسے یقین دلانا چاہا۔

''بات تو کچھ ایسی ہی لگ رہی ہے مس صبا شفیق! چلو تم نہیں بتانا چاہ رہیں تو رہنے دو۔ اب کی بار کراچی آؤں گا تو خود ہی وجہ ڈھونڈ نکالوں گا۔ میرا خیال ہے وہ وجہ تمہاری یونیورسٹی میں پائی جاتی ہو گی۔ تب ہی میں سوچا کرتا تھا کہ صبا یونیورسٹی جا کر اتنی بدل کیوں گئی ہے۔ اتنی کھوئی کھوئی اور الگ الگ کیوں رہنے لگی ہے۔'' وہ اب کی بار کھل کر ہنس دیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تو وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

''اب تم خوامخواہ اپنی انرجی ضائع کرو گی۔ جھوٹ بولو گی اور میں یقین نہیں کروں گا۔ تمہاری انرجی بھی ضائع ہو گی اور جھوٹ بولنے پر گناہ الگ ملے گا۔ ایسا کرتے ہیں اس بات کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔ کسی اور ٹاپک پر بات کرتے ہیں؟''

''آپ نے مجھے معاف کر دیا نا؟ سچ بتائیں ارتضٰی بھائی! آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی بدگمانی تو نہیں؟'' ارتضٰی نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسی وقت ثمن لان میں چلی آئی۔ ان دونوں کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر اسے بہت تعجب ہوا۔ رات صبا کے رویے پر غصہ آنے کے ساتھ ساتھ ارتضٰی کے سامنے شرمندگی بھی ہوئی تھی۔ رات اسی شرمندگی میں وہ اس سے کوئی بات کیے بغیر ہی سو گئی تھی۔ وہ ان دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گی۔

''آپ کے کپڑے میں نے نکال دیے ہیں۔'' وہ ارتضٰی سے مخاطب تھی۔ ارتضٰی نے جواب میں ''اچھا'' کہا تو وہ فوراً واپس مڑ گئی۔ اس نے صبا کی طرف بالکل بھی نہیں دیکھا۔ اسے مکمل طور پر نظر انداز کر کے اپنی ناراضی کا اظہار کرتی وہ اندر چلی گئی۔

''ثمن مجھ سے بہت زیادہ خفا ہے۔ آپ اس سے میری دوستی کروا دیں۔'' ثمن کو اس نے کبھی غصے میں نہیں دیکھا تھا اور اب جب وہ پہلی مرتبہ غصے میں نظر آ رہی تھی وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔

''جا کر سوری بول دو۔ وہ تم سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتی۔'' ارتضٰی کرسی پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اُس سے بدتمیزی کی ہوتی تو وہ بہت آسانی سے مجھے معاف کر دیتی لیکن میں نے تو آپ سے بدتمیزی کی ہے اور اس بات پر وہ مجھے اتنی آسانی سے معاف نہیں کرے گی۔'' وہ ارتضٰی سے براہِ راست یہ نہ کہہ سکی کہ وہ تم سے اتنی شدید محبت کرتی ہے کہ ہر اس شخص سے نفرت کرتی ہے جو تمہارے خلاف بولے، جو تمہارے خلاف سوچے۔ لیکن ارتضٰی اس کی بات میں چھپی یہ بات سمجھ چکا تھا۔ اسی لیے مسکراتے ہوئے بولا۔

''آؤ تمہاری بہن صاحبہ سے صلح کروا دوں۔'' وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے اندر آ گئے۔ ثمن کچن میں تھی۔ ارتضٰی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی جو اس کے پیچھے کچن میں آتی صبا کو دیکھ کر فوراً ہی غائب بھی ہو گئی تھی۔

''تم کچن میں کیوں آ گئیں۔ ہم نے کراچی سے یہ جو ملازمہ بلوا رکھی ہے۔ اس سے کام کراؤ۔'' ثمن نے ایک نظر ارتضٰی کو دیکھا اور پھر ایک نظر اس کے پیچھے خاموش کھڑی صبا کو پھر کچھ کہے بغیر اس نے اپنی نظریں ان دونوں پر سے ہٹا لیں اور دوبارہ انڈے پھینٹنے لگی۔ ارتضٰی نے اسے اشارے سے اس کے پاس جانے کو کہا تو وہ فوراً اس کے پاس آ گئی۔

''لاؤ ثمن! آملیٹ میں بنا دوں۔'' ثمن نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ ''بہت شکریہ، میں خود بنا لوں گی۔ آپ زحمت نہ کریں۔''

''آئی ایم سوری ثمن! پلیز مجھے معاف کر دو۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولی مگر ثمن پر بظاہر اس سوری کا کوئی اثر ہوتا نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے بے چارگی سے ارتضٰی کی طرف دیکھا۔

''ثمن میرا خیال ہے تمہیں صبا کے ساتھ مزید ناراضی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ وہ پہلے ہی بہت زیادہ شرمندہ ہے۔ میرے حساب سے اس قصے کو اب ختم کر دیا جانا چاہئے۔'' وہ سنجیدگی سے بولتا ہوا ثمن کے پاس آ گیا تھا۔

''میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ بس مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میری بہن اتنی بدتمیز ہے۔'' اس نے ایک تاسف بھری نگاہ صبا پر ڈالتے ہوئے کہا۔ صبا کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر بھیگنے لگیں۔ جو کبھی ناراض نہ ہوتے ہوں، وہ اگر کبھی ناراض ہو جائیں تو انہیں منانا کس قدر مشکل ہوتا ہے، یہ

بات اسے پہلی مرتبہ پتا چلی تھی۔

''کون کہتا ہے صبا بدتمیز ہے۔ تھوڑی سی آؤٹ اسپوکن اور جذباتی ہے مگر بدتمیز ہرگز نہیں ہے۔''

ارتضٰی نے ہمیشہ کی طرح جھٹ اس کی طرف داری کی۔

''آپ بلاوجہ اس کے حمایتی مت بنیں۔'' ارتضٰی کے ساتھ خفگی کا اظہار کرتے کرتے اس کی صبا پر نظر پڑی تو ایک دم ہی سارا غصہ اور ناراضی بھول گئی۔ اس کی آنکھیں جو آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں، انہوں نے اس کا غصہ یکلخت ہی ختم کر دیا۔

''صبا! تم رو کیوں رہی ہو۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کر لیا۔

''ناراض نہیں ہو۔ پھر اتنی دیر سے اس طرح سپاٹ انداز میں اسے، اسے کر کے کیوں بات کر رہی ہو؟'' اس کے شکوہ پر ارتضٰی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''چلو دونوں بہنوں کی صلاح تو ہوئی۔ اب تم دونوں آپس میں گلے شکوے کرو۔ میں تیار ہونے جا رہا ہوں۔'' اس کے کچن سے نکل جانے کے بعد ان دونوں نے دوبارہ ایک دوسرے کی طرف بغور دیکھا۔

''خود ہی بدتمیزی کرتی ہو۔ پھر مظلوم سی شکل بنا کر رونے بھی کھڑی ہو جاتی ہو۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔

''میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی صبا! اگر چاہوں تو بھی نہیں۔'' کچھ پل وہ اس طرح اس کے کندھے پر سر رکھ کر کھڑی رہی۔ چند لمحوں کے بعد وہ خود ہی اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر اس سے الگ ہو گئی۔

پھر صرف اسی دن نہیں بلکہ آنے والے دنوں میں بھی ثمن اور ارتضٰی نے اس رات کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔ اس روز کے بعد ان دونوں میں سے کسی نے بھی عامر کے بارے میں بھی اس سے کوئی بات نہیں کی۔

☆☆☆

FOR MORE QULAITY NOVELS, MONTHLY DIGESTS WITH DIRECT DOWNLOAD LINKS, VISIT US AT
http://www.paksociety.com

اس کے واپس جانے سے دو دن پہلے ارتضیٰ اور ثمن اسے شاپنگ کروانے لے گئے تھے۔

''ہم دونوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ صبا کو جاتے وقت کوئی زبردست سا گفٹ دیں گے۔ پھر ثمن کہنے لگی کہ بجائے خود خریدنے کے اگر صبا کو اس کی مرضی کی چیز دلوائیں تو زیادہ اچھا رہے گا۔ چنانچہ تمہیں شاپنگ کے لیے لے کر جایا جا رہا ہے اور اس بات کی میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے کہ تم جو دل چاہے خرید لینا۔'' گھر سے نکلتے وقت ارتضیٰ نے اس سے کہا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے ارتضیٰ بھائی! میں تو اتنی دیر سے یہی سمجھ رہی تھی کہ ہم لوگ کہیں گھومنے جا رہے ہیں۔ پلیز آپ یہ شاپنگ واپنگ رہنے دیں۔'' اس نے منع کرنا چاہا۔

''تو صبا شفیق اتنی بڑی ہوگئی ہیں کہ انہیں مجھ سے تکلف کرنا آگیا ہے۔'' ارتضیٰ نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم کتنی بھی بڑی ہو جاؤ۔ میرے لیے تو وہی چھوٹی سی صبا ہی رہوگی وہ صبا جو مجھ سے پوچھ پوچھ کر اپنا اسکول کا کام کرتی تھی۔'' ثمن جو اس کی باتوں کو بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی، اچھنبے سے بولی۔

''روزانہ آپ اسے ہوم ورک کراتے؟''

''اور نہیں تو کیا، پوچھو اس سے۔'' ارتضیٰ بڑے مزے سے کہنے لگا۔

''ہمیشہ بچی تو سمجھا مجھے۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ وہ لڑکی جسے آپ اب تک بچی سمجھتے ہیں، وہ بڑی ہو چکی ہے۔ کھلونوں سے بہلنے والا وقت تو کب کا پیچھے رہ گیا، زندگی میں اس نے کچھ خواب دیکھے تھے۔ اس کے وہ سارے خواب تنکا تنکا کر کے آپ ہی نے بکھیرے ہیں۔'' وہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

ارتضیٰ، ثمن کو اس کے بچپن کے مختلف واقعات مزے لے لے کر سنا رہا تھا اور وہ بڑے انہماک سے انہیں سن رہی تھی۔ ساتھ ہنستی بھی جا رہی تھی۔ یقیناً وہ ان باتوں کو بہت انجوائے کر رہی تھی۔ پھر شاپنگ سینٹر سے مختلف چیزوں کی شاپنگ کرتے وہ لوگ اب ایک کپڑوں کی دکان میں کھڑے تھے۔

''کوئی خوبصورت سا سوٹ پسند کرو اپنے لیے۔'' ثمن کے کہنے پر اس نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں تو خود بخود ہی اس کی نگاہیں ایک سفید رنگ کے لباس پر جا کر ٹھہر گئیں۔

''ثمن! یہ سوٹ خرید لو۔'' قبل اس کے کہ وہ اس سوٹ کی طرف اشارہ کرتی، ارتضیٰ نے اسے ہاتھ میں لیتے ہوئے ثمن سے کہا۔

''لیکن میں اپنے لیے تو شاپنگ کرنے نہیں آئی تھی۔'' ثمن ایک قدم آگے بڑھ کر ارتضیٰ کے برابر جا کر کھڑی ہوگئی اور سوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''بس تم یہ لے لو۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ قطعیت بھرے انداز میں بولا، پھر اس پر سے نظریں ہٹا کر صبا سے پوچھنے لگا۔

''کیوں صبا! پسند آیا تمہیں کوئی سوٹ؟'' ارتضیٰ نے جیسے ہی سوٹ کو ثمن کے لیے پسند کیا اس نے فوراً اپنی نظریں اس سوٹ پر سے ہٹالی

تھیں، وہ اب غائب دماغی سے ارد گرد نظریں دوڑاتی جیسی کوئی سوٹ پسند کرنا چاہ رہی تھی۔

''جی ارتضٰی بھائی! میں دیکھ رہی ہوں ابھی۔'' اپنی آواز میں بشاشت اور تازگی پیدا کرنے کی کوشش کرنے کے باوجود اسے ایسا لگا جیسے اس کے لفظ رو رہے ہیں۔

''یہ پنک سوٹ دیکھو کیسا لگ رہا ہے؟'' ثمن نے اسے اشارے سے ایک سوٹ دکھایا۔

''ہاں واقعی، یہ بہت پیارا لگ رہا ہے۔ بہت خوب صورت اور منفرد پرنٹ ہے۔'' اس نے فوراً ثمن سے اتفاق کرتے ہوئے سیلز مین سے وہ پنک سوٹ نکالنے کے لیے کہا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر وہ وائٹ سوٹ کی جگہ پنک لے لے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا اگر جو چیز اس نے پسند کی وہ ارتضٰی، ثمن کو دے رہا ہے۔ اس کی تو زندگی کا سب سے اولین خواب، سب سے بڑی خواہش، ارتضٰی نے اس سے چھین کر ثمن کو دے دی تھی۔ وہ جب اتنی بڑی بات پر سمجھوتا کر سکتی ہے تو اس معمولی سے سوٹ پر کیوں نہیں۔ اس نے خوشی خوشی وہ شاپر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جس میں وہ پنک سوٹ رکھا ہوا تھا۔ اور جسے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آگ لگا دے۔ اسکے بعد بھی وہ لوگ کافی دیر تک شاپنگ کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

''اب کتنے دنوں تک میں تمہیں یاد کر کر کے اداس ہوا کروں گی۔'' ائیر پورٹ پر اسے رخصت کرنے ارتضٰی کے ساتھ ثمن بھی آئی تھی۔ وہ اس کے جانے پر بہت اداس نظر آ رہی تھی۔

''اتنی جلدی تمہاری چھٹیاں ختم ہو گئیں، پتا ہی نہیں چلا۔ دل چاہ رہا ہے ابھی بھی تمہیں جانے نہ دوں۔'' ثمن اس کے گال چومتے ہوئے بولی۔

''اتنی میری یاد آتی ہے تو کراچی آ جاؤ۔ ارتضٰی بھائی کا جب لاہور میں کام مکمل ہو جائے گا، وہ تب واپس آ جائیں گے۔'' اس نے بظاہر بڑی سنجیدگی اور اپنائیت سے اسے مشورہ دیا۔ اس بات پر ثمن کی خاموشی لازمی تھی۔ ارتضٰی اسے خاموش دیکھ کر ہنس پڑا تھا۔

''دیکھا ارتضٰی بھائی! یہ پکڑی گئی میرا نمبر اس نے آپ کے بعد رکھا ہے۔ آپ کے بغیر یہ کبھی کراچی نہیں آئے گی، مگر منہ سے یہ بات قبولے گی نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے ارتضٰی سے کہہ رہی تھی۔ انداز سراسر ثمن کو چھیڑنے والا تھا۔

''ہر محبت کی اپنی الگ جگہ اور الگ مقام ہوتا ہے۔ جو ارتضٰی ہیں وہ کوئی نہیں ہو سکتا اور جو تم ہو وہ بھی کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔''

''صبا تیار ہو۔ بس اب رونے دھونے کا سیشن شروع ہونے والا ہے۔'' ثمن کو آنسو روکتے دیکھ کر ارتضٰی نے اس سے کہا۔

''جی نہیں، میں کوئی نہیں رو رہی۔'' اس نے خفگی سے ارتضٰی کی طرف دیکھا۔

''اپنا خیال رکھنا صبا!'' اس نے دوبارہ صبا کی طرف دیکھا۔

''میں تو اپنا خیال رکھ ہی لوں گی۔ تم اپنا خیال ذرا اچھی طرح رکھنا۔ نہیں تو اب کی بار میرے بجائے اماں آئیں گی، تمہارا خیال رکھنے کے لیے۔'' اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

وہ مما کی گود میں سر رکھے انہیں اپنے لاہور کے قیام کی تفصیلات سنا رہی تھی۔

''کتنے دنوں بعد آج آپ نے مجھے اس طرح اپنے پاس لٹایا ہے مما!'' وہ آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ مما اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے ہنسنے لگیں۔

''اتنی بڑی ہوگئی ہو۔ ابھی تک مما کی گود چاہیے۔ کل تو تمہاری شادی کردوں گی پھر مما کی گود کہاں سے آئے گی؟''

''مجھے تو میری مما کی گود ہمیشہ چاہیے۔ ساری زندگی۔ جب میں بوڑھی ہو جاؤں گی نا تب بھی۔'' اس نے شادی کے ذکر پر برا سا منہ بنا کر کہا۔

''مما! ثمن نے اپنا گھر اتنا خوب صورت سجایا ہے۔ ثمن، ارتضٰی بھائی کے ساتھ بہت خوش ہے مما! ارتضٰی بھائی اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

''ہاں، مجھے پتا ہے یہ بات۔'' اس کی بات سن کر سرشاری سے مسکراتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ ''اسی لیے تو میں اس کی دوری خوشی خوشی برداشت کر رہی ہوں۔ ورنہ اسے خود سے دور بھیجنے کا اب مجھ میں حوصلہ نہیں، مگر جب بیٹی اپنے گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہوتی ہے نا، پھر چاہے وہ ماں کو مہینوں اپنی شکل نہ دکھائے ماں کا دل مطمئن رہتا ہے۔ ثمن یہاں میرے پاس رہتی، میری خواہش تو یہی تھی۔ پھر اب جب کہ وہ پریگننٹ ہے، اس وقت تو میری شدید خواہش ہے کہ وہ میرے پاس رہے اور میں خود اس کا خیال رکھوں۔

جن سے بہت محبت ہوتی ہے نا، صبا پھر ان کی خوشی ہی میں ہم اپنی خوشی ڈھونڈتے ہیں۔ چاہے ان کی اس خوشی میں ہمارے لیے کوئی تکلیف اور آزمائش ہی کیوں نہ ہو۔''

محبت کی جو تعریف مما اسے بتا رہی تھیں وہ اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ محبت میں اتنا حوصلہ اور اتنا صبر کیسے آ سکتا ہے؟ اس کی سوچ شاید ابھی خام ہے۔ وہ ابھی امیچور ہے۔ اس نے دنیا کو صحیح سے دیکھنا اور سمجھنا شروع نہیں کیا۔ شاید آنے والے وقت میں وہ محبت کی اس تعریف کو سمجھ جائے۔ محبت اسے ضد کے بجائے صبر کرنا سکھا دے۔

☆☆☆

وہ ایک بہت ہی روشن اور چمکیلی صبح تھی، جب معاذ پیدا ہوا۔ کتنا پیارا تھا وہ۔ گول مٹول سا، خوب صحت مند...... ان کے گھر میں خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔ اماں کے خوشی کے مارے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ بابا سارے خاندان میں مٹھائی تقسیم کرواتے پھر رہے تھے۔ ثمن ماں بن کر اور بھی پروقار اور حسین لگ رہی تھی۔ اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی تھی۔ اسے بیٹا دے دیا تھا جو شکل وصورت میں بالکل اپنے باپ جیسا لگ رہا تھا۔ اماں نے معاذ کو گود میں لے کر چومتے ہوئے بے ساختہ کہا۔

''یہ تو بالکل ارتضٰی کا بچپن ہے مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے وقت پیچھے کی طرف سفر کر گیا ہے اور ارتضٰی پھر سے میری گود میں آ گیا ہے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے معاذ کو اپنی گود میں لیا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اتنے چھوٹے بچے کو اٹھایا تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے اور نازک سے ہاتھ پاؤں اسے کنفیوز کر رہے تھے، بڑی احتیاط سے اس نے اسے گود میں لیا تھا۔ مما اس کے ڈرے ہوئے انداز پر ہنس دیں۔ پھر مسکراتے ہوئے وہ سے سمجھانے لگیں کہ اتنے چھوٹے بچوں کو کس طرح اٹھایا جاتا ہے۔

بہت آہستگی سے اس نے معاذ کا ماتھا چوما تو وہ ایک بہت ہی مختلف سے احساس سے دوچار ہوئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس ننھے سے وجود میں محبت کی بہت طاقت ور شعاعیں نکل رہی ہیں اور وہ طاقت ور شعاعیں سیدھی اس کے دل پر پڑ رہی ہیں۔ اس کا دل چاہا وہ اسے خوب بھینچ کر پیار کرے۔ محبت کا یہ کیسا احساس جاگا تھا، اس کے دل میں کیا اس لیے کہ وہ ارتضیٰ کا بیٹا تھا یا پھر اس لئے کہ وہ ثمن کا بیٹا تھا، اس کی بہن کا بیٹا تھا؟ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے آ کر بیگ اور دوپٹہ کمرے میں اچھالتی سیدھی ثمن کے کمرے میں آ گئی تھی۔ ارتضیٰ عقیقہ کے اگلے روز واپس چلا گیا تھا، جب کہ ثمن ابھی یہیں تھی۔ معاذ جاگا ہوا ثمن کے پاس لیٹا تھا۔ وہ خاموشی سے لیٹی ایک ٹک اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''ایسے ٹکٹکی باندھ کر کیوں دیکھ رہی ہو میرے بھانجے کو۔ کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟'' وہ دوسری طرف سے آ کر بیڈ پر چڑھ گئی اور فوراً ہی معاذ کو گود میں اٹھا لیا۔ ثمن جواباً صرف مسکرائی تھی۔

''تم ابھی اتنی خاموشی سے لیٹ کر معاذ کو دیکھتے ہوئے کیا سوچ رہی تھیں؟''

''بتاؤں گی تو تم ہنسو گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''میں معاذ کے بارے میں سوچ رہی تھی صبا! وہ جب چلنا شروع کرے گا تو کیسا لگے گا۔ اس کا وہ چھوٹا سا پہلا قدم کیسا ہوگا۔ وہ تھوڑا سا چل کر لڑکھڑا کر گرنے لگے گا تو میں جلدی سے اسے تھام لوں گی، گرنے سے بچا لوں گی، پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ لے کر اسے چلاتے ہوئے اس کا چلنے کا شوق پورا کراؤں گی۔'' اس کے تصورات کی دنیا صبا کے بے ساختہ سے قہقہے نے ختم کر ڈالی۔

''پھر وہ اور بڑا ہوگا اسکول سے کالج اور پھر کالج سے یونیورسٹی میں پہنچ جائے گا۔ اپنی کسی خوب صورت سی کلاس فیلو کے ساتھ اس کا زبردست قسم کا افیئر چلے گا۔ تم روایتی ماؤں کی طرح ولن کا کردار ادا کرتے ہوئے ''یہ شادی نہیں ہو سکتی'' کا اعلان کرو گی۔ میں ایسے موقع پر اپنے بھانجے کی حمایت کروں گی۔ پھر اگر تمہاری مخالفت کے باوجود بھی یہ شادی ہو گئی تو تم اپنی بہو کا جینا دوبھر کر دو گی۔ ثمن تم ظالم اور خطرناک قسم کی ساس بن کر کتنی پیاری لگو گی۔'' وہ اپنی باتوں کو انجوائے کرتے ہوئے بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ ثمن بھی کھلا کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''حد ہے صبا! میں اتنی سنجیدگی سے بات کر رہی تھی اور تم کہاں سے کہاں پہنچ گئیں۔'' وہ دونوں مل کر ہنس رہی تھیں۔

☆☆☆

''صبا! یہ سوپ ثمن کو دے آؤ۔'' مما نے ثمن کے لئے سوپ تیار کر کے اس سے کہا تھا۔ وہ خود اب رات کے کھانے کے لیے ڈیڈی کی پسندیدہ فروٹ سلاد بنانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

''اس سے کہنا بغیر نخرے دکھائے سارا سوپ پینا ہے۔'' ٹرے ہاتھ میں اٹھا کر کچن سے نکلتے ہوئے اس نے مما کی بات سنی اور سر ہلاتے ہوئے ثمن کے کمرے میں آ گئی۔ وہ کمرے میں آئی تو ثمن کسی سے فون پر باتیں کر رہی تھی۔

''بہت مزہ آ رہا ہے مجھے یہاں پر۔ سب ایسے نخرے اٹھا رہے ہیں میرے جیسے میں کوئی وی آئی پی ہوں۔ ابھی ابھی صبا کمرے میں آئی ہے میرے لیے ٹرے میں کچھ لے کر۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ابھی ایک ہفتہ تو ہوا ہے آپ کو گئے ہوئے۔ رہیں تھوڑے دن کے لیے، اچھا ہے میری اہمیت پتا چل رہی ہوگی۔ میرا فی الحال واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں یہاں بہت انجوائے کر رہی ہوں۔'' اس نے ثمن کے سامنے لا کر ٹرے رکھ دی پھر ایک نظر معاذ پر ڈالی، وہ کاٹ میں لیٹا بے خبر سو رہا تھا۔

''اچھا اب میں فون بند کر رہی ہوں۔ مجھے سوپ پینا ہے۔'' پھر خدا حافظ کہتے ہوئے ثمن نے فون بند کر دیا۔

''ارتضیٰ کا فون تھا۔ مجھ سے واپس آنے کے لیے کہہ رہے تھے۔'' ثمن نے سوپ کا پیالہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس سے کہا۔

''دیکھو ذرا، مجھے گھر کی سجاوٹ اور شاپنگز کا لالچ دے کر بلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی اس نے بہت خاموشی سے ثمن کے خوشی سے جھلملاتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

''تم سوپ پیو ثمن! مما نے کہا ہے سارا سوپ پینا ہے تمہیں۔ میں کچن میں جا رہی ہوں۔ مما، ڈیڈی کے لیے فروٹ سلاد بنا رہی ہیں، تھوڑی ان کی ہیلپ کرا دوں۔'' ثمن نے چمچہ منہ میں لے جاتے ہوئے سر ہلا کر گویا اسے جانے کی اجازت دی۔ وہ کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ گئی۔

''ثمن! آج دوپہر میں جب تم مجھ سے اپنے خواب شیئر کر رہی تھیں تو میں انہیں اتنے ہی پیار سے سن رہی تھی۔ جتنے پیار سے تم انہیں سنا رہی تھیں۔ مجھے ایک پل کے لیے بھی تمہارے خوابوں سے حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ میرے بہن کے خواب تھے، پھر تم نے میرے خوابوں کے ساتھ ایسا کیوں کیا ثمن؟ اجاڑ ڈالے ناں تم نے میرے وہ سارے خواب۔ وہ خواب جو میں اپنی زندگی کے سترہ سالوں تک دیکھتی رہی۔

مجھے یہ بات یاد آتی ہے کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس نے میرے خواب مجھ سے چھین لیے، تو پھر مجھے تم سے نفرت بھی محسوس ہوتی ہے اور تم سے تمہارے خواب چھین لینے کا دل بھی چاہتا ہے اور جب تمہیں اپنی بہن کی نظر سے دیکھتی ہوں تو تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو، تم پر پیار آتا ہے اور ارتضیٰ غضنفر کے ساتھ دیکھتی ہوں کہ اس کے حوالے سے دیکھتی ہوں، تم اس کی محبوبہ ہو، اس کی بیوی ہو، اس کے بچے کی ماں ہو۔ تو مجھے تم سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ تمہیں اس کے ساتھ دیکھ کر، اس کے بارے میں اتنے استحقاق کے ساتھ بولتا دیکھ کر آج بھی مجھے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے۔ اتنی ہی اذیت جتنی اول روز ہوئی تھی۔ وہ مما کے پاس کچن میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

ثمن، ارتضیٰ سے آنے کے لیے منع کرنے کے باوجود، دو دن بعد ہی لاہور چلی گئی تھی۔ اماں، ثمن کے ساتھ گئی تھیں۔ پہلے اگر انہیں صرف ثمن کی فکر رہا کرتی تھی تو اب فکر کرنے کے لیے معاذ کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد گھر میں ہر طرف سناٹا پھیل گیا تھا۔

☆☆☆

ارتضٰی کا لاہور میں کام ختم ہوگیا تھا۔ وہ لوگ کراچی واپس آ گئے۔ معاذ اب گیارہ ماہ کا ہو چکا تھا۔ اسکی پہلی سالگرہ آنے میں صرف ایک مہینہ رہ گیا تھا۔ بلا کا ضدی اور شرارتی تھا وہ سب گھر والوں کو نچائے رکھتا تھا۔ اس کی شرارتوں اور شور شرابے سے گھر میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی تھی۔ وہ ایک اکیلا بچہ تھا۔ اور لاڈ اٹھانے والے بہت۔ اماں خوش ہو ہو کر اپنے بچوں کو دیکھتی تھیں۔ ان کا خاندان مکمل ہو گیا تھا، صرف ظفر کی کمی تھی۔ باقی ان کے سب بچے ان کی نگاہوں کے سامنے تھے۔

''عامر کی شادی ہوگئی پچھلے مہینے۔'' معاذ کو کھچڑی کھلاتے ہوئے ثمن نے اسے مخاطب کیا۔ وہ معاذ کے ساتھ بلاکس سے کھیلنے میں مصروف تھی۔

''کون عامر؟'' اسے واقعی یاد نہیں آیا تھا۔

''زیادہ بنو مت۔ وہ فائزہ کا کزن۔ اب یہ مت کہنا کہ کون فائزہ۔'' ثمن نے کس قدر ناراض لہجے میں کہا۔

''اچھا وہ، ہاں یاد آ گیا مجھے، بہت مبارک ہو۔'' اس کے لیے جیسے اس بات میں کہیں افسوس کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ ''کس سے ہوئی اس کی شادی۔ وہ جو لڑکیاں اس کے پیچھے قطار لگائے کھڑی رہا کرتی تھیں، ان ہی میں سے کسی سے ہوئی ہے یا کوئی اور ہے۔'' اپنی اسی مصروفیت کے ساتھ اس نے بغیر سر اٹھائے پوچھا۔

''کزن ہے اس کی، بہت پیاری ہے۔ فائن آرٹس میں گریجویشن کر رکھا ہے۔ اس نے۔ اسلام آباد میں ہوا تھا اس کا ولیمہ ہم لوگ بھی گئے تھے اتنا شاندار کپل ہے ان دونوں کا۔ ولیمہ والے دن عامر گرے سوٹ میں بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا حالانکہ کسی سے جیلس ہونا اچھی بات نہیں، لیکن پھر بھی مجھے اس کی بیوی سے اتنی جیلسی ہو رہی تھی۔'' ثمن نے بہت دکھ بھرے انداز میں اسے تفصیلات سنائیں۔

''تم کیوں جیلس ہو رہی تھیں؟ وہ ارتضٰی بھائی سے زیادہ ہینڈسم تو نہیں لگ رہا ہوگا۔''

''بلاوجہ اتراؤ مت۔ سب پتا ہے تمہیں۔ اتنا اچھا لگتا تھا عامر مجھے تمہارے لیے۔ فائزہ نے مجھ سے تمہارے اور عامر کے رشتے کے بارے میں ایک بار بات بھی کی تھی۔ جب تم لاہور ہم لوگوں کے پاس رہ کر واپس آ گئی تھیں، اس کے کچھ دنوں بعد، ظاہری بات ہے عامر نے اس سے یہ بات کرنے کے لیے کہا ہوگا۔

میرے ہاں کرنے کی دیر تھی، عامر فوراً اپنے پیرنٹس کو یہاں کراچی رشتہ مانگنے کے لیے بھیج دیتا۔ اتنا دل دکھا میرا اس کو منع کرتے ہوئے۔ مگر تم جو اتنی شدت کے ساتھ اس کے بارے میں ناپسندیدگی ظاہر کر آئی تھیں تو میں بات آگے کیسے بڑھا سکتی تھی۔'' ثمن نے بہت غصے سے اسے گھورتے ہوئے ساری بات بتائی۔ وہ ثمن کی باتیں سن تو رہی تھیں مگر کسی خاص توجہ کے بغیر۔

''صبا! تم مجھے سچ سچ بتاؤ۔ عامر کو ناپسند کرنے کی اصل وجہ کیا تھی؟ تمہارا اس رات کا ردعمل میرے لیے بہت حیرت انگیز تھا۔ اتنی شدت سے تم نے اس بارے میں اپنی ناگوری کا اظہار کیا تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے تم کسی کو پسند کرتی ہو۔ تب اس بارے میں مزید بات کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ارتضٰی سے بھی میری کبھی اس بارے میں بات نہیں ہوئی۔ شاید میری طرح انہوں نے بھی دانستہ اس بات کو اگنور کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ میں نے سوچا تھا کچھ دنوں بعد تم سے پوچھوں گی۔ لیکن پھر معاذ کے ہونے کے بعد تو میں ہر بات ہی بھول گئی۔ یہ تو پچھلے مہینے جو اس کے ولیمہ

کا کارڈ آیا اور پھر ہم لوگ وہاں گئے تو مجھے وہ بھولی ہوئی بات یاد آئی۔'' وہ معاذ کو کھانا کھلا چکی تھی۔

نیپکن سے اس کا منہ صاف کرنے کے بعد اب وہ مکمل توجہ کے ساتھ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا واقعی کوئی ہے جسے تم پسند کرتی ہو یا پھر یہ محض میرا وہم ہے؟ دیکھو سچ بتانا۔ اگر تم نے مجھ سے جھوٹ بولا، اور پھر بعد میں مجھے صحیح بات کہیں اور سے پتا چلی تو میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں، میں نے تم سے ارتضٰی کے بارے میں ہر بات شیئر کی تھی۔ کی تھی کیا۔ ابھی بھی کرتی ہوں۔ جب میں تمہیں اپنی ہر بات بتاتی ہوں تو پھر یہ میرا حق ہے کہ تم بھی مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔''

''تم مجھے ہر بات اس لیے بتاتی تھیں کیونکہ تمہارے پاس بتانے کے لیے بہت ساری باتیں تھیں۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ کاش تمہاری طرح کی کوئی لو اسٹوری میری بھی ہوتی۔ ایک ہینڈسم سا بندہ جو دل و جان سے مجھ پر فدا ہو رہا ہے اور جسے دیکھ کر میرا دل تیز تیز دھڑکنا شروع کر دیتا ہو۔ افسوس میرے پاس تمہیں سنانے کے لیے کوئی حسین اور رنگین کہانی نہیں ہے۔'' وہ شگفتگی سے ہنس دی۔

''پھر وہ تمہیں اتنا برا کیوں لگا تھا؟ وہ ہینڈسم بندہ دل و جان سے فدا ہو تو رہا تھا تم پر۔'' ثمن نے جرح کی۔

''تمہیں سڈنی میں اپنا کلاس فیلو جو بہت جینئس تھا، بہت ہینڈسم تھا اور تمہیں بہت پسند بھی کرتا تھا۔ کیوں اچھا نہیں لگتا تھا؟ اور وہ تمہارے انکل کا بیٹا، جو صرف تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لیے تم لوگوں کے گھر آیا کرتا تھا، کتنا کوالیفائیڈ تھا وہ، پھر کیوں تم نے اسے ناپسند کیا۔ کیوں نہیں تم نے اس کی محبت قبول کر لی تھی ثمن؟'' وہ بہت مدلل انداز میں بولی۔ ثمن لاجواب ہو جانے والے انداز میں خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

''ہر اچھا شخص جو مجھے پسند بھی کر رہا ہو ضروری نہیں کہ میں بھی اسے پسند کرنے لگوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس ناپسندیدگی کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہو۔ ایسے ہی میرے پاس بھی اسے ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نہیں، سوائے اس کے کہ وہ، وہ نہیں جسے دیکھ کر میرا دل تیز دھڑکنے لگے یا شاید کچھ پل کے لیے دھڑکنا ہی بھول جائے۔'' ثمن کے پاس اب بحث کرنے کے لیے کوئی پوائنٹ نہیں بچا تھا۔

☆☆☆

معاذ کی پہلی سالگرہ آنے میں چند دن رہ گئے تھے۔ گھر میں سب کی خواہش تھی کہ سالگرہ کی تقریب خوب شاندار طریقے سے منعقد کی جائے۔ گھر میں کئی دن پہلے سے فنکشن کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ثمن کو ظفر کے اس موقع پر دور ہونے پر بہت رنج تھا۔

''ویسے فرمائشیں کر کر کے معاذ کی تصویریں اور مووی منگواتے رہتے ہیں۔ دیکھو تو سہی میرا بھانجا کتنا بڑا ہو گیا اور اب جب اسی لاڈلے بھانجے کی سالگرہ ہے تو انہیں تحفہ بھیجنا تو دور کی بات فون پر مبارکباد دینا بھی یاد نہیں رہا۔'' وہ مما سے گلے شکوے کرنے میں مصروف تھی۔

ان دونوں سے کچھ فاصلے پر بیٹھا، ارتضٰی، بظاہر معاذ کے ساتھ کھیلتا ہوا اس گفتگو کو لاپروائی سے سن رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ایک شوخ سی مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی۔ ظفر نے اپنے آنے کی اطلاع صرف اس کو دی تھی۔ یقیناً وہ اس طرح اچانک پہنچ کر سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا، تھوڑی دیر بعد جب وہ معاذ کو ثمن کی گود میں دے کر یہ کہتا ہوا کہ ''میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' گھر سے گاڑی لے کر نکلا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ظفر کو لینے ایئر پورٹ جا رہا ہے۔

ظفر کو ایک دم سے اپنے سامنے دیکھ کر سب ہی بہت خوش ہوئے، مگر ثمن کی خوشی تو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ گھر میں پہلے ہی سے خوشیوں نے قدم جما رکھے تھے، ان خوشیوں اور رونقوں کو ظفر کی آمد نے کئی گناہ بڑھا دیا تھا۔

وہ تیار ہو کر ثمن کے کمرے میں آئی تو وہ بھی تیار ہو چکی تھی۔ پرپل کلر کی خوب کام سے بھری ہوئی قیمتی ساڑھی پہنے وہ ہمیشہ سے بھی بڑھ کر حسین لگ رہی تھی۔

''بہت خوب صورت لگ رہی ہو تم۔ یہ سیٹ اس ساڑھی کے ساتھ بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' اندر آ کر اسے دیکھتے ہوئے اس نے بے ساختہ تعریف کی۔

''تم بھی تو بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ لیکن تم نے بال کیوں نہیں کھولے ان کپڑوں کے ساتھ بال کھولتیں تو زیادہ اچھا لگتا۔'' وہ معاذ کو تیار کرنے میں مصروف تھی۔ اس کی تیاری کو غور سے دیکھنے کے لیے اس نے سر اوپر اٹھایا تھا۔

''ممانے منع کر دیا یار! انہیں لگتا ہے کہ کہیں میرے حسین بالوں کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔'' اس نے ہنستے ہوئے اسے بتایا۔

''لوگوں کو اور کوئی کام تھوڑی ہے دنیا میں۔ وہ بے چارے اتنے فارغ ہیں کہ میرے بالوں کی خوب صورتی پر خوب غور و فکر بھی کریں گے اور پھر انہیں نظر بھی لگائیں گے۔'' معاذ ثمن کی گود میں اچھل کود رہا تھا، اسے ثمن کی تیاری کی فکر لاحق ہوئی، لیکن خود وہ اپنی تیاری کے خراب ہو جانے کے بارے میں ذرا بھی متفکر نہیں تھی۔ ''ثمن تمہاری ساڑھی خراب ہو جائے گی۔''

''میرا بیٹا میری گود میں آ کر خوش ہو رہا ہے اور میں یہ سوچ کر اسے خود سے دور کر دوں کہ کہیں میری ساڑھی خراب نہ ہو جائے۔'' اس نے معاذ کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

معاذ کے لیے وہ ہمیشہ ایسی ہی دیوانگی دکھاتی تھی، مگر آج تو یہ دیوانگی ہمیشہ سے بھی بڑھ کر نظر آ رہی تھی۔ وہ بہت دلچسپی سے ماں بیٹے کی محبت دیکھ رہی تھی۔ وہ کبھی اس کے ہاتھ چومتی، کبھی گال، کبھی ماتھا اور اسے جیسے ماں کے اس لمس سے بہت تسکین مل رہی تھی۔ خوب کھلکھلا کر ہنستے ہوئے وہ اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

''تم تو ایسے پیار کر رہی ہو ثمن جیسے یہ تم سے کہیں دور جانے والا ہے۔'' وہ اس کی بے تابی اور والہانہ انداز دیکھ کر کہے بنا رہ نہ سکی۔

''اللہ نہ کرے جو کبھی معاذ مجھ سے دور ہو۔'' ثمن کو اس کی بات پسند نہیں آئی۔

''میں اپنے بیٹے کو کبھی خود سے دور نہیں جانے دوں گی۔ اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی۔ پڑھنے کے لیے بھی باہر نہیں بھیجوں گی۔'' وہ اسے اسی انداز سے پیار کرتے ہوئے اس سے بولی۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر ارتضیٰ اندر آیا۔ ایک بہت ہی بھرپور نگاہ اس نے ثمن پر ڈالی، صبا کی موجودگی کی وجہ سے وہ منہ سے تو کچھ نہ بولا، لیکن اس کی نگاہوں کی ستائشی چمک بتا رہی تھی کہ وہ اسے اس روپ میں بہت پیاری لگ رہی ہے۔

''ارتضیٰ! دیکھیں معاذ شیروانی اور پاجامے میں بالکل شہزادہ لگ رہا ہے۔'' اس نے ارتضیٰ کی توجہ بیٹے کی طرف مبذول کروائی۔ وہ اس کے کہنے سے پہلے ہی معاذ کو دیکھ چکا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر اس کے گال چومے۔

''اپنی ماما کو بتاؤ کہ وہ خود بھی بالکل شہزادی لگ رہی ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ثمن ان کمنٹس پر بری طرح جھینپ گئی تھی۔

''صبا! تم ہم تینوں کی ایک تصویر تو کھینچو ذرا جلدی سے، پھر میں کیک لینے جاؤں گا۔'' اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا کیمرہ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے، معاذ کو ثمن نے گود میں اٹھالیا۔

''صبا! تصویر بہت اچھی آنی چاہیے۔ تمہاری فوٹو گرافی کا امتحان ہے آج۔'' اس نے کیمرہ آنکھ سے لگایا تو ارتضٰی بولا۔ ثمن اور ارتضٰی کے چہروں پر تو مسکراہٹ تھی ہی، معاذ بھی خوب کھلکھلا رہا تھا۔ اس نے تصویر کھینچ لی۔ ارتضٰی ڈریسنگ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھانے لگا تو ثمن بولی۔

''میں بھی چلوں آپ کے ساتھ۔ مجھے مما کے اور اپنے لیے گجرے خریدنے ہیں۔'' ارتضٰی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم بھی آ جاؤ صبا! ابھی تو کوئی مہمان نہیں آیا، فنکشن شروع ہونے میں خاصا وقت ہے ابھی۔''

معاذ کو گود میں اٹھا کر ارتضٰی کے پیچھے جاتے ہوئے وہ اس سے بولی۔ صبا بھی اُن لوگوں کے ساتھ آ گئی تھی۔ معاذ کے لیے ثمن بہترین سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتی تھی۔ ارتضٰی کے ساتھ مل کر اس نے خوب ساری بیکریز چھانی تھیں، اپنی پسند کا کیک بنوانے کے لیے۔

''تم لوگ بیٹھو میں کیک لے کر آتا ہوں۔'' بیکری کے پاس لا کر گاڑی روکتے ہوئے وہ ان لوگوں سے بولا۔ پھر وہ اندر چلا گیا اور یہ دونوں اس کا انتظار کرنے لگیں۔

''صبا! دیکھو وہ سامنے جو لڑکا گجرے بیچ رہا ہے اس کے گجرے کتنے خوب صورت اور بالکل فریش لگ رہے ہیں۔'' ثمن نے اسے وہ لڑکا دکھایا جو سگنل بند ہونے پر ہر گاڑی کے پاس جا کر اس میں بیٹھے لوگوں سے اپنے گجرے خریدنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

''میں اس سے گجرے لے کر آتی ہوں۔ اتنے خوب صورت گجرے کسی دوکان پر ملنے مشکل ہیں۔'' ان لوگوں کی گاڑی سروس روڈ پر بیکری کے سامنے پارک ہوئی تھی اور وہ لڑکا سامنے روڈ پر ادھر سے ادھر بھاگتا گجرے بیچ رہا تھا۔

''ابھی ارتضٰی بھائی آ جائیں گے، تم ان سے منگوا لینا۔ خود کہاں جاؤ گی اس کے پیچھے۔'' اس نے اسے منع کرنا چاہا۔

''دو منٹ لگیں گے یار، یہ گئی اور یہ آئی۔'' وہ اس کی بات ان سنی کر کے گاڑی سے اتر گئی۔ وہ کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فٹ پاتھ سے اتر کر روڈ کے کنارے پر کھڑے ہو کر ہی ثمن نے اس لڑکے کو آواز دی تھی۔ اس نے ثمن کی آواز سن لی تھی، وہ روڈ کے دوسری طرف تھا۔ وہ ثمن کی طرف آنے لگا مگر اس کے پہنچنے سے پہلے سامنے سے انتہائی تیز رفتار بس ثمن تک پہنچ گئی۔ وہ بس اسٹاپ نہیں تھا، بس اس جگہ لا کر روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا اور وہ بھی اتنی تیز رفتاری سے۔ اس نے ثمن کو روڈ پر گرتے دیکھا، بس کے ٹائر اسے کچلتے ہوئے کچھ دور جا کر رکے تھے۔

''ثمن۔'' اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ اس کا بیگ اس کی گود میں پھسل کر سیٹ پر گر گیا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی۔ صرف اسی نے یہ منظر نہیں دیکھا تھا، بیکری سے کیک کا ڈبہ ہاتھ میں لے کر نکلتے ہوئے ارتضٰی نے بھی اسے گرتے اور بس کے نیچے آ کر کچلے جاتے دیکھا تھا۔ کیک کا ڈبہ اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگا۔ صبا سے بھی پہلے وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے کہاں کہاں سے خون بہہ رہا تھا پتا نہیں چل رہا تھا، مگر وہ پوری کی پوری خون میں نہائی ہوئی تھی۔

''ثمن آنکھیں کھولو، دیکھو کچھ نہیں ہوا۔ ابھی ہم ہاسپٹل پہنچ جائیں گے۔'' وہ پاگلوں کی طرح اسے جھنجھوڑ کر بولا۔ پھر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر تیزی سے واپس گاڑی کی طرف آیا۔ اس کے جسم سے بہنے والا بے تحاشا خون اسے ہراساں کر رہا تھا۔ اس کی قمیض اور اس کے ہاتھ ثمن کے خون سے پورے پورے بھیگ گئے تھے۔ اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر اس نے بہت تیز رفتاری سے گاڑی دوڑائی تھی۔ اس رفتار سے اس نے زندگی میں کبھی گاڑی نہیں چلائی تھی۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر وہ ثمن کا سر اپنی گود میں رکھ کر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''آپ گاڑی تیز کیوں نہیں چلا رہے۔'' وہ روتے ہوئے چلا رہی تھی۔

''ثمن! آنکھیں کھولو۔ پلیز۔'' وہ اس کی بند آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہی ارتضیٰ بھائی! اس سے کہیں یہ آنکھیں کھولے۔'' وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔

''ثمن! پلیز آنکھیں کھولو۔ دیکھو ابھی ہمیں معاذ کی سالگرہ کا فنکشن کرنا ہے۔ گھر پر مہمان آنا شروع ہو گئے ہوں گے۔'' اس کا ہاتھ ثمن کے سینے پر بالکل دل کے پاس رکھا تھا۔ اسے وہاں خاموشی کا احساس کیوں ہوا تھا۔ گھبرا کر اس نے اپنا ہاتھ وہاں سے اٹھا لیا۔

''یہ کچھ بولتی کیوں نہیں ہے۔'' اس نے اپنے خون میں بھیگے ہاتھوں کو خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی گود میں سر رکھے وہ بالکل خاموش تھی، آنکھیں بند کیے جیسے اب کبھی کچھ نہیں بولے گی۔

وہ لوگ ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسے نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ کچھ سنائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر نے آکر ثمن کو دیکھا۔ وہ منتظر تھی کہ ابھی وہ اسے ٹریٹمنٹ دینا شروع کرے گا، ان لوگوں سے کہے گا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ مگر وہ اسے ٹریٹمنٹ نہیں دے رہا تھا۔ وہ ان لوگوں سے ''فکر نہ کریں۔'' بھی نہیں کہہ رہا تھا۔

وہ کہہ رہا ہے کہ ثمن مر گئی ہے۔

وہ راستے میں مر چکی تھی۔

اس کی گود میں سر رکھے رکھے ہی وہ مر چکی تھی۔ ارتضیٰ نے خالی خالی نگاہوں کے ساتھ بڑی بے یقینی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تھا۔ وہ الٹے قدموں چلتی ثمن اور ارتضیٰ سے بہت دور ہٹ گئی تھی۔ پھر اس نے ارتضیٰ کو ثمن کے اوپر جھک کر چیخ کر روتے سنا۔ اس نے بھینچ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اسے لگا کہ ابھی وہ آنکھیں کھولے گی تو سب ٹھیک ہو گا۔ ثمن اس کے پاس کھڑی مسکرا رہی ہو گی۔

''دیکھا کیسا ڈرایا میں نے تم لوگوں کو۔'' اس کے پاس آکر کوئی کچھ بولا تو تھا مگر وہ ثمن نہیں تھی۔ پتا نہیں وہ کون تھی، شاید کوئی نرس، وہ اس کے ہاتھوں میں بہت سے زیورات پکڑا رہی تھی۔ جڑاؤ ہار، سونے کے کنگن، انگوٹھیاں، سونے کی چین پتا نہیں کیا کیا چیزیں تھیں۔ وہ ان سب چیزوں کو تعجب سے دیکھنے لگی۔

اس نے ڈیڈی اور بابا کو کوریڈور میں آتا دیکھا تو بھاگتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

''ڈیڈی! ثمن کو یہاں سے لے چلیں۔ یہ ہاسپٹل بالکل اچھا نہیں ہے یہاں کے ڈاکٹر پتا نہیں کیسے ہیں۔ وہ ثمن کو ٹریٹمنٹ نہیں دے

رہے۔'' ڈیڈی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ زار وقطار رو رہے تھے۔ بابا نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا لیکن بولے وہ بھی کچھ نہیں۔ ''چلو صبا۔'' کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے لے آیا۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ راستے بھر وہ خاموش رہی۔ گاڑی ان کے گھر کے پاس آ کر رکی تو باہر سے ہی اسے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ اسے گھر کے اندر قدم رکھتے ہوئے خوف آیا۔ وہ گاڑی سے اتر گئی۔ مگر گھر کے اندر جانے کے بجائے لان کے آخری کونے میں جا کر کھڑی ہوگئی لیکن یہاں پر بھی رونے کی بہت تیز آوازیں اس کے کانوں میں آ رہی تھیں اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گاڑیوں سے اتر کر مختلف لوگ ان کے گھر میں آ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ لان میں بھی بہت سے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔

مما فون پر ثمن کے ایکسیڈنٹ کا سن کر ہی بے ہوش ہوگئی تھیں۔ اماں غم سے نڈھال ایک طرف ساکت بیٹھی تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور لبوں پر مسلسل بس ایک ہی جملہ تھا۔

''ثمن! یہ وقت تو میرے جانے کا تھا نا۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا۔ تمہیں اپنی بوڑھی دادی پر ذرا رحم نہیں آیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ اس صدمے کو سہہ بھی سکتی ہے یا نہیں۔'' ڈیڈی ایک طرف بیٹھے بلک بلک کر روتے بیٹی کے آخری سفر کی تیاریاں دیکھ رہے تھے بابا، ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان کے کندھے کے گرد اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں دلاسہ دینے کی کوشش کرتے وہ خود بھی روئے چلے جا رہے تھے۔

ارتضیٰ ضبط کی آخری حد پر پہنچا خاموشی سے لوگوں کے تعزیتی جملے سن رہا تھا۔ اس کے لب بالکل خاموش تھے اور اس کی آنکھیں بالکل ویران اور بنجر۔ ظفر آج صبح جس بہن کو خوش کرنے کے لیے اسے سرپرائز دینے اچانک یہاں پہنچا تھا، اس وقت اسی بہن کو آنکھیں بند کر کے گہری نیند سوتا دیکھ رہا تھا۔

کیا تقدیر اتنی سفاک ہوتی ہے۔ ہنستے چہروں سے یوں لمحہ بھر میں مسکان چھین لیتی ہے۔

کیا تقدیر اسے آج یہاں اس لیے لائی تھی کہ وہ بہن کے مرجانے پر لوگوں کی ہمدردانہ نظریں دیکھے، تعزیتی الفاظ سنے اور اپنے ماں باپ اور دادی کو غم کی ان انتہاؤں پر سنبھالے۔ یہ سوچے کہ اسے رونا نہیں، اسے سب کو سنبھالنا ہے۔ بابا کو، ڈیڈی کو، مما کو، دادی کو، ارتضیٰ کو اور صبا کو۔

لیکن صبا، وہ کہاں ہے؟ اسے اچانک صبا کا خیال آیا۔ مما کے پاس ڈاکٹر اور اپنی چند رشتے دار خواتین کو چھوڑ کر وہ صبا کی تلاش میں آیا۔ یہاں وہاں اس کی تلاش میں نظریں دوڑاتا وہ گھر کے پچھلے حصے میں آ گیا تھا۔ صبا اسے وہاں نظر آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خود بھی اسے آتا دیکھ کر اس کے پاس آ گئی۔

''ظفر بھائی! ثمن اپنے اور مما کے لیے گجرے لینے گئی ہے۔''

''اسے گجروں نے نہیں، موت نے بلایا تھا صبا!'' ظفر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بے اختیار اس نے صبا کو گلے سے لگالیا۔

''صبا! ثمن چلی گئی ہمیں چھوڑ کر۔'' وہ تڑپ کر اس کے بازوؤں میں سے نکلی اور بھاگتی ہوئی وہیں پچھلی طرف سے کھلنے والا دروازہ کھول کر گھر کے اندر آ گئی۔ ظفر بھی اس کے پیچھے اندر آ گیا۔

وہاں بہت سے لوگ تھے، لاؤنج لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا ظفر، مما کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہے، مگر وہ اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ ان کی چیخیں گھر کے در و دیوار کو ہلا رہی تھیں اور لاؤنج کے بیچوں بیچ وہ لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند کیے وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ ہلکی سی آہٹ سے بھی سوتے سوتے اٹھ جایا کرتی تھی اور آج اتنے شور میں وہ اتنے سکون سے سو رہی تھی۔ ''تم یہی چاہتی تھیں ناں صبا؟'' اس نے ثمن کی آواز سُنی۔ ''تم یہاں پر کیوں آ گئیں ثمن؟'' اس نے اپنی روتی ہوئی آواز سنی۔ ''جب میں نہیں تو ثمن بھی کیوں؟'' اُس کی اپنی آواز اُس کے گرد گونج رہی تھی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ثمن بھی اس روز انس ماموں اور ممانی کے ساتھ اسی پلین میں ہوتی۔ کیا فرق پڑ جاتا اگر ثمن بھی مر جاتی، وہ مر جاتی پھر یہ سب نہ ہوتا جو آج ہوا۔ وہ آج اس شخص کی دلہن بنی بیٹھی ہے جسے میں نے اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر چاہا ہے۔'' ''کاش تم مر جاتیں ثمن'' وہ آواز چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ اس کے منہ سے چیخ نہیں نکل سکی تھی۔

وہاں جتنے لوگ تھے رو رہے تھے، بین کر رہے تھے، ان کی وہ سب آوازیں اس روتی ہوئی آواز کے آگے دب گئی تھیں۔ اُسے اَب لاؤنج میں سوائے ثمن کے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں وہاں تنہا تھیں۔ اسے اب کہیں پر بھی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ سوائے اپنی اس روتی ہوئی آواز کے۔ وہ ثمن کے بالکل پاس آ گئی تھی۔ پھر اس نے دیکھا سوتے سوتے ایک دم ثمن نے اپنی آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی ہے۔

''تمہیں میرا آنا برا لگا تھا نا! تم سوچتی تھیں کہ ثمن یہاں پر کیوں آ گئی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے ہم سب کتنے خوش رہا کرتے تھے، میں جا رہی ہوں صبا! اب تم لوگ دوبارہ سے خوش رہنے لگو گی۔ میں تو بس اپنی زندگی کے چند آخری سال تم لوگوں کے ساتھ گزارنے آئی تھی۔ تم لوگوں کے درمیان تھوڑا سا وقت گزارنا چاہتی تھی میں۔ اتنی سی بات پر تم اتنا دکھی ہوتی تھیں۔

میں اس محبت سے دستبردار ہو گئی ہوں۔ اب میں کبھی تمہاری بچپن کی محبت پر اپنا حق نہیں جتاؤں گی۔ تمہاری محبت صرف تمہاری ہے۔''

اس نے رونا چاہا مگر اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں نکل سکا۔ وہ جس طرح بول نہیں سکتی تھی، اسی طرح رو بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے دیکھا چند لوگ ثمن کے پاس آئے، وہ اسے وہاں سے اٹھانے لگے اس نے آگے بڑھ کر ان لوگوں کو روکنا چاہا۔ مگر اس کے پاؤں زمین کے اندر دھنس چکے تھے، وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔

وہاں موجود ہر فرد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کی آنکھیں رونا ہی بھول چکی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جم گئے تھے۔ آنسو بن کر بہنے والا پانی برف بن کر اس کی آنکھوں میں جم گیا تھا۔

''میرے اللہ، کسی کی نظر کھا گئی میرے بچوں کی خوشیوں کو۔ میرے دل کو چین نہیں آتا مولا۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں میں نے اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے۔ کیا میری کوئی دعا بھی قبول نہیں ہوئی تھی۔'' اماں اپنا کلیجہ پیٹ پیٹ کر روئے چلی جا رہی تھیں۔ ڈیڈی ان کے پاس بیٹھے سر جھکائے آنسو بہا رہے تھے۔

''اماں! آپ کی پیاری ثمن کی خوشیوں کو میری نظر لگی ہے ہاں اماں! میری! میں اپنی بہن کو خوشیوں سے جل گئی تھی۔ کم ظرف اور حاسد

ہوگئی تھی۔ اسے میری آہ لگی ہے۔ جس رات اس نے اپنی نئی زندگی کا آغاز آپ سب کی دعاؤں کے ساتھ کیا تھا، اس رات میں سارا وقت اپنی بہن کو بدعائیں دیتی رہی تھیں۔ اللہ سے شکوے کرتی رہی تھی۔ میرے آنسو اور میری آہیں کھا گئیں اس کی خوشیوں کو۔ شاید اس رات میرے لیے در قبولیت کھلا ہوا تھا اور میں قبولیت کی گھڑی میں نے اپنی بہن کے لیے موت مانگی تھی۔ میرا دل چاہا تھا میں اسے اس کی سیج سے اٹھا کر کہیں غائب کردوں اور خود اس کی جگہ وہاں بیٹھ جاؤں۔ آپ لوگوں کی دعاؤں میں وہ اثر نہیں تھا جو میری بددعاؤں میں تھا۔ دیکھیں وہ واقعی غائب ہوگئی ہے۔ اب مجھے کبھی بھی یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ ثمن تم یہاں پر کیوں آگئی ہو۔ اس رات میری سب بدعائیں عرش پر اٹھالی گئی تھیں، دیکھیں ان کی قبولیت میں دو سال کا عرصہ بھی نہیں لگا۔ پندرہ دن باقی ہیں نا ابھی اس کی شادی کی دوسری سالگرہ میں۔ کتنے تھوڑے سے دن کی خوشی ملی تھی اسے میں اپنے ہر عمل اور ہر بات کا جواز ڈھونڈ کرلے آؤں۔ مگر اس رات کا کیا جواز ڈھونڈوں؟“

☆☆☆

غم کی جو یہ سفاک اور ہولناک آندھی چلی تھی اور جو اس گھر کے سب سکھ اور ساری خوشیاں اڑا لے گئی تھی۔ ان میں کسی کو کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

ارتضٰی نے تو کمرے سے ہی نہیں نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ بابا اور ڈیڈی تعزیت کے لیے آنے والوں سے مل رہے تھے۔ ظفر، مما کے ساتھ ہاسپٹل میں تھا۔ اس کی کزنز نے دو تین بار اسے مخاطب کرنے اور وہاں سے اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ جیسے انہیں سن ہی نہیں رہی تھی۔ مما، شام کے وقت ہاسپٹل سے واپس آئی تھیں۔ ظفر انہیں سہارا دے کر اندر لایا تھا۔ صرف ایک دن میں وہ بہت بوڑھی اور بہت کمزور ہوگئی تھی۔

ڈیڈی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا تھا۔

”سب مجھ سے کہہ رہے ہیں صبر کرو، مگر میں کیسے صبر کروں شفیق! میری کم عمر اور معصوم بیٹی منوں مٹی تلے جا سوئی ہے۔ میں اسے کیسے بھول سکتی ہوں۔ وہ میرے وجود کا حصہ تھی۔ کسی کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر پھینک دو اور اس سے کہو کہ اسے بھول جائے، صبر کرلے۔ اولاد کیا بھول جانے والی چیز ہوتی ہے کہ کچھ عرصہ بعد صبر آجائے گا۔“ وہ ڈیڈی کے کندھے پر سر رکھ کر سسک رہی تھیں۔

اسے ایسا لگا جیسے ثمن کے ساتھ ساتھ مما اور ڈیڈی بھی مر گئے ہیں۔

اس کے ساکت وجود میں یک دم حرکت پیدا ہوئی تھی۔ وہ اٹھی اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ وضو کر کے اس نے جائے نماز بچھائی۔

جب میری بددعاؤں میں اتنا اثر ہے تو دعاؤں میں کیوں نہیں؟

”ثمن کو واپس بھیج دے میرے اللہ، اس کی جگہ مجھے بلالے۔ موت کے فرشتے کو اس گھر سے ایک زندگی چاہیے تھی نا۔ تو میری زندگی ثمن کو دے دے اور اس کی موت مجھے۔“ دعا مانگتے مانگتے اسے احساس ہوا کہ اس کے لفظ بالکل بے جان سے ہیں، اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نہیں گر رہا۔

☆☆☆

سوئم والے دن قبرستان سے فاتحہ پڑھ کر آنے کے بعد ارتضٰی نے اپنی تین دنوں کی خاموشی توڑ دی تھی۔ وہ اماں کی گود میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

''وہ کہتی تھی میں زندگی میں ہر دکھ اور سکھ میں تمہارا ساتھ نبھاؤں گی۔ ساری دنیا تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔ میں نہیں چھوڑ دوں گی۔ آج ساری دنیا میرے ساتھ ہے، اور وہ ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والی نہیں ہے کتنی جھوٹی تھی ثمن، کتنے جھوٹے وعدے کئے تھے اس نے مجھ سے۔''

اماں اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے خود بھی رو رہی تھیں۔

''میرے بیٹے کی قسمت بھی میری جیسی ہے۔ میں بھی بن ماں کے پلا تھا نا، اماں! دیکھیں وہ بھی بن ماں کے پلے گا۔ اس نے کہا تھا ہم معاذ کو پہلے دن اسکول چھوڑنے ایک ساتھ جائیں گے۔ اب جب وہ پہلے دن اسکول جائے گا، تو اس کا دوسرا ہاتھ کون پکڑے گا؟''

''بن ماں کا بچہ!'' معاذ کے لیے یہ لفظ سننا کتنا اذیت ناک تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا، وہ ارتضٰی سے کہنا چاہتی تھی۔

''مت بولو معاذ کے لیے یہ لفظ'' اسے اچانک ہی معاذ کا خیال آیا تھا۔ اسے وہ تین دنوں سے بھولی بیٹھی تھی۔ ان تین دنوں میں کس نے اس کا خیال رکھا۔ کون اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اسے بالکل نہیں پتا تھا۔ وہ بابا کی گود میں بیٹھا بڑے مزے سے ان کے گلاسز سے کھیل رہا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ اس کا کتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ تقدیر نے اس معصوم سے وہ چیز چھین لی جس کی اسے سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

ارتضٰی کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ وہ پچھلی تین راتوں سے نہیں سویا۔ وہ آج پہلی مرتبہ ارتضٰی غضنفر کو سو فیصد ثمن کے حوالے سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی بہن کا محبوب ہے، اس کا شوہر ہے۔ اس کے بیٹے کا باپ ہے۔ ارتضٰی سے اس کا ہر رشتہ صرف اور صرف ثمن کے حوالے سے ہے۔ اگر ثمن کو بیچ میں ہٹا دو تو اس کا اس شخص سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ آج اسے دیکھ کر نہ کھو دینے کا دکھ ہوا تھا اور نہ حاصل کر لینے کی جستجو۔ وہ اسے یاد کر کے اس قدر سوگوار تھا۔ وہ اس شخص کے دکھ کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کر سکتی تھی۔ اسے پتا تھا یہ شخص اس کی بہن سے کتنی بے تحاشا محبت کرتا تھا۔

وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں آ گئی، اس نے کمرے کے در و دیوار کی طرف دیکھا۔ اس بیڈ کی طرف دیکھا جس پر بے شمار راتیں ان دونوں نے ساتھ سو کر گزاری تھیں۔ وہ بیڈ سوگوار تھا۔ وہ در و دیوار سوگوار تھے۔ حالانکہ وہ تو اس کی شادی سے پہلے کی بات تھی۔ دو سال پہلے کی بات تھی۔ جب وہ اس کمرے میں رہا کرتی، پھر یہ کمرہ آج اچانک اس کی جدائی میں غمگین ہو گیا تھا۔ لیکن وہ کمرہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ پچھلے دو سالوں سے اس کی کمی محسوس کر رہا ہے۔ کمرے کی مالک کو یہ بات آج پتا چلی تھی۔

''مجھے میرے کمرے میں تو سکون سے رہنے دو۔ اس گھر میں آتے ہی تم نے مجھ سے میری ہر چیز چھین لی۔'' اس کے کمرے نے اسے اسی کی کہی ایک بات یاد دلائی۔ وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ ٹیرس پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا تھا۔ بات بات پر رو پڑنے والی صبا شفیق رونا بھول گئی تھی۔ جو برف اس کی آنکھوں میں جمی تھی اسے اب کبھی نہیں پگھلنا تھا۔ وہ جانتی تھی موسموں کی کوئی سختی اور کوئی تپش اب اس برف کو پگھلا نہیں سکتی تھی۔ اس کے اندر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ سامنے سڑک پر بہت سے لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ مگر وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ بس یہ سوچ رہی تھی۔

''کیا زندگی نے کبھی ان لوگوں کو آزمایا نہیں۔ مجھے تو زندگی نے بڑی بے رحمی سے آزمایا ہے۔ مجھے میرے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں چھوڑا۔''

☆☆☆

ریشماں اسے ناشتے کے لیے بلانے آئی تھی۔ وہ ڈائننگ روم میں آ گئی۔ وہاں مما، بابا، ڈیڈی، ارتضٰی اور ظفر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی ناشتہ شروع نہیں کیا تھا۔ وہ تینوں خاموشی سے ناشتے کی میز کی طرف دیکھ رہے تھے۔

وہاں بیٹھا ہر فرد زندہ لاش نظر آ رہا تھا۔ وہ سب لوگ ایک دوسرے کی وجہ سے وہاں بیٹھے تھے۔ اور ایک دوسرے ہی کے لیے ناشتہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''مما! آپ کچھ بھی نہیں کھا رہیں۔ یہ آملیٹ تو کھا لیں۔'' ظفر ان کے برابر والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ان کی پلیٹ میں وہ آملیٹ ڈالنے لگا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

''میں لے لوں گی ظفر! جب سانس لینی نہیں چھوڑی تو کھانا کھانا بھی نہیں چھوڑوں گی۔ تم میری فکر مت کرو۔'' ان کے لفظوں میں بہت درد تھا۔

معاذ جاگ گیا تھا، ریشماں اسے مما کے کمرے سے اٹھا کر وہیں لے آئی تھی۔ ڈیڈی نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔ مگر وہ دو تین سیکنڈ میں ہی ان کی گود سے نیچے اتر کر کارپٹ پر بیٹھ کر کھیلنے لگا تھا۔

''رات، ثمن میرے پاس آئی تھی۔'' مما کسی سے بھی مخاطب ہوئے بغیر آہستہ سے بولیں۔

''مجھ سے کہہ رہی تھی، مما! قبر میں بہت اندھیرا ہے۔ مجھے اکیلے بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ میرے پاس آ جائیں۔''

''ارتضٰی! تمہیں پتہ ہے نا، وہ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈر جاتی تھی۔ کوئی پیچھے سے آ کر اسے اچانک آواز دے تو وہ چونک جاتی تھی۔ اور اندھیرے سے کتنا ڈر لگتا تھا۔ کبھی لائٹ چلی جاتی تو اکیلے سونے کے لیے اپنے کمرے میں بھی نہیں جاتی تھی۔'' بابا بے بسی اور غم کی تصویر بنے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ارتضٰی نے اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ چائے کے کپ پر نظریں جمائے ان کی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔

سب کی توجہ مما کی طرف تھی، اس کی بھی تھی۔ لیکن پھر اچانک اس کی نظر معاذ پر پڑ گئی۔ وہ کارپٹ پر کھیلتے ہوئے ان لوگوں سے تھوڑا دور چلا گیا تھا۔ کونے میں رکھی چھوٹی سی ٹیبل کو پکڑ کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ کھڑے ہونے کے بعد وہ فخریہ انداز میں اپنے اس کارنامے پر مسکرایا۔ پھر میز پر سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹا دیئے اور بغیر سہارے کے ایک قدم بڑھایا۔ وہ چیزوں کا سہارا لے کر کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ گھٹنوں، گھٹنوں اور چیزیں پکڑ کر چلنے بھی لگا تھا۔ مگر بغیر کسی سہارے کے یہ اس کا پہلا قدم تھا۔ اور اس پہلے قدم کے بعد وہ اگلے پل فوراً نیچے گر گیا تھا۔

اس کے پہلے قدم پر اسے تھام لینے والی ماں آج یہاں نہیں تھی۔ ورنہ کیا وہ یوں گرتا۔

وہ کیا اسے بھاگتے ہوئے جا کر پکڑ نہ لیتی؟ اسے پہلے قدم کا تو کس قدر انتظار تھا۔ یوں ایک دم گر پڑنے پر چوٹ تو نہیں لگی تھی لیکن وہ پھر بھی رونے لگا تھا، شاید اپنی کوشش کی ناکامی پر۔ مما پر سے سب کی توجہ ہٹ گئی تھی۔ مما ہی سب سے پہلے بھاگ کے اس کے پاس گئی تھیں۔ باقی سب بھی اٹھ کر اس کے پاس چلے گئے تھے۔ صرف صبا اور ارتضٰی میز پر بیٹھے رہے مگر نظریں ان دونوں کی بھی ادھر ہی تھیں۔ مما اسے گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

اماں، معاذ کے رونے کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔ سب اس کے گرد جمع ہو گئے، اسے بہلانے لگے، پھر ظفر اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی خاطر اسے گھر سے باہر لے گیا۔

''چلو معاذ! باہر چلتے ہیں۔'' باہر چلنے والی بات وہ خوب سمجھا کرتا تھا۔ اسی لیے فوراً اس کی گود میں چڑھ گیا تھا۔

''ہر ماں اپنے بچے کے پیچھے اتنی ہی دیوانی ہوتی ہے۔ اتنی ہی پاگل ہوتی ہے یہ رشتہ ہی ایسا ہے۔'' وہ بغیر ناشتہ کیے میز پر سے اٹھ گئی۔

''کہاں جائے وہ؟ کس جگہ، وہ کون سی جگہ ہوگی جہاں جا کر دل کو سکون ملے گا۔'' وہ گھر کے مختلف حصوں میں چکراتی پھر رہی تھی۔

''ڈھونڈا کرو گی اب تم ثمن کو۔ آوازیں دیا کرو گی اسے۔'' وہ سیڑھیوں پر گر پڑنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔

''تم نے کہا تھا ثمن کہ تم مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتیں۔ اگر چاہو تو بھی نہیں۔'' اس کے لبوں سے سرگوشی نما آواز نکلی۔

''نہیں ہوں بابا میں تم سے ناراض۔ اب کب تک یہ رونی صورت بنائے رکھو گی۔'' اس نے اپنے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

''ثمن ابھی جب تم مجھ سے ناراض ہوئیں تو اتنی اجنبی لگ رہی تھیں۔ مجھے تمہاری ناراضی سے بہت ڈر لگا۔ ایسا لگ رہا تھا میں تمہیں منا ہی نہیں پاؤں گی۔ اس طرح ناراض مت ہوا کرو ثمن۔'' اس کے دل کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ گھٹنوں پر سر رکھے ''تم اس طرح ناراض مت ہوا کرو ثمن!'' کہے چلی جا رہی تھی۔

''صبا! اس کے کانوں نے ڈیڈی کی آواز سنی۔ کتنے دنوں بعد آج ڈیڈی نے اسے آواز دی۔ اس نے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا۔ ''یہاں دھوپ میں کیوں آ کر بیٹھ گئیں۔ کتنی گرمی ہو رہی ہے۔ یہاں۔'' وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ یہاں سب سے چھپ کر اکیلی بیٹھی رو رہی ہے، مگر اس کی آنکھیں تو بالکل خشک تھیں۔ وہ رو نہیں رہی تھی تو کیا ہوا۔ وہ ان کی بیٹی تھی۔ کیا اس کی آنکھ سے جھانکتا ملال اور کرب دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے وہ......؟'' انہوں نے اسے بڑے پیار سے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

''اس طرح اکیلی کیوں بیٹھ گئیں بیٹا! اندر اپنی مما یا اماں کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔'' ان کے لہجے میں اس کے لیے پیار کے ساتھ ساتھ تشویش بھی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ ڈیڈی کے سینے پر سر رکھ کر بہت سا روئے۔ ان سے پوچھے۔

''ڈیڈی! زندگی اتنی بے رحم یوں ہوتی ہے؟''

''آپ چلیں ڈیڈی، میں آ رہی ہوں۔'' اس نے ان سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

ڈیڈی سر ہلاتے ہوئے واپس مڑ گئے تھے۔ وہ مردہ قدموں سے چلتے ہوئے اندر آ گئی۔ مما کے کمرے کے پاس آئی تو دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔

''ملیحہ! ہمیں اپنے بچوں کی خاطر خود کو سنبھالنا ہوگا۔ اگر ہم یوں ہمت ہار گئے تو ہمارے بچوں کا کیا ہوگا۔ تم نے صبا کو دیکھا ہے۔ کیسی مرجھا گئی ہے۔ میری بیٹی۔ ابھی جس طرح وہ تنہا اور اداس بیٹھی تھی، میرے دل کو کچھ ہوا تھا اسے دیکھ کر۔'' ڈیڈی، مما کو سمجھا رہے تھے۔ معاً ان کی نگاہ اس پر پڑی۔

''آ جاؤ صبا۔'' انہوں نے اس کی خاطر مسکرانے کی کوشش کی تو وہ اپنی نظروں میں مزید گرنے لگی۔ مما نے بھی اتنے دنوں بعد اسے توجہ سے دیکھا تھا۔ کچھ کہے بغیر انہوں نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ مما کے پاس بیڈ پر آ گئی۔ ڈیڈی بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا اور مما کا

دل بہلانے کے لیے وہ معاذ کی کسی تازہ ترین شرارت کا ذکر بڑے پرلطف انداز میں کر رہے تھے، اس کا ضمیر اسے کچوکے دے رہا تھا۔

''ڈیڈی! آپ اور مما سمجھ رہے ہیں، صبا کو ثمن کے مرنے کا بہت دکھ ہے۔'' غم کی انتہا پر پہنچ کر اس کی آنکھیں منجمد ہوگئی ہیں۔

''آپ دونوں کو پتا ہی نہیں کہ وہ غم کی وجہ سے نہیں ضمیر کی چبھن کی وجہ سے خاموش ہوگئی ہے اس لیے کہ یہ خواہش اس نے بارہا کی تھی۔ ثمن کے کہیں چلے جانے کی خواہش، اس کے غائب ہو جانے کی خواہش، اس کے مرجانے کی دعائیں مانگی تھیں اس نے۔ اور اب جب وہ واقعی مرگئی تو صبا شفیق احساس جرم میں مبتلا ہوگئی ہے اتنی حس شاید اس میں باقی ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو سکے۔ مگر یہ بات وہ آپ دونوں کو بتائے گی نہیں۔ اس میں اتنی اخلاقی جرات نہیں کہ اپنی بدصورت شکل آپ لوگوں کو دکھا سکے۔'' ڈیڈی ادھر ادھر کے قصے سناتے رہے تھے اور وہ خود میں ان دونوں سے نگاہیں ملانے کا حوصلہ نہ پا کر سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

☆☆☆

ظفر وہ پانچ تصویریں ڈویلپ کروا کر لے آیا تھا جو اس روز فنکشن شروع ہونے سے پہلے کھینچی گئی تھیں۔ ان میں چار تصویریں معاذ کی تھیں۔ وہ چاروں تصویریں ظفر نے کھینچی تھی اور پانچویں تصویر وہ تھی، جو زندگی کے اس گھر سے رخصت ہونے سے پینتالیس منٹ پہلے کھینچی گئی تھی۔ جس طرح کیمرہ کی آنکھ سب سے خوبصورت منظروں کو ہمیشہ کے لیے قید کر سکتی ہے، کاش اسی طرح وقت بھی قید کیا جا سکتا۔ وہ تصویر اس سے بھی بڑھ کر اچھی آئی تھی، جتنی کہ اس سے فرمائش کی گئی تھی۔

ارتضیٰ نے اس تصویر پر صرف ایک نظر ڈالی اور فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ اس نے تصویر اپنے ہاتھ میں بھی نہیں لی تھی۔ وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ مما اس تصویر کو چومتے ہوئے رو رہی تھیں۔ پھر مما کے کہنے پر ظفر نے وہ تصویر انلارج کروائی تھی، اور بہت خوبصورت سے فریم میں جڑوا کر مما کی خواہش پر اسے لاؤنج میں لگا دیا تھا۔ مما گھنٹوں بیٹھ کر اس تصویر کو تکتی رہتی تھیں۔

☆☆☆

رات کے دو بج رہے تھے، وہ جاگی ہوئی تھی، معاذ کے رونے کی ہلکی سی آواز اس کے کمرے تک پہنچ رہی تھی۔ مگر وہ بے حس سے انداز میں لیٹی چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ معاذ کو گود میں اٹھا کر مما اس کمرے میں آگئی تھیں۔

''شکر ہے صبا! تم جاگی ہوئی ہو، ذرا دیکھو اسے، شاید تمہارے پاس آکر چپ ہو جائے۔ میں کتنی دیر سے اسے بہلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آرہا یہ اتنا رو کیوں رہا ہے۔ پتا نہیں یہ بھوک کی وجہ سے رو رہا ہے یا اس کے کہیں درد ہو رہا ہے۔ میں نے فیڈر منہ میں دینے کی کوشش کی مگر اس نے نہیں لی۔'' ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، روتے ہوئے معاذ کو اور اس کی فیڈر کو انہوں نے اس کی گود میں ڈال دیا اور خود بھی بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ اتنے دنوں سے معاذ کو مما ہی سنبھال رہی تھیں۔ آج پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا۔ جو وہ یوں چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔

''تم میں کیا ہے صبا! میرا دل خود بخود تمہاری طرف کھنچا ہے۔'' اسے اس ننھے سے وجود میں سے بڑی مانوس سی خوشبو آئی۔ اس نے اسے بھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ جس طرح اس بچے کی ماں کا دل اس کی طرف کھنچتا تھا، اسی طرح اس کا دل اس بچے کی طرف کھنچنے لگا تھا۔ وہ اسے سینے

سے لگا کر چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ چپ ہو نہیں رہا تھا۔

''اسے دودھ پلاؤ، شاید بھوک کی وجہ سے ہی رو رہا ہے۔'' مما کے کہنے پر اس نے فیڈر اٹھا کر اسے دودھ پلانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے روتے ہوئے ہاتھ مار کر فیڈر دور پھینک دی۔

''اسے ماں کی ہڑک ہو رہی ہے۔ دن میں بچہ کسی کے پاس بھی رہ لے۔ رات میں اسے ماں کی گود ہی چاہئے ہوتی ہے۔ وہ بول نہیں سکتا تو کیا ہوا، ڈھونڈ تو رہا ہو گا اسے۔'' مما بولتے بولتے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔ اسے یاد آیا، ثمن معاذ کو گود میں لے کر ٹہلایا کرتی۔

وہ اسے گود میں لے کر کھڑی ہو گئی۔ اسے اپنے کندھے سے لگا کر کمرے میں ٹہلنے لگی، اپنا ایک ہاتھ وہ بڑی آہستگی سے اس کی کمر پر پھیر رہی تھی اور دوسرا اس کے بالوں پر، لیکن ثمن اسے ٹہلاتے وقت کچھ گنگناتی بھی تو تھی۔

''کیا؟'' صبا کو اچھی طرح یاد تھا وہ کیا گنگناتی تھی۔ اس نے بہت آہستہ اور بڑے کومل اور مدھر انداز میں گنگنانا شروع کر دیا تھا۔

Twinkle Twinkle Little Star

How I Wonder What You Are

اس کے رونے کی شدت میں اچانک ہی کمی آ گئی تھی۔ رو تو وہ ابھی بھی رہا تھا۔ مگر اب رونے میں ضد اور غصے کی جگہ شکوے نے لے لی تھی۔

''کہاں چلی گئی تھیں مجھے چھوڑ کر؟'' وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر سسکیاں لے رہا تھا۔

When the Glorious Sun is Set.

When the Grass With Dew is Wet,

اس کی سسکیوں کی آواز آنا بھی بند ہو گئی تھی۔ مما بھی رونا بھول کر صبا کی آواز میں کھو گئی تھیں۔ وہ ایک ٹک صبا کو دیکھ رہی تھیں۔ کتنی ملتی تھی اس کی آواز ثمن سے۔

''صبا چپ مت ہو۔ یونہی گنگناتی رہو۔ تمہاری آواز میں مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی ہے۔'' ان کی آنکھیں اس سے التجا کر رہی تھیں۔ انہوں نے کتنی مرتبہ اسے یہی نظم گنگناتے سنا تھا۔

ثمن کے چالیسویں کے بعد ظفر واپس چلا گیا تھا۔ اس کے سپروائزر کا فون آیا تھا۔ اس کا پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھا۔ اتنے دن یہاں رکنے سے اس کا بہت حرج ہو گیا تھا۔

سب نے بڑے حوصلے اور ہمت سے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

☆☆☆

زندگی کسی کے لیے نہیں رکتی، کسی کے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جن لوگوں کے ہونے سے لگتا ہے کہ زندگی ان ہی کے دم سے ہے، یہ نہیں ہوں گے تو زندگی ہی نہیں ہوگی۔ جب وہ نہیں ہوتے زندگی تب بھی ہوتی ہے۔ وہ اسی طرح چلتی رہتی ہے۔

وہ زندہ رہ کر زندگی سے منہ نہیں پھیر سکتے تھے۔ دل کرب اور درد سے بھرے تھے۔ آنکھیں ملول اور افسردہ تھیں مگر انہیں پھر بھی زندگی کی طرف واپس تو آنا تھا۔

ارتضیٰ آفس جانے لگا تھا۔ اس نے خود کو پہلے کی طرح مصروف کر لیا تھا کہ ثمن کی یاد تو ہر جگہ اس کے ساتھ تھی۔ ماسٹرز کی کلاسز ہو چکی تھیں، جب ثمن اور ارتضیٰ واپس کراچی آئے۔ ان دنوں اس کے امتحان چل رہے تھے، معاذ کی سالگرہ سے چند دن پہلے وہ پریکٹیکل سے فارغ ہوئی تھی۔ وہ اب ماسٹرز کرنے کے لیے دوبارہ یونیورسٹی جوائن کرنا نہیں چاہتی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے یہ بات یاد بھی نہیں تھی کہ یونیورسٹی میں اس کی M.S.c کی کلاسز شروع ہونے والی ہیں۔ ڈیڈی نے اسے یہ بات یاد دلائی، اس نے ان سے ”ڈیڈی میرا M.S.c کرنے کا موڈ نہیں“ کہہ کر انکار کر دیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اس سے مزید اصرار کیا تھا۔ مگر بابا نے اسے یونیورسٹی جانے پر مجبور کیا تھا۔

”بابا! میرا دل نہیں چاہتا۔ پڑھنے میں اب میرا دل نہیں لگے گا۔“ اس نے سر جھکا کر بے بسی سے کہا تو وہ مشفقانہ انداز میں اسے سمجھانے لگے۔

”مجھے پتا ہے بیٹا! کہ تمہارا دل نہیں چاہ رہا، مگر بعض کام دل کی مرضی کے خلاف کرنے پڑ جاتے ہیں نا، کسی بہت اپنے کے لیے۔ اس کی خوشی کے لیے۔ تم اس طرح دنیا سے کنارہ کر کے الگ تھلگ بیٹھی رہیں تو ملیحہ اور شفیق کیسے خود کو نارمل کر پائیں گے۔

ہمیں اس گھر میں زندگی واپس لانی ہے۔ زندگی کو پہلے جیسا بنانا ہے۔ خوشیوں اور امنگوں سے بھرا ہوا بنانا ہے۔“

”بابا! زندگی کبھی پہلے جیسی نہیں ہو سکے گی۔“ اس نے ان کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی پشت پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے رہے۔ اس نے بابا کی بات مان لی تھی، ان کا مان رکھ لیا تھا۔

وہ ہر روز خود کو زبردستی گھسیٹ کر یونیورسٹی لاتی تھی۔ کلاس کے دوران وہ لیکچر کے بمشکل چند پوائنٹس ہی نوٹ کر پاتی۔ مما اور ڈیڈی اسے یونیورسٹی جاتا دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔ وگرنہ اس کی مستقل قسم کی خاموشی ان کے لیے تشویش کا باعث بنتی جا رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی سے آتی تو معاذ لپک کر اس کے پاس آ جاتا۔ اسے گود میں اٹھانے سے کتراتا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کی طرف آتا تھا اور وہ اسے نظر انداز نہیں کر پاتی تھی۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے لفظ بولنے شروع کر دیے تھے۔ مما کو مما وہ بڑا صاف بولتا تھا۔ باقی اس کی بولی ایسی تھی جو صرف مما کی اور اس کی سمجھ میں آتی تھی۔

رات کو مما اور معاذ اس کے کمرے میں سونے لگے تھے۔ رات کو وہ مما سے نہیں سنبھلتا تھا۔ جب ضد میں آیا ہوتا تو مما سے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی تھیں۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر ٹہلاتی، اسے بڑے پیار سے بہلاتی۔ کتنی راتیں مما اور اس نے مل کر معاذ کے لیے جاگی تھیں۔

”ثمن چلی گئی، میرا ارتضیٰ تنہا رہ گیا، معاذ سے اس کی ماں چھن گئی۔ میں کس کس بات کا غم کروں۔ میرے بچوں سے ان کی خوشیاں چھن گئی ہیں۔ اب جینے کا دل نہیں چاہتا غضنفر، بہت جی لیا۔“ بابا اور ڈیڈی کافی دیر تک اماں کا دل بہلانے کے لیے ان کے پاس بیٹھے رہے تھے۔ وہ اپنے دکھ بیٹوں کے ساتھ بانٹ کر پرسکون ہو گئی تھیں۔ بہت دنوں بعد انہوں نے کسی کے ساتھ اتنی طویل گفتگو کی تھی۔ اپنے سارے دکھ درد ہلکے کر کے وہ اتنی پرسکون ہوئیں کہ اس رات کو صبح ہونے پر کسی کے جگانے سے بھی نہیں اٹھیں۔

ثمن کا غم اماں نے اپنے دل سے ایسا لگایا تھا کہ اس کے مرنے کے صرف سات مہینے بعد خود بھی ابدی نیند سو گئی تھیں۔

☆☆☆

زمین نے سورج کے گرد اپنا ایک اور چکر مکمل کر لیا تھا۔ دن، رات کی گردش میں وہ دن ایک مرتبہ پھر پلٹ کر ان لوگوں کی زندگیوں میں آ گیا تھا۔ وہ دن جب ایک ہنستی مسکراتی زندگی اس گھر سے رخصت ہو گئی تھی۔ یہ دن ان سب کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ لیکن پھر بھی انہیں اس دن خوشی منانی تھی۔ دل پر جس کے جو بھی گزر رہی تھی، وہ لوگ اس کا ایک دوسرے سے اظہار نہیں کر رہے تھے، آپس میں ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے وہ سب خود کو خوش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بابا ویسا ہی کیک آرڈر کر کے آئے تھے جیسا پہلی سالگرہ پر ثمن نے کیا تھا۔ مما نے کھانے کا بہترین انتظام کیا تھا۔ ڈیڈی نے نوکروں کو ساتھ لگا کر ڈائننگ روم کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ غباروں اور جھالروں سے سجا دیا تھا۔ ان سب نے معاذ کے لیے تحفوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ ظفر نے بھی عین سالگرہ کے دن تحفہ بھیجا تھا۔ کیک کے کاٹتے وقت بابا نے ارتضٰی سے کہا تھا کہ وہ معاذ کا ہاتھ پکڑ کر کیک کٹوائے۔

''مما! آپ اور ڈیڈی کٹوا لیجیے۔'' اس نے مما سے نظریں چراتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

کیک کا چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے مما خود کو روک نہیں پائی تھیں۔ بہت مزے سے کیک کھاتا ہوا معاذ ان کو روتا دیکھ کر بڑا حیران نظر آ رہا تھا۔ بابا، ڈیڈی اور ارتضٰی سب انہیں چپ کرانے میں مصروف تھے۔ معاذ کی توجہ اب غباروں کی طرف تھی۔ صبا نے اسے کارپٹ پر بٹھا کر بہت سارے غبارے اس کے گرد جمع کر دیے۔ وہ اتنے سارے رنگین غباروں کو دیکھ کر بہت خوش تھا۔ وہ بظاہر اس کے ساتھ بیٹھی تھی، مگر اس کی توجہ سامنے صوفے پر بیٹھے بابا، مما، ڈیڈی اور ارتضٰی کی طرف تھی۔

''صبا......'' کسی نے اسے بہت زور سے آواز دی۔ وہ بری طرح چونکی۔

''کیا ہوا صبا! میں اتنی دیر سے تمہیں آواز دے رہا ہوں۔'' ارتضٰی فلور کشن پر مما کے سامنے بیٹھا تھا۔ بابا اور ڈیڈی ان کے پاس صوفے پر بیٹھے تھے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر ارتضٰی نے اسے آواز دی تھی۔ صبا کے چہرے کے تاثرات ناقابل فہم تھے اس کے آواز دینے پر اس نے اسے دیکھ تو لیا تھا، مگر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی بات سن تو رہی ہے مگر سمجھ نہیں رہی۔

''صبا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔؟'' وہ مما کو چھوڑ کر فوراً اس کے پاس آیا تھا۔ بابا اور ڈیڈی ہنوز مما کی دل جوئی میں لگے تھے۔ وہ بڑے تشویش بھرے انداز میں اس کو دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہاری طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں صبا!'' اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا سوال دہرایا۔

''میں ٹھیک ہوں ارتضٰی بھائی!'' اس نے معاذ پر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔

''جب رونا آئے تو رو لینا چاہیے۔ نہ رونا بہادری نہیں۔ غم اپنے اندر جمع کرتے رہنے سے دل پر بہت بوجھ پڑ جاتا ہے۔ تم مما اور ڈیڈی کی وجہ سے نہیں روتیں ان کے سامنے نہیں روتیں مگر میرے سامنے تم رو سکتی ہو۔ اگر ثمن یاد آ رہی ہے تو رو لو صبا! مجھے پتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کی بہن سے زیادہ دوست تھیں۔

بہت محبت کرتی تھیں وہ تم سے۔ تم اس محبت کو مس کرتی ہو صبا!'' ثمن کے بارے میں اس طرح سے ایک سال میں ارتضٰی نے گھر کے کسی فرد سے بات نہیں کی تھی۔ مگر اس وقت صبا کے چہرے پر موجود تاثر نے اسے ثمن کے بارے میں اتنا زیادہ بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیسی لگی تھی وہ اس

پل ارتضیٰ کو۔ جیسے اس کی زندگی سے ہر امید، ہر آس اور ہر خوشی کو باہر نکال دیا گیا ہو۔ یوں جیسے اس کے پاس زندگی میں کچھ بچا ہی نہ ہو۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ کیوں نہیں روتی۔ وہ کیسے کہتی کہ اس سے رویا نہیں جاتا۔ وہ رونا چاہتی ہے، مگر اس کا ضمیر اسے رونے نہیں دیتا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''مجھ سے اس کے بارے میں بات نہیں کی جاتی۔'' اسے کچھ تو کہنا تھا۔

''اس حادثے کو قبول کرلو صبا! ہم سب کو اس کے بغیر رہنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔ مان لینی ہوگی یہ بات کہ وہ اب کبھی یہاں آئے گی بھی نہیں۔'' وہ ہمیشہ ہی کی طرح پیار بھرے انداز میں اسے سمجھانے لگا۔

☆☆☆

روز کی طرح رات کو مما اور معاذ اس کے کمرے میں تھے وہ روزانہ کی بہ نسبت آج جلدی سو گیا تھا۔ مما نے سوتے ہوئے معاذ پر ایک شفقت بھری نگاہ ڈالی، پھر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تمہیں نیند تو نہیں آرہی صبا؟ اس نے مما کی طرف نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں دیکھا۔ ان کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ معاذ ان دونوں کے بیچ میں لیٹا ہوا تھا۔

''صبا! ماں اور بیٹی کا رشتہ، دوستی کا رشتہ بھی ہوتا ہے۔ ماں، بیٹی سے ہر بات دوستوں کی طرح کرتی ہے اور بیٹی بھی دوستوں کی طرح ماں سے اپنی ہر کیفیت شیئر کرتی ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت متانت اور بردباری سے بولیں۔ اسی لیے بے ساختگی میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا بات ہے مما؟''

''صبا! میں چاہتی ہوں آج ہم دوستوں کی طرح باتیں کریں۔ میں تم سے تمہاری زندگی کے سب سے اہم فیصلے کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے دھیمے لہجے میں بولیں۔

''ہم لوگ تمہاری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ بہت سے رشتے ہیں ہمارے سامنے، مگر تمہاری زندگی کے فیصلے کا اختیار تمہارے ہی پاس ہونا چاہئے۔ اگر تم کسی کو اس حوالے سے پسند کرتی ہو۔ تو تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔'' وہ جواب میں چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے مما! میری زندگی میں ایسا کوئی بھی نہیں۔'' وہ جھوٹ بول بھی نہیں رہی تھی۔ جو کچھ اس کی زندگی میں تھا وہ اس کا ماضی تھا۔ اب نہ اسکی زندگی میں، نہ اس کے دل میں، نہ اس کی سوچوں میں، کہیں بھی کوئی نہیں تھا۔

''پھر کیا ہم لوگ اپنی مرضی سے تمہارے لیے کسی کو چن سکتے ہیں؟ کیا تم ہمیں یہ حق دے رہی ہو؟'' ان کی آنکھوں میں بڑی امید بھری چمک ابھری تھی۔ ایسے جیسے اس کے جواب نے انہیں بڑی خوشی دے دی ہو۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اگر ہم تمہاری شادی ارتضٰی کے ساتھ کر دیں تو......؟'' اسے جیسے ایک دم کرنٹ لگا۔ وہ پوری کی پوری ہل گئی۔

''تم مجھے خود غرض مت سمجھو صبا! یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ تم ہمیشہ معاذ کی ماں کا رول ادا کرتی رہو۔ اس کی پرورش کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم سے بہتر معاذ کا خیال کوئی نہیں رکھ سکتا۔ کل کو اگر ارتضٰی نے دوسری شادی کر لی تو وہ دوسری لڑکی چاہے کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، تمہاری طرح اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکے گی۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ بالکل درست ہیں۔ لیکن میرے تم سے ارتضٰی سے شادی کے بارے میں کہنے کی وجہ یہ ہرگز نہیں۔ سچ تو یہ ہے صبا! کہ ارتضٰی سے بہتر تمہارے لیے کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ تمہیں سمجھتا ہے، تمہارے مزاج کو سمجھتا ہے، اس نے میری ایک بیٹی کو اتنا سکھی رکھا ہے، کہ میں اپنی دوسری بیٹی بہت خوشی سے اسے دے سکتی ہوں۔ یہ صرف میری خواہش نہیں ہے۔ تمہارے ڈیڈی اور غضنفر بھائی کی بھی یہی خواہش ہے۔ تم ہمیشہ ہماری نظروں کے سامنے رہو گی۔ معاذ کو ماں کا پیار مل جائے گا ہمیشہ کے لیے۔ ارتضٰی کا گھر پھر سے آباد ہو جائے گا۔''

وہ بہت سنجیدگی سے اسے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں مما!'' کتنی دیر بعد وہ خود کو بولنے پر آمادہ کر پائی، اس سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔

''صبا! ارتضٰی بہت اچھا ہے۔ وہ میری نظروں کے سامنے پل کر بڑا ہوا ہے۔ میں نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ تمہاری تو خود اس کے ساتھ کتنی زیادہ انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ میرا دل کہتا ہے تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔'' ان کا لہجہ التجائیہ ہو گیا تھا۔

''ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا مما! میں نے ارتضٰی بھائی کے بارے میں کبھی اس طرح نہیں سوچا۔ دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ کا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کے ساتھ شادی کر لوں۔ میں نے انہیں کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔ میں نے ہمیشہ انہیں ثمن کے حوالے سے دیکھا ہے۔ اور میں کسی اور حوالے سے انہیں دیکھنا چاہتی بھی نہیں ہوں۔'' اس کا لہجہ بہت بے لچک اور سخت تھا۔ وہ اس موضوع پر مزید ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتی تھی۔

''باقی جن پر پوزلز کا آپ ابھی ذکر کر رہی تھیں۔ ان میں سے آپ لوگ جسے چاہیں میرے لیے منتخب کر لیں۔ میں آپ لوگوں کے کسی فیصلے پر اعتراض نہیں کروں گی۔ لیکن پلیز مما! یہ بات مجھ سے دوبارہ مت کیجئے گا۔ مجھے ایسی بات سوچتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔'' مما اس کا دو ٹوک انداز دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔

وہ آنکھیں بند کر کے سونے لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کرتے ہی وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''کیوں منع کر دیا تم نے مما کو؟ انہوں نے وہی بات تو کی تھی جو تمہاری بھی خواہش تھی اور جس کے پورا ہونے کے لیے ہی تم نے میرے مرنے کی دعا مانگی تھی۔ مت انکار کرو مما کو، یہ تو تمہاری بچپن کی خواہش ہے محبت نہ مرتی ہے نہ ختم ہوتی ہے وہ اب بھی ضرور تمہارے دل میں کسی نہ کسی جگہ موجود ہو گی۔ آگے بڑھو اور پا لو اپنی محبت، تمہیں تمہاری محبت مل جائے اسی لیے تو میں یہاں سے چلی گئی تھی۔'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اسے نشتر چبھو رہی تھی۔ جو کام اس نے زندگی میں کبھی اس کے ساتھ نہیں کیا تھا اب بڑی سفاکی سے کر رہی تھی۔ وہ سسک اٹھی۔

''نہیں ثمن! تم بالکل غلط سوچتی ہو۔ میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا میرا یقین کرو ثمن!'' اس نے چلاتے ہوئے اس سے یہ بات کہنی چاہی

مگر وہ اس کی بات سنے بغیر وہاں سے غائب ہوگئی تھی، اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ مما دوسری طرف کروٹ لیے شاید سو چکی تھیں۔ معاذ بھی گہری نیند سو رہا تھا۔

☆☆☆

''کیا ہو گیا ہے بابا آپ کو! صبا کے بارے میں ایسی کوئی بات میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی۔'' ارتضیٰ نے بابا کے منہ سے یہ بات سنتے ہی بغیر ایک لمحہ کی دیر لگائے فوراً انکار کر دیا۔

''سوچی نہیں تھی تو اب سوچی جا سکتی ہے۔ تم اسے بچی سمجھتے ہو۔ مگر اب وہ بچی ہے نہیں۔'' بابا اس کے دوٹوک انکار پر کچھ جھنجھلا کر بولے تھے۔

''کب تک تنہا زندگی گزارو گے۔ کبھی نہ کبھی تو تمہیں اپنے لیے کوئی فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔ تو وہ لڑکی صبا کیوں نہیں ہو سکتی۔ ہمارے گھر کی رونقیں واپس آ جائیں گی۔ معاذ کو ماں کا پیار مل جائے گا۔'' اس نے ان کی ساری بات بہت خاموشی سے سنی۔ جیسے ہی وہ چپ ہوئے وہ بولنا شروع ہوگیا۔

''سب سے پہلے تو بابا! آپ اپنا یہ خوف دور کر لیں کہ میں معاذ کے لیے کوئی سوتیلی ماں لے کر آنے والا ہوں، بالکل بے فکر رہیں آپ۔ دوسری بات صبا کے بارے میں۔'' وہ ایک پل کو خاموش ہوا پھر اسی مستحکم اور فیصلہ کن انداز میں دوبارہ بولنے لگا۔

''اگر آپ کے کہنے پر اس بات کو ذہن سے نکال بھی دوں کہ میں نے صبا کے لیے اس انداز میں کبھی نہیں سوچا اور یہ کہ وہ اب اتنی چھوٹی نہیں ہے، جتنا میں اسے سمجھتا ہوں۔ تب بھی بابا! میں یہ فیصلہ کبھی نہیں کروں گا۔ میں اتنا خود غرض کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس سے محض اس لیے شادی کر لوں کہ میرے بیٹے کو ماں کا سا پیار مل جائے۔ اس کا حق ہے زندگی کی خوشیوں پر۔ کوئی ایسا شخص جو اسے سچا پیار دے۔ آپ کو پتا ہے ناں صبا مجھے کتنی عزیز ہے۔ میں کسی دوسرے کو اس پر زیادتی کرتے نہیں دیکھ سکتا، خود کیسے اس کے ساتھ کوئی زیادتی کر سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اسے زندگی میں سچی محبت ملے۔ اسے زندگی میں سب کچھ ملے۔'' بابا بے بسی اور مایوسی سے اسے دیکھ رہے تھے وہ اسے قائل نہیں کر پائیں گے، انہیں اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا۔

''ابھی آپ ہمارے گھر کی خوشیوں کی بات کر رہے تھے، بابا! ہمارے گھر کی خوشیاں صبا اور ظفر کی شادیاں کر کے بھی تو لوٹ سکتی ہیں۔ ظفر امریکہ میں بہت اچھی طرح سیٹ ہے، اس کی یونیورسٹی میں جاب بہت اچھی چل رہی ہے۔ اس سے اس بارے میں بات کر کے اس کی شادی کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ صبا کا ایم ایس سی مکمل ہوگیا ہے۔ اس میں کس بات کی کمی ہے جو اس کے لیے کوئی اچھا رشتہ نہ مل سکے۔ ان دونوں کی شادی کر کے ہمارے گھر کی رونقیں لوٹ آئیں گی۔'' وہ ان کی مایوسی محسوس کر کے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ کر انہیں اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

ان دونوں کے اتنی سختی سے اس بات کو رد کر دینے کے بعد دوبارہ اس ذکر کی کوئی گنجائش نہیں بچی تھی۔ ہاں صبا اور ظفر کی شادی کے سلسلے میں اب سب نے بڑی سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ ظفر کو University of Dallas میں جاب آفر ہوئی تو اس نے مما اور ڈیڈی کی اجازت سے اس آفر کو قبول کر لیا۔

مما نے اس سے فون پر اس بارے میں بات کی تو اس نے اپنی شادی کا فیصلہ کلی طور پر مما پر چھوڑ دیا۔ مما کی کالج کی دوست تھیں رضوانہ

آنٹی، ان کی بیٹی عاصمہ، مما کو بہت پسند تھی۔ مما کی پسند کو گھر کے باقی افراد نے بھی پسند کیا تھا۔ یوں ایک خوبصورت شام عاصمہ کو انگوٹھی پہنا کر یہ رشتہ پکا کر دیا گیا تھا۔ جہاں تک صبا کی بات تھی، اس کے لیے تین چار پرپوزلز آئے ہوئے تھے۔ جب اس نے فیصلہ مما اور ڈیڈی پر چھوڑ دیا تو انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرنا شروع کر دیا۔ مما، خاندان میں شادی کرنے کے حق میں تھیں۔

''خاندان کے لوگوں کے بارے میں پتا ہوتا ہے، کسی چھان بین کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک دوسرے کی اچھائی، برائی سب پہلے سے معلوم ہوتی ہے۔'' مما کی اس بات سے بابا نے بھی اتفاق کیا تھا۔ خاندان میں سے آئے دو رشتوں میں سے انہیں سفیر فیروز کا رشتہ زیادہ پسند تھا۔

سفیر کراچی سے B.E کرنے کے بعد کینیڈا M.S کرنے کے لیے چلا گیا تھا۔ اسے وہیں پر بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ اس نے تجربہ کے طور پر وہاں جاب کر لی تھی۔ مستقبل میں اس کا پاکستان واپس آنے اور اپنی ذاتی انجینئرنگ فرم اسٹیبلش کرنے کا ارادہ تھا۔ مما اور ڈیڈی کے پاس اس رشتے کو دوسرے رشتوں پر ترجیح دینے کی کئی وجوہات تھیں۔ سب سے بڑی اور اہم وجہ فیروز خالد کے گھر کا ماحول تھا۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں بہت پڑھے لکھے اور وضع دار قسم کے لوگ تھے۔

مما، صبا کو شادی کر کے اتنی دور کینیڈا بھیجنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں، مگر یہ سن کر کہ سفیر ایک آدھ سال میں کراچی واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے اس رشتے کی طرف سے ہر طرح مطمئن ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

اس کی اور ظفر کی شادی کی تاریخیں آگے پیچھے رکھی گئی تھیں۔ ظفر کی شادی اس کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے تھی۔ ایسا ظفر کی خواہش پر کیا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ صبا اس کی شادی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کر سکے۔ ورنہ پہلے ان لوگوں کا دونوں کی ساتھ شادی کرنے کا پروگرام تھا۔ ظفر شادی سے ایک مہینہ پہلے کراچی آ گیا تھا۔ اپنی شادی سے زیادہ وہ صبا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ارتضیٰ تو پہلے ہی اس کی شادی کی تیاریوں میں بہت پرجوش طریقے سے حصہ لے رہا تھا۔ شادی کی تقریباً تمام شاپنگ مما نے ارتضیٰ کے ساتھ کی تھی۔ سفیر بھی شادی سے آٹھ دن پہلے کراچی آ گیا تھا۔ ظفر کے ولیمے کے اگلے دن اسے مایوں بٹھایا گیا تھا۔

اس رات ارتضیٰ اس کے کمرے میں آیا۔ ظفر اور عاصمہ پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔

''یہ تمہاری شادی کا تحفہ۔'' وہ ڈبا دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ اس میں جیولری ہے۔ ''ایک بار ہم یونہی باتیں کر رہے تھے تو ثمن نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہیں شادی پر تحفے میں ڈائمنڈ کا سیٹ دینا چاہتی ہے اور ساتھ ہی تمہیں اور تمہارے شوہر کو ہنی مون کے لیے ہوائی جہاز کا ریٹرن ٹکٹ بھی۔ اب دوسرے والے تحفے کی تو کوئی ضرورت ہے نہیں۔ میرا خیال ہے تمہارا ہنی مون نیاگرا فال کی خوبصورتیوں کو سراہتے ہوئے گزرنا ہے۔'' وہ بڑے ہلکے پھلکے انداز میں اسے ثمن کی اس بارے میں کہی گئی ایک بات بتا رہا تھا۔

'جلدی سے کھول کر دیکھو صبا! پتا تو چلے ارتضیٰ بھائی کی چوائس کیسی ہے۔'' عاصمہ سیٹ دیکھنے کے لیے بڑی متجسس نظر آ رہی تھی۔ وہ بظاہر عاصمہ کے ساتھ سیٹ دیکھنے لگی تھی، لیکن اندر ہی اندر ارتضیٰ کی باتوں نے اسے بہت ڈسٹرب کیا تھا۔ اس وقت جب کہ وہ کوئی تکلیف دہ بات سوچنا

نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ ثمن اس کے لیے کیا کیا سوچا کرتی تھی۔ وہ اس کے لیے کیا کیا خواب دیکھا کرتی تھی۔ اس کے لیے، صبا شفیق کے لیے جو اس سے...... اس سے آگے سوچنے کی اس کی ہمت نہیں تھی۔

''یہ تمہاری چچی شادی کے بعد بھی اپنے سارے مسئلے لے کر تمہارے پاس آیا کرے گی۔ سفیر تو دیکھنا چند مہینوں میں ہی تم سے چڑنے لگے گا۔'' ظفر بہت عرصے بعد اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے موڈ میں تھا۔

''صبا اب میرے ساتھ اپنی کوئی بات شیئر نہیں کرتی۔ بہت بڑی ہوگئی ہے صبا۔ اس نے مجھ سے اپنی فیلنگز چھپانی سیکھ لی ہیں۔'' ارتضیٰ نے ظفر سے شکوہ کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

''یہ اطلاع میرے لیے تو بڑی خوش آئند ہے۔ یعنی میں یہ توقع رکھ سکتا ہوں کہ اب اگر کبھی میں اور تم کسی مقابلے میں آمنے سامنے آئے تو یہ میر جعفر اپنے سگے بھائی کو فیور کرے گی۔'' ظفر آج واقعی بالکل پرانے موڈ میں تھا۔ شاید وہ اسے ہنسانا چاہتا تھا۔ جو وقت گزر چکا تھا، اسے کچھ دیر کے لیے واپس لانا چاہتا تھا۔

کافی دیر تک وہ تینوں اس کے کمرے میں بیٹھے رہے۔

وہ اس کی چھیڑ چھاڑ کے جواب میں بجائے لڑنے کے مسکرا رہی تھی۔ وہ بھائی کی خواہش پوری کرنا چاہتی تھی مگر اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا اور بحث کرنے والی صبا کو وہ کہاں سے ڈھونڈ کر لاتی۔ وہ صبا تو عرصہ ہوا کہیں کھو گئی تھی۔

☆☆☆

نکاح کے وقت اُس کے پاس بہت سے لوگ تھے۔ اس کے بالکل قریب مما بیٹھی تھیں۔ وہاں ظفر بھی تھا، بابا بھی تھے۔ ان سب کے باوجود اس نے اپنے چاروں طرف ایک وجود کو تلاشا تھا۔

''ثمن! تم کہاں ہو۔ آؤ دیکھو، تمہاری صبا آج دلہن بنی ہے۔ آج اس کی شادی ہے۔ اب تو یقین کر لو کہ صبا تم سے کچھ بھی چھیننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ تم سے حسد نہیں کرتی تھی وہ تمہاری خوشیوں سے نہیں جلتی تھی، دیکھ لو، اس نے تمہاری کسی چیز پر اپنا حق نہیں جتایا۔ وہ اس گھر سے رخصت ہو رہی ہے۔ سب کچھ چھوڑ کر تمہاری کسی بھی چیز پر نگاہ ڈالے بغیر۔ یقین آ گیا نا تمہیں کہ صبا نے کبھی تمہاری جگہ نہیں لینی چاہی تھی۔ تمہاری جگہ کل بھی تمہاری تھی اور آج بھی تمہاری ہے۔'' اس کے روئیں روئیں نے ثمن کو بے آواز پکارا تھا۔

اسے رخصت کرتے وقت مما اسے گلے لگا کر کتنی دیر تک روتی رہی تھیں۔ ڈیڈی کی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔ ''صبا! تم بہت یاد آؤ گی۔'' ارتضیٰ کے لہجے میں بھی اداسیاں گھلی ہوئی تھیں۔ اپنے سسرال میں پہلا قدم رکھتے ہوئے اس نے خود سے ایک عہد لیا۔ یہ کہ وہ اپنے شوہر کی ہمیشہ وفادار رہے گی۔ یہ کہ وہ ایک بہت اچھی بیوی بنے گی۔ سسرال میں اس کا بڑے شاندار طریقے سے استقبال کیا گیا تھا۔ وہ واقعی اپنے ساس سسر کی لاڈلی بہو لگ رہی تھی۔ علینا اور طلحہ بھی خاصے خوش نظر آ رہے تھے۔

اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کے ذہن میں اس وقت سوائے اپنے شوہر کے کسی کا خیال نہیں تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا،

لیکن وہ محسوس کر سکتی تھی کہ وہ ایک ایک قدم اٹھاتا اسی کی طرف آ رہا ہے۔ وہ بیڈ کے پاس آ کر رک گیا۔ وہ اس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا اور بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے چہرے پر اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ چند سیکنڈ وہ اسی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بغیر کچھ کہے ایک نیلے رنگ کا مخملیں جیولری کیس اس کے پاس بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ ابھی اس کی اس حرکت پر ہی حیران ہو رہی تھی کہ وہ اس کے پاس سے ہٹ گیا۔

اس نے بے ساختہ اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر پہلی مرتبہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کی صبا کی طرف پشت تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھایا اور پھر اس کی طرف دیکھے بنا سلائیڈنگ ڈور کھول کر باہر بالکونی میں چلا گیا۔ بالکونی میں جانے کے بعد اس نے سلائیڈنگ ڈور واپس بند نہیں کیا تھا۔ بالکونی میں مکمل اندھیرا تھا مگر کمرہ تو پوری طرح روشن تھا۔ وہ اسے بہت آرام سے دیکھ سکتی تھی اور وہ اسے دیکھ بھی رہی تھی۔ وہ ریلنگ پر بازو ٹکائے اسموکنگ کر رہا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی سفیر کے رویے کو۔ اسے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ کھڑے کھڑے تھک گیا تو کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ رات کا باقی حصہ اس نے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پیتے ہوئے گزارا۔ وہ ویسے ہی بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی، جبکہ وہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھا۔ صبح کے قریب اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ کرسی سے ٹیک لگائے ہی سو گیا تھا۔ اذان ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ جب اچانک اس کی آنکھ کھلی۔ وہ آہستگی سے بیڈ سے اٹھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر وہ آہستہ آہستہ اپنی ساری جیولری اتار رہی تھی۔ کسی لڑکی کے ساتھ شادی کی پہلی رات اس کا شوہر ایسا سلوک کرے اور وہ روئے بھی نہیں، کتنی ناممکن بات ہے یہ۔ اس نے آنکھوں کو آئینے میں بغور دیکھا۔ ان میں ہلکی سی بھی نمی نہیں تھی۔ یوں جیسے اسے اس بات کا احساس ہی نہیں کہ اس کی انسلٹ کی گئی ہے، اس کے وقار کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے۔ جیولری اتارنے کے بعد وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ اس نے کپڑے بدلے پھر وضو کیا۔ جائے نماز اسے ڈریسنگ روم میں رکھی مل گئی تھی۔ وہ سر پر نماز کے لیے دوپٹہ اوڑھتی ڈریسنگ روم سے باہر نکلی تو نظریں سیدھی سفیر پر پڑیں۔ وہ کمرے میں واپس آ چکا تھا۔ وہ اس کے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس نے بھی کچھ چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے، قبلہ کس طرف ہے؟'' اس نے سفیر کی طرف دیکھتے ہوئے بہت عام سے اور جذبات سے عاری انداز میں پوچھا۔ وہ بہت بری طرح چونک گیا۔

اس کے پاس آ کر اس نے جائے نماز اس کے ہاتھ سے لی اور خود ہی بچھا دی۔ وہ جائے نماز بچھا کر ہٹا تو وہ فوراً نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ وہ واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔

نماز پڑھ کر جائے نماز تہہ کرتے ہوئے وہ واپس مڑی تو سفیر کو اپنی ہی طرف دیکھتا ہوا پایا۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ سفیر نے اسے اشارے سے صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا۔

''میں جو باتیں تم سے کرنے والا ہوں، وہ تمہارے لیے یقیناً بہت تکلیف دہ ہوں گی، مگر جھوٹ اور منافقت سے میں سخت نفرت

کرتا ہوں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''کل رات تم مجھے بہت بری لگ رہی تھیں لیکن اس وقت تمہیں دیکھ کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اس سارے قصے میں میرے علاوہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہے تو وہ تم ہو۔ تمہارا اور تمہاری فیملی کا کوئی قصور نہیں۔ تم لوگوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اس قصے کے اصل مجرم میرے والدین ہیں۔'' وہ بہت صاف گوئی سے بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''پاپا کہتے ہیں، انہوں نے آج سے کئی سال پہلے تمہیں اپنی بہو کے طور پر پسند کر لیا تھا۔ ہم لوگ تمہارے گھر کسی فنکشن میں گئے تھے۔ تب می نے مجھے تمہیں دکھاتے ہوئے بتایا تھا۔ اس وقت میری زندگی میں ایسا کوئی نہیں تھا، جس کی وجہ سے تمہارے لیے انکار کر دیتا۔ مجھے بھی تم اچھی لگی تھیں۔ میری رضامندی لینے کے بعد می نے تمہارے گھر والوں سے رشتے کی بات کی۔ مگر تمہارے گھر والوں نے انکار کر دیا۔ میرے حساب سے وہ بات وہیں ختم ہو گئی تھی مگر میں جانتا نہیں تھا کہ یہ بات ختم نہیں ہوئی ہے۔'' اس کے لہجے میں غصہ جھلکنے لگا تھا۔

''پھر میں ماسٹرز کرنے کینیڈا چلا گیا۔ وہاں مجھے مارگریٹ ملی۔ وہ بھی میری طرح سول انجینئر تھی۔ یونیورسٹی میں میرے ساتھ ایم ایس کر رہی تھی۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ خوبصورتی سے میں بے شک بہت سی لڑکیوں سے متاثر ہوا ہوں مگر محبت مجھے صرف مارگریٹ سے ہوئی۔ وہ ایک انگریز فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے والد اپنے بزنس کی وجہ سے برسوں پہلے انگلینڈ چھوڑ کر کینیڈا اسٹیل ہو گئے تھے۔ بہت کنزرویٹو قسم کی انگلش فیملی سے تعلق ہے اس کا۔ اس کے ہاں بہت سی ایسی باتیں بری سمجھی جاتی ہیں جنہیں مغربی کلچر میں برائی سمجھا نہیں جاتا۔ میں نے اسے پرپوز کیا۔ اور جب اس نے میرے پرپوزل کا ہاں یا نہ میں جواب دینے کا فیصلہ اپنے والدین چھوڑا تو میں حیران رہ گیا۔ وہ مجھے اپنے پیرنٹس سے ملوانے لے گئی۔ وہ لوگ مجھ سے ملے اور میں انہیں پسند آ گیا۔

وہ لوگ چاہتے تھے کہ مجھ سے شادی کے لیے ان کی بیٹی اپنا مذہب نہ بدلے مگر میں نے مارگریٹ سے صاف کہہ دیا کہ اگر وہ واقعی مجھ سے محبت کرتی ہے اور شادی کرنا چاہتی ہے تو اسے مسلمان ہونا ہوگا۔ وہ مجھ سے اتنی محبت کرنے لگی تھی کہ یہ بات مان گئی۔ اس نے اپنے والدین کو بھی منا لیا۔ میں جانتا تھا میرے اس فیصلے سے میرے والدین کو اختلاف ہوگا۔ وہ ایک انگریز لڑکی کو چاہے وہ کتنی ہی اچھی فیملی سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہو، بہو بنانے کے لیے خوشی خوشی تیار نہیں ہو سکتے۔ می، پاپا کے ساتھ ہم بہن بھائیوں کے ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں ہماری زندگی کا ہر فیصلہ خود کرنے کی آزادی دی تھی۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے میرا خیال تھا کہ تھوڑی بہت بحث و تکرار کے بعد میں انہیں منا لوں گا۔ میں نے پاپا کو فون پر مارگریٹ کے بارے میں بتایا تو وہ غصے میں پاگل ہو گئے۔ میں نے انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانے اور میں انہیں ناراض کر کے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے می، پاپا کو بھی اپنے پاکستان آنے کا بتا دیا اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ والدین بھی کبھی اولاد کے خلاف اس طرح کی سازش کر سکتے ہیں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے مجھے بتائے بغیر تمہارے گھر رشتے کی بات کی اور جھٹ پٹ شادی کی تاریخ بھی طے کر لی۔ میں انہیں ہر قیمت پر منا لینا چاہتا تھا، اسی لیے میں نے اپنے پاکستان آنے سے پہلے مارگریٹ سے باقاعدہ اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔

میرے ساتھ اسلامک سینٹر جا کر اس نے باقاعدہ اسلام قبول کیا۔ وہ اب مسلمان ہو چکی ہے۔ اس کا نیا نام سمیعہ ہے۔ اسے پتا تھا، میں اپنے والدین کو ہماری شادی کے لیے منانے جا رہا ہوں۔ وہ بہت خوش تھی۔ ہم نے مستقبل کے کتنے حسین خواب دیکھے تھے۔ ایئرپورٹ پر وہ مجھے سی آف کرنے آئی تھی۔ گھر پہنچتے ہی میں حیران رہ گیا۔ یہاں ایسی تیاریاں ہو رہی تھیں جیسے کوئی شادی ہونے والی ہے۔

مجھے تھوڑی ہی دیر میں حقیقت پتا چل گئی، ان کا پلان سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ شادی کے کارڈز سب جگہ بٹ چکے تھے۔ دوسرے شہروں سے کتنے رشتے دار ہمارے گھر میں میری آمد سے پہلے میری شادی میں شریک ہونے کے لیے موجود تھے۔ گھر میں اتنے مہمان تھے کہ میں اپنے باپ سے لڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ سب لوگ مجھے میری شادی کی مبارکباد دے رہے تھے اور میں حیرت سے سب سن اور دیکھ رہا تھا۔ ساری زندگی مجھے سب کچھ دینے کے بعد کس طرح میرے والدین نے مجھ سے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین کر اپنے ہر احسان کی قیمت وصول کر لی تھی۔ میں نے پاپا سے اس ظلم پر احتجاج کیا تو وہ دوٹوک انداز میں بولے۔

''ہم نے تمہاری رضامندی کے بعد شفیق سے اس کی بیٹی کے رشتے کی بات کی تھی۔''

''لیکن وہ بات تو تب ہی ختم ہو گئی تھی۔ انہوں نے منع کر دیا تھا۔'' وہ مشتعل ہوا تو وہ بے نیازی سے بولے۔

''انہوں نے منع نہیں کیا تھا۔ صرف یہ کہا تھا کہ ان کی بیٹی ابھی چھوٹی ہے۔ وہ اس کی شادی چند سال بعد کریں گے۔ مجھے اور تمہاری ممی کو اپنی بہو کی حیثیت سے صبا سے زیادہ کوئی لڑکی اچھی نہیں لگی۔ ہاں اگر تم کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کی بات کرتے تو ہم اس بارے میں سوچ سکتے تھے۔''

ممی مجھے کسی انتہائی فیصلے سے باز رکھنے کے لیے جذباتی بلیک میلنگ میں مصروف تھیں۔

''تمہارے ہاتھ میں ہے ہماری عزت۔ میں مانتی ہوں تمہارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ میں نے کوشش کی تھی تمہارے پاپا کو سمجھانے کی مگر تم جانتے ہو انہیں، وہ کس قدر ضدی ہیں۔ میں نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ نہیں مانتے۔'' انہوں نے آنسو بہاتے ہوئے مجھ سے التجا کی۔ میں انہیں دنیا کے سامنے ذلیل کرنے کا حوصلہ نہیں کر پایا۔

میں نے چپ چاپ شادی کر لی۔ مجھے یہ بات سوچتے ہوئے شرم آئی ہے کہ اب میں سمیعہ کا سامنا کیسے کروں گا۔

کل رات تمہیں گھر لانے کے بعد ایک مرتبہ پھر ممی میرے پاس آ گئیں۔ وہ میرے سامنے ہاتھ جوڑے رو رہی تھیں۔

''سفیر! میں تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دے کر کہہ رہی ہوں، ہمیں اس کے والدین کے سامنے شرمندہ مت کروانا۔ پلیز اسے کچھ بھی مت بتانا۔'' انہیں پتا تھا، میں بہت غصے میں ہوں۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر اور آنسو بہا کر میرے غصے پر بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔

عورت کا حسن مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے، انہیں یقین تھا۔'' وہ اب براہ راست اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی خوب صورتی کا ذکر اس نے بہت تمسخرانہ انداز میں کیا تھا۔

''صحیح سوچا تھا انہوں نے اپنے حساب سے۔ تم واقعی بہت خوبصورت ہو۔ جو لڑکی بغیر کسی میک اپ اور بناؤ سنگھار کے سر پر دوپٹہ اوڑھے اس قدر حسین لگ رہی ہے، اس کی خوبصورتی میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ تم بہت خوبصورت ہو، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، یہ تمام وجوہات کافی

ہیں۔ تمہیں ایک اچھی لڑکی سمجھنے کے لیے، تمہیں پسند کرنے کے لیے مگر یہ تمام وجوہات کافی نہیں ہیں، میرے تم سے محبت کرنے کے لیے۔''

''ہر اچھا شخص جو مجھے پسند بھی کر رہا ہو، ضروری نہیں کہ میں بھی اسے پسند کرلوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس ناپسندیدگی کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہو۔'' اسے اپنی کہی ایک بات اچانک ہی یاد آئی تو اس کا دل چاہا وہ سفیر کو یہ بات بتائے کہ وہ بھی بالکل اسی کی طرح سوچتی ہے۔ وہ بھی ہر اچھے شخص سے صرف اس وجہ سے محبت نہیں کرسکتی کہ وہ اچھا ہے۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس پر مجھے افسوس ہے، مگر میں اس سب کے لیے خود کو قصوروار نہیں سمجھتا۔ تمہارے ساتھ ظلم میرے ماں باپ نے کیا ہے۔ اگر کچھ کہنا ہے تو جا کر ان سے کہو۔'' وہ ایک دم ہی صوفے سے اٹھا اور پھر اس سے مزید کچھ کہے بغیر باتھ روم میں چلا گیا۔ چھ سات منٹ بعد ہی وہ تولیے سے سر رگڑتا ہوا باتھ روم سے نکل آیا۔ تولیہ اس نے لاپروائی سے کرسی پر اچھالا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر برش کرنے لگا۔ اسی وقت کسی نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

''السلام علیکم بھئی!'' آنے والی شخصیت علینا کی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر ہولے سے مسکرائی۔ اسے خود اپنے مسکرانے پر حیرت ہوئی تھی۔ جو باتیں کچھ دیر پہلے سفیر اس سے کر کے گیا تھا، ان کے بعد مسکرانے کی کوئی گنجائش بچی تو نہیں تھی۔

''میں نے ابھی سفیر بھائی کو لاؤنج میں دیکھا تو سوچا کہ شاید آپ بھی اٹھ گئی ہوں گی، اسی لیے آ گئی تاکہ تیاری میں آپ کی مدد کروا دوں۔'' علینا اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اس نے اپنی چھ ماہ کی بیٹی کو گود سے اتار کر بیڈ پر لٹایا اور اس کے لیے لباس منتخب کرنے لگی۔

''یہ ساڑھی کیسی ہے؟'' اس نے فیروزی رنگ کی بنارسی ساڑھی اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

''بہت خوبصورت ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ علینا کو اپنے چہرے پر کچھ کھوجتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

''بھابھی! آپ کپڑے بدلیں، میں شانم کو کسی کے سپرد کر کے آتی ہوں، پھر مجھے آپ کا میک اپ کرنا ہے۔ میرا خیال ہے، آپ کے گھر سے بھی عاصمہ وغیرہ آنے والے ہوں گے۔ ان کے آنے سے پہلے آپ تیار ہو جائیں تو اچھا ہے۔'' وہ اپنی بیٹی کو گود میں لیتے ہوئے بولی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ علینا کمرے سے باہر چلی گئی تو وہ اٹھ کر بیڈ کے پاس آ گئی۔ اس نے جیولری کیس کو اٹھایا۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ گئی۔ علینا کے کہنے پر اسے خود بھی یہ بات یاد آ گئی تھی کہ ابھی کچھ ہی دیر میں اس کے گھر سے کوئی نہ کوئی آنے والا ہوگا اور آنے والے اگر عاصمہ یا اس کی کوئی کزن ہوئی تو پہلا سوال اسی چیز کے بارے میں ہوگا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔

اسے وہ جیولری اپنے ہاتھ سے پہننے پر خود پر ذرا بھی ترس نہیں آیا تھا۔

''تمہارے ساتھ یہی سب کچھ ہونا چاہئے تھا صبا شفیق۔ تم اس کی مستحق تھیں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں خود پر ہنسی۔

علینا اس کا میک اپ کرنے کے بعد جیولری پہناتے ہوئے ستائشی انداز میں بولی۔ ''آپ کی ہائٹ اور فگر ایسا ہے کہ آپ پر ساڑھی بہت اچھی لگ رہی ہے۔ بہت کم لوگوں پر ساڑھی اتنی اچھی لگتی ہے۔'' وہ اسے تیار کر کے فارغ ہوئی ہی تھی کہ زرینہ آنٹی کے ساتھ کمرے میں عاصمہ اور معاذ داخل ہوئے۔ معاذ اسے دیکھتے ہی بھاگتا ہوا فوراً اس کے پاس بیڈ پر چڑھا۔ اس نے بھی بڑے والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹایا۔ وہ اسے

دیکھ کر خوش ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی تیاریوں پر حیران بھی نظر آ رہا تھا۔ علینا ہی کی طرح زرینہ آنٹی نے بھی اسے بہت غور سے دیکھا۔ اس کی گردن میں پرل کا نیکلیس دیکھتے ہی انہوں نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی اور جو اس کے علاوہ علینا بھی محسوس کی تھی۔

''اکیلی آئی ہیں بھابھی؟'' اس نے عاصمہ سے پوچھا۔ وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہاں، بس میں اور ظفر آئے ہیں اور ہاں، یہ معاذ بھی تو آیا ہے ہمارے ساتھ، وہ بھی زبردستی پیچھے لگ کر۔'' وہ جواباً مسکرائی۔

''تم لوگ باتیں کرو، میں دیکھوں کہ ناشتہ اب تک لگا کیوں نہیں ہے۔'' زرینہ آنٹی کمرے سے باہر چلی گئیں جب کہ علینا ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

ناشتے کے بعد وہ ظفر اور عاصمہ کے ساتھ گھر آ گئی۔ سفیر نے اپنی تھکن کا جواز پیش کر کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی۔ گھر میں اسے یوں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، گویا وہ بہت دنوں بعد وہاں آئی ہو۔ مما نے اسے گلے لگا کر خوب پیار کیا تھا۔

''صبا! تمہیں سفیر کیسا لگا؟'' بڑی مشکلوں سے تھوڑی دیر کے لیے انہیں تنہائی نصیب ہوئی تو انہوں نے بے تابی سے اس سے پوچھا۔

''بہت ہینڈسم۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ مما کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بدتمیز۔ ماں سے مذاق کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔''

''مما! آپ نے یہی تو پوچھا ہے کہ سفیر کیسا لگا۔ میں نے سچائی سے جو بات تھی، وہ بتا دی۔ اب ایک اچھے خاصے ڈیشنگ، ہینڈسم اور اسمارٹ بندے کو میں یہ تو کہہ نہیں سکتی کہ اچھا نہیں لگا۔'' اس کا جواب کمرے میں داخل ہوتی ہوئی عاصمہ نے بھی سن لیا۔ مما ہی کی طرح وہ بھی بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

شام کو علینا اور سفیر اسے لینے آئے تھے۔ سفیر کا انداز بہت سنجیدہ اور لیے دیے قسم کا تھا۔ ظفر کے ساتھ البتہ اس کی کافی دوستانہ انداز میں گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو سفیر انہیں بیوٹی پارلر ڈراپ کر کے گھر چلا گیا تھا۔ ولیمے کے لیے اسے یہیں سے تیار ہونا تھا۔ واپسی میں سفیر کی جگہ اس کا ایک کزن ان لوگوں کو لینے آیا تھا۔ وہ لوگ ہوٹل پہنچے تو تقریباً تمام مہمان آ چکے تھے۔

علینا اور عاصمہ کی آپس میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ کل کا میک اپ زیادہ اچھا تھا یا آج کا۔

''نہ تم دونوں کا کوئی کمال ہے نہ تمہارے منتخب کیے ہوئے بیوٹی پارلرز کا۔ وہ ہے ہی اتنی پیاری۔ کہیں سے بھی تیار ہوتی، اسے اچھا ہی لگنا تھا۔'' علینا کی خالہ نے صاف گوئی سے تبصرہ کرتے ہوئے ان دونوں کی بحث کا خاتمہ کروایا۔ وہ خاموش بیٹھی ان لوگوں کے تبصرے سن رہی تھی۔ فنکشن ختم ہونے پر جب آہستہ آہستہ تمام مہمان رخصت ہو گئے اور صرف گھر کے افراد اور خاندان کے قریبی لوگ وہاں رہ گئے تو زرینہ آنٹی، سفیر سے بولیں۔

''تم اور صبا گھر چلے جاؤ۔ ہم لوگوں کو ابھی آدھا پون گھنٹہ اور لگے گا۔ صبا بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہو گی۔'' مما نے سچ کہا تھا۔ اس کی ساس واقعی اسے بہت چاہتی تھی۔ انہیں اتنی مصروفیت میں بھی اس کی تھکن کی فکر تھی۔

وہ سفیر کے ساتھ گاڑی میں تھی۔ وہ سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''تم نے کیا سوچا؟'' سفیر نے اس پر نظر ڈالے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔

''آپ نے کیا سوچا؟ اس کے سوال کے جواب میں اس نے بھی سوال ہی کیا تھا۔ اسے اس سے برجستگی کی توقع نہیں تھی۔ لہٰذا بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''میرے پیرنٹس نے مجھ سے پوچھنے کے بعد آنٹی، انکل کو ہاں کہی تھی۔ انہوں نے میری رضامندی سے میرا رشتہ طے کیا۔ مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اعتراض آپ کو ہے۔ آپ کی ناپسندیدگی کے باوجود بھی یہ شادی ہو چکی ہے۔ اب آگے کے بارے میں اہمیت میرے سوچنے کی نہیں، آپ کے سوچنے کی ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد سپاٹ انداز میں بولی۔

سفیر نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر فیصلہ کن انداز میں بولا ''مجھے سمیعہ سے ہر قیمت پر شادی کرنی ہے، اس بارے میں سوچنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے گھر سے مہمان چلے جائیں اور علینا اپنے گھر واپس چلی جائے تو میں فوراً کینیڈا واپس چلا جاؤں گا۔ میری کینیڈا میں جاب اتنی اچھی ہے کہ میں اپنے باپ کے پیسوں کا بالکل بھی محتاج نہیں، وہ بے شک مجھے عاق کر دیں۔''

اپنی باتوں پر اس کا ردعمل دیکھنے کے لیے اس نے ایک مرتبہ پھر ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر صبا کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ کی اور سمیعہ کی زندگی میں میرے لیے کوئی جگہ نکل سکتی ہے؟'' اس کا سوالیہ انداز ایک دفعہ پھر جذبات سے عاری تھا۔ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں اس شادی کو قائم رکھنا چاہتی ہوں۔ میری بہن کے انتقال کو ابھی بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ میرے پیرنٹس ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ اگر میری شادی ختم ہوگئی تو انہیں بہت بڑا شاک پہنچے گا۔ میں انہیں اپنی وجہ سے کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی۔ آپ کو سمیعہ کے ساتھ ضرور شادی کرنی چاہئے۔ آپ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، آپ دونوں کی شادی ہونی چاہئے مگر کیا اس شادی کے ساتھ ساتھ آپ میرے ساتھ بھی اس تعلق کو قائم رکھ سکتے ہیں؟''

''تم دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہو۔'' یہ لڑکی اسے آج صبح سے چونکا رہی تھی۔ وہ اعتراف کیے بنا رہ نہیں سکا تھا۔ ''تمہاری جگہ دوسری کوئی لڑکی ہوتی تو اس صورت حال میں اس طرح ری ایکٹ نہیں کر سکتی تھی۔ بجائے رونے دھونے اور واویلا کرنے کے تم نے اتنی جلدی تمام مسائل کا منطقی انداز میں حل تلاش کرنا شروع کر دیا ہے۔ تم واقعی بہت مضبوط اور بہادر لڑکی ہو۔'' اس نے بڑی صاف گوئی سے اس کی تعریف کی۔

''آپ کی تعریف کا شکریہ...... لیکن آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' اس کے سوالیہ انداز پر اس کے لبوں پر بے ساختہ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

''تم بہت اچھی لڑکی ہو صبا! تمہارے ساتھ واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے۔ تمہاری شادی کسی ایسے شخص سے ہونی چاہئے تھی جو تم سے محبت کرتا۔'' اس کی نگاہوں اور اس کے لہجے میں سرد مہری اور اجنبیت کی جگہ دوستانہ انداز نے لے لی تھی۔

''اس وقت نہ میں تمہیں ناں کہہ سکتا ہوں اور نہ ہاں۔ تم مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت دو۔'' گاڑی گھر کے اندر لا کر پورچ میں لے جا کر

روکتے ہوئے اس نے کہا۔ شدید خواہش رکھنے کے باوجود وہ اسے دوٹوک انداز میں منع نہیں کر پایا تھا۔ کمرے میں آکر وہ بجائے بیٹھنے کے فوراً ہی ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آکر اپنی جیولری اتارنے لگی۔ سفیر ڈرائنگ روم میں کپڑے بدلنے چلا گیا۔ وہ کپڑے بدل کر آیا تو وہ دوپٹے کی پنیں نکالنے میں مصروف تھی۔ وہ کل کی طرح بالکونی میں نہیں گیا تھا بلکہ تکیے سے ٹیک لگا کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ پنیں نکالتے نکالتے یونہی بے دھیانی میں اس کی نظر سفیر پر پڑی تو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ اس کی طرف بہت غور سے دیکھ رہا تھا اور یہ نگاہیں صبح سے لے کر اب تک کی تمام نگاہوں سے مختلف تھیں ایک پل کے لیے دوپٹہ پر رکھے اس کے ہاتھ کانپے۔ اس نے فوراً اپنا رخ بدل لیا۔

اور دوپٹہ کی آخری پن نکالنے کے بعد وہ کپڑے بدلنے ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ سفیر اس رات اسے نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔

☆☆☆

صبح ناشتے کے تھوڑی دیر بعد ہی زرینہ آنٹی نے اس سے لنچ کے بارے میں پوچھا۔

''لنچ میں کیا کھاؤ گی صبا؟'' انکل بھی وہیں بیٹھے تھے۔

''کچھ بھی جو آپ لوگوں کو پسند ہو۔''

''تکلف سے کام نہیں چلے گا، اپنی پسند بتاؤ۔ آج ہم سب بھی تمہاری پسند کا لنچ کریں گے۔'' انکل نے اسے فوراً ٹوکا۔

''کوئی بھی چائنیز ڈش۔'' ان کے اصرار پر اسے کہنا پڑا۔

''زرینہ! آج لنچ پر چائنیز ڈشز ہونی چاہئیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ ہونی چاہئیں۔'' اس کا جواب سنتے ہی انہوں نے زرینہ آنٹی سے کہا۔ زرینہ آنٹی فوراً وہاں سے چلی گئیں۔ انکل بھی اپنے کسی کام سے تھوڑی دیر بعد اٹھ گئے، تو وہ کچھ دیر کے لیے لاؤنج میں بالکل تنہا رہ گئی۔

''تم یہاں بیٹھی ہو۔'' سفیر لاؤنج میں آتے ہوئے بولا۔

''چلو لنچ کرنے کہیں باہر چلتے ہیں۔'' گاڑی کی چابی ہاتھ میں لیے وہ جیسے جانے کا پروگرام پہلے ہی سے بنائے بیٹھا تھا۔

''لیکن آنٹی میری وجہ سے لنچ پر چائنیز کھانے بنوا رہی ہیں۔''

''گھر پر بہت لوگ ہیں، وہ کھانا کھانے کے لیے۔ چھوڑو تم اسے۔'' اس کے اعتراض پر وہ لاپروائی سے بولا۔

''میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، تم ممی کو بتا کر آجاؤ۔'' باہر نکلتے ہوئے اس سے بولا۔

''آنٹی! ہم لوگ لنچ کرنے جا رہے ہیں۔'' وہ کچن کے دروازے کے پاس آکر ہچکچائے ہوئے انداز میں بولی۔ وہ ملازمہ کو لنچ کے لیے کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔ اس کی بات سن کر وہ بڑے خوشگوار انداز میں مسکرا دیں۔

''ضرور جاؤ، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' برا ماننے کے بجائے وہ بہت زیادہ خوش نظر آرہی تھیں۔ اسے معلوم تھی وجہ کس وجہ سے اس قدر خوش ہیں۔ وہ پورچ کی طرف جانے لگی تو راستے میں انکل سے ٹکراؤ ہوا۔ وہ سفیر کو گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے دیکھ چکے تھے، اس لیے ان کے چہرے پر پہلے ہی سے فخریہ مسکراہٹ تھی۔ اپنے فیصلے کا اچھا نتیجہ نکلتا دیکھ کر وہ بڑے مطمئن نظر آرہے تھے۔ ان کی سوچ اور ان کا تجربہ غلط ثابت نہیں

ہوا تھا۔ بیٹا گھر والوں پر غصے اور ناراضی کے باوجود بھی اس لڑکی کو نظر انداز نہیں کر پایا تھا اور یہی انہیں امید تھی۔

''تمہیں چائنیز کھانے پسند ہیں؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''میوزک سنو گی؟'' اس کے پوچھنے پر اس نے سر ہلا دیا۔ اس نے کیسٹ لگا دی۔ گاڑی ایک چائنیز ریسٹورنٹ کے پاس لا کر روک دی تھی۔ کل ولیمے کی تقریب سے واپس آتے اس نے صبا سے کہا تھا کہ وہ سوچ کر اسے جواب دے گا۔ اس بات کا کہ وہ اس کے ساتھ اس رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے تیار ہے یا نہیں، مگر آج کے اس دن اب صورتِ حال یکسر بدل چکی تھی۔

کل رات کے بعد اب نہ صبا کو اپنے سوال کے جواب کی کوئی ضرورت رہی تھی اور نہ اسے جواب دینے کی، صبا کے حسن نے اسے اپنا اسیر بنایا تھا یا اُس کے منفرد انداز نے، کسی بھی وجہ سے لیکن وہ صبا شفیق کو قبول کر چکا تھا، اسی لیے اس وقت لنچ کرتے ہوئے وہ اسے بڑی سنجیدگی سے بتانے لگا۔

''ابھی میں واپس ٹورنٹو چلا جاؤں گا فوراً میں سمیعہ کو یہ سب کچھ بتا نہیں سکوں گا، کچھ عرصہ لگے گا مجھے یہ سب کچھ اُسے سمجھانے میں۔ ظاہری بات ہے، اسے بہت صدمہ پہنچے گا۔ وہ مجھ سے بدگمان ہوگی۔ آہستہ آہستہ میں اسے قائل کروں گا۔ پتا نہیں اس سب میں کتنے دن لگیں۔ ویسے بھی ابھی ایک سال سے پہلے تو میرا پاکستان آنے کا کوئی ارادہ پہلے بھی نہیں تھا۔ شادی میں اس کے ساتھ یہاں سے جاتے ہی کر لوں گا، پھر جیسے ہی وہ میری بات سمجھنے میں کامیاب ہوئی ہم لوگ پاکستان آجائیں گے۔ پاکستان آنے کا میرا پکا پروگرام ہے۔ تم ممی، پاپا کے ساتھ رہنا، سمیعہ کو میں الگ گھر میں رکھوں گا۔'' وہ پرسکون سے انداز میں مسکرائی۔ اسے سفیر کی بات سے بڑا اطمینان ملا تھا۔

''میں آپ کی اور سمیعہ کی زندگی میں بالکل مداخلت نہیں کروں گی۔'' وہ اپنی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔ ''بس میری آپ سے اتنی التجا ہے کہ میرے گھر والوں کو ابھی کچھ پتا نہیں چلنا چاہئے۔ جس طرح آپ سمیعہ کو ایک دم سے ساری بات نہیں بتا سکتے، اسی طرح میں بھی انہیں اچانک یہ خبر نہیں سنا سکتی۔ آپ کے جانے کے بعد موقع دیکھ کر میں انہیں مناسب طریقے سے ساری بات سمجھا دوں گی۔'' وہ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی سفیر نے اس کی بات بڑی سنجیدگی سے سنی اور سر ہلا دیا۔ وہ اب اس کی باتوں پر حیران نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس کے سامنے بیٹھی لڑکی کوئی عام لڑکی نہیں، وہ بڑی منفرد اور مختلف لڑکی ہے۔

''تم بہت مختلف سی ہو صبا''۔ اس کا لہجہ تعریفی تھا ''بہت بہادر، بہت مضبوط اور بہت زیادہ خوبصورت۔''

پاپا سے ناراضی کے باوجود میں ان کی لائی ہوئی لڑکی کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس سے نفرت ہے۔ وہ اس کی تعریف کر رہا تھا۔

''پھر اس میں میرا تو کوئی کمال نہیں۔ مطلب یہ کہ اگر میں خوبصورت نہ ہوتی تو آپ مجھ سے نفرت کرتے، مگر عام سی شکل کے ساتھ بھی میں ہوتی تو صبا شفیق ہی۔ بقول آپ کے میں مختلف ہوں، بہادر ہوں، مضبوط ہوں، تب بھی مجھ میں یہ سب خصوصیات موجود ہوتیں مگر کیا اس وقت یہ خصوصیات اس وجہ سے غیر معمولی نہیں لگتیں کیونکہ ان کی حامل لڑکی عام سی صورت شکل کی ہوتی؟'' وہ جواباً کھل کر ہنسا تھا۔

''فرض کرنے والی بات کا میں جواب دوں۔ اگر تم خوبصورت نہ ہوتیں، یہ بات فی الحال تو میں فرض بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت

میرے سامنے گرین کلر کا ڈریس پہنے ہوئی لڑکی بے حد حسین لگ رہی ہے۔'' فی الوقت وہ صبا شفیق کے حسن کا اسیر ہو گیا تھا۔ اس کی باتیں سے اچھی لگ رہی تھیں۔ اسے دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔

''آپ فوراً گھر واپس جانا چاہتے ہیں؟''

''ارادہ تو یہی تھا، ویسے اگر تمہارا کہیں اور چلنے کا موڈ ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اس نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

''میں، مما اور ڈیڈی سے ملنا چاہتی ہوں، اگر آپ چل سکیں تو۔''

☆☆☆

کھانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو سفیر وہاں پہلے سے موجود تھا۔ وہ ٹی وی پر کوئی مووی دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

''آؤ بیٹھو، اچھی مووی آ رہی ہے۔'' اس کی نظریں اسکرین پر تھیں اور ذہن معاذ میں اٹکا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے، تمہیں فلم اچھی نہیں لگ رہی۔'' والیم کم کرتے ہوئے وہ بولا۔

''نہیں، فلم اچھی ہے۔'' اس نے چونکتے ہوئے اسے جواب دیا۔

''فلم سے تمہاری بیزاری اپنی جگہ درست ہے چاہے جن حالات میں بھی ہماری شادی ہوئی ہے، بہر حال آج ہماری شادی کی تیسری رات ہے اور صرف تین دنوں میں دو افراد ایک دوسرے سے اتنے تنگ نہیں آ جاتے کہ آپس میں گفتگو کے بجائے ٹی وی دیکھ کر وقت گزاریں۔ یہ نوبت تو غالباً شادی کے دو تین سالوں بعد آنی شروع ہوتی ہے۔'' اپنی بات مکمل کر کے اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا تھا۔

''چلو ہم اپنی باتیں کرتے ہیں۔ موضوع کا انتخاب تم کرو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ مجھے سمیعہ کے بارے میں بتائیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''یہی کہ وہ آپ کو پہلی مرتبہ کب اچھی لگی، کیوں اچھی لگی۔''

''تمہیں برا نہیں لگے گا اگر میں تم سے اس کی باتیں کروں گا۔'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''اصولاً مجھے برا ماننے کا کوئی حق ہے تو نہیں۔ وہ میرے اور آپ کے درمیان نہیں آئی۔ میں آپ کے اور اس کے درمیان آئی ہوں۔ اگر لگے تو اسے میرا ذکر برا لگنا چاہئے، مجھے اس کا نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''مگر تم جان بوجھ کر تو ہمارے درمیان نہیں آئیں۔ اگر ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو تمہارے ساتھ بھی زیادتی ہی ہوئی ہے۔'' اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس پر ایک نظر دوڑائی۔

''وہ میری قسمت ہے، میری قسمت میں جو لکھا تھا، وہ ہو گیا۔ میں اس کے لیے کسی کو الزام نہیں دیتی۔'' وہ متانت سے بولی پھر ایک سکینڈ

توقف کر کے دوبارہ گویا ہوئی۔

''آپ نے میرا سوال ٹال دیا۔ میں آپ سے سمیعہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ کیا بہت خوبصورت ہے؟'' وہ جواب میں مسکرایا۔

''خوبصورت۔ اگر میری نظر سے دیکھو تو وہ اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے اور اگر دوسرے لوگوں کی بات کروں تو وہ گڈ لکنگ ہے۔''

جواب دیتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا والٹ اٹھایا اور پھر اس میں سے کچھ نکالنے لگا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ دیکھو اس کی تصویر۔'' اس نے والٹ میں سے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ بلیو ٹراؤزر اور ریڈ ٹی شرٹ کے ساتھ گلے میں دوپٹہ کے انداز میں بلیک اور ریڈ پرنٹڈ اسکارف لیے وہ لڑکی بڑی بے ساختگی سے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ ہنستے ہوئے سب سے نمایاں چیز اس کے ڈمپلز تھے۔

''اس کی ہنسی بہت پیاری ہے۔ خاص طور پر ڈمپلز بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔'' اس نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''حیرت ہے، تمہیں بھی اس کی وہی چیز سب سے اچھی لگی جو مجھے لگتی ہے۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔

سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اس نے تصویر واپس والٹ میں رکھ دی تھی۔ اس وقت وہ اس سے اتنی دور تھی کہ وہ اسے یاد کر کے دکھی ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اس نے اپنی توجہ اس لڑکی کی طرف کر لی جو بہت خوبصورت بھی تھی اور منفرد بھی اور جسے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے سب پریشانیاں بھول جانے کو جی چاہنے لگتا تھا۔

☆☆☆

FOR MORE QULAITY NOVELS, MONTHLY DIGESTS WITH DIRECT DOWNLOAD LINKS, VISIT US AT

http://www.paksociety.com

ظفر تفریحی پروگرام بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔حسب عادت اس نے ایک پکنک کا پروگرام بنالیا، جس میں صبا کی سسرال کو بھی انوائٹ کیا تھا۔وہ اور عاصمہ ہنی مون کے لیے جانے والے تھے جانے سے دو دن پہلے اس نے پکنک ارینج کرلی تھی۔سفیر کی ایک خالہ جو دبئی سے آئی تھیں، واپس جاچکی تھیں جب کہ دوسری ابھی یہیں موجود تھیں۔وہ سب ہی لوگ پکنک پر آئے تھے۔

وہ دونوں واک کرتے ہوئے سب سے کافی دور آگئے تھے۔سفیر اسے اپنی کینیڈا میں منائی جانے والی اس پکنگ کا احوال سنا رہا تھا۔جس میں اس نے اپنے یونیورسٹی کے دوستوں کے ساتھ مل کر بہت انجوائے کیا تھا۔وہ بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔بہت دور جھیل کے کنارے بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے ارتضٰی اور ظفرا سے نظر آئے تھے سفیر نے ان دونوں کو نہیں دیکھا تھا، وہ اپنا قصہ سنانے میں مصروف تھا۔واک کرتے کرتے اچانک اس نے سفیر کا ہاتھ تھام لیا تھا۔وہ ایک پل کے لیے بہت حیران ہوا تھا۔یہ لڑکی جو اپنی عمر سے بیس، تیس سال بڑی اور میچور لگتی تھی، اس سے وہ یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ وہ کسی پکنک اسپاٹ پر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بھی واک کرسکتی۔اپنا قصہ ادھورا چھوڑ کر اس نے متحیر سے انداز میں دیکھا۔اس دوران واک کرتے ہوئے وہ دونوں ارتضٰی اور ظفر کے کافی قریب پہنچ چکے تھے۔وہ دونوں ان دونوں کو کافی دور سے ہی آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔سفیر کی بعد میں نظر پڑی تھی ان دونوں پر۔بہت دور تک کا چکر لگا کر کافی دیر بعد وہ دونوں واپس سب لوگوں کے پاس آئے تھے۔

لنچ کا زبردست اہتمام تھا۔عاصمہ اور علینا کھانا کھانے میں مصروف تھیں۔وہ بھی ان دونوں کی مدد کروانے لگی۔کھانے کے وقت بہت شور مچا ہوا تھا۔فل والیم میں گانے بھی بج رہے تھے اور سب لوگ بھی زور زور سے بولنے اور شور شرابا کرنے میں مصروف تھے اس نے سامنے رکھی ہوئی بریانی کی ڈش اٹھالی۔اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالنے سے پہلے اس نے سفیر سے پوچھا۔

''آپ بریانی لیں گے؟''اس نے جواباً سر اثبات میں ہلایا تو اس نے اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالنے سے پہلے اس کی پلیٹ میں ڈالی۔پھر اس نے شامی کباب کی ڈش اٹھائی تو اسی طرح اس سے پوچھ کر پہلے اس کی پلیٹ میں ایک کباب رکھا پھر اپنی پلیٹ میں۔

بابا نے اپنے چہرے کے تاثر سے ایسا ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ انہوں نے اس کی یہ بات خاص طور پر نوٹ کی ہے لیکن دل ہی دل میں وہ صبا کی اس مشرقی بیویوں والی ادا سے خوب محظوظ ہوئے تھے۔انہیں وہ دونوں ساتھ بیٹھے اچھے لگ رہے تھے۔ان کے درمیان یقیناً بہت محبت اور انڈراسٹینڈنگ پیدا ہوگئی ہے۔ان کے دل کو بہت اطمینان ہوا تھا۔ساتھ مل کر ایک بہت ہی بھرپور دن گزار کر وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آگئے تھے۔

☆☆☆

ظفر اور عاصمہ ہنی مون کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کی طرف نکل گئے تھے۔

علینا نے جیسے ہی اسلام آباد واپسی کا اعلان کی، سفیر نے بھی جھٹ پٹ اپنی واپسی کی سیٹ کنفرم کرالی۔علینا کے جانے کے تیسرے دن کی فلائٹ تھی، اس کی۔اس دوران وہ سفیر کے ساتھ کئی مرتبہ اپنے گھر ہو آئی تھی۔سفیر کی اتنی جلدی واپسی کسی کے لیے بھی حیرت کا باعث نہیں تھی۔سب کے علم میں یہ بات تھی کہ سفیر ایک سال کے اندر اندر مستقل طور پر پاکستان واپس آنے والا ہے اور اسی لیے وہ وہاں اپنے رکے ہوئے سب کام جلدی

جلدی مکمل کر لینا چاہتا ہے اس تمام عرصہ میں اس کے سفیر کے ساتھ بالکل ویسے ہی تعلقات رہے تھے جیسے نئے نئے شادی شدہ میاں بیوی کے درمیان ہوتے ہیں۔

ائیر پورٹ روانگی سے قبل، کمرے سے تیار ہو کر نکلنے سے پہلے وہ چند لمحوں کے لیے اس کے پاس آ کر رکا تھا۔

''تم بہت اچھی ہو صبا! کاش میں تم سے محبت کر سکتا۔'' اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔ وہ آہستگی سے مسکرائی۔

''تمہیں تکلیف ہو رہی ہوگی یہ بات سوچ کر تمہارا شوہر تم سے دور جا کر فوراً ہی ایک دوسری لڑکی سے شادی کرنے والا ہے۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں آنسو ڈھونڈنے چاہے۔

''آپ نے اول روز مجھے ساری بات صاف صاف بتا دی تھی اور میں ساری باتیں جاننے کے باوجود اس رشتے کو نبھانے کے حق میں ہوں۔ آپ یقین کر لیں کہ میں نے حقیقت پسندی کے ساتھ اس ساری صورت حال کو قبول کر لیا ہے۔ میں آپ دونوں کی واپسی کا انتظار کروں گی۔''

سفیر کو ائیر پورٹ چھوڑنے کے لیے صرف اس کے گھر والے ہی نہیں گئے تھے۔ بلکہ بابا، ڈیڈی اور ارتضٰی بھی اسے سی آف کرنے آئے تھے۔ زرینہ آنٹی اور انکل کے چہروں پر بیٹے کے ساتھ رویہ ان کے سامنے تھا۔ وہ اس کی اچھائیوں کا معترف ہو گیا تھا۔ رخصت ہوتے وقت بھی اس نے بڑی گرم جوشی اور اپنائیت کے ساتھ اسے خدا حافظ کہا تھا۔

☆☆☆

سفیر نے ٹورنٹو پہنچتے ہی اپنی خیریت کا فون کیا تھا۔ زرینہ آنٹی اور اس سے اس نے بہت مختصر سی گفتگو کی تھی۔

ظفر واپس جانے والا تھا۔ وہ بھائی کے ساتھ ایک دو دن گزارنا چاہتی تھی۔ زرینہ آنٹی نے اسے بخوشی میکے جانے کی اجازت دے دی۔ ظفر کے جانے میں ابھی دو دن تھے۔ عاصمہ بہت چپ چاپ نظر آ رہی تھی۔

''اتنا عجیب لگ رہا ہے صبا! ظفر کے جانے کا سوچ کر دل گھبرا رہا ہے۔ تمہیں بھی اس طرح کی فیلنگز ہوئی ہوں گی سفیر کے جانے پر۔'' عاصمہ نے اس سے کہا تو اس نے اقرار میں گردن ہلا دی۔

''فطری بات ہے نا بھابھی! جس شخص سے آپ کا رشتہ جڑا ہے، اس کا دور جانا اچھا کیسے لگ سکتا ہے۔''

وہ شام کو آئی تھی۔ شام سے لے کر رات گئے تک وہ، ظفر، ارتضٰی اور عاصمہ آپس میں باتیں کرتے رہے تھے۔ بابا، ڈیڈی اور مما نے رات دس بجے تک ان لوگوں کا ساتھ دیا تھا۔

اگلے روز معاذ کا اسکول کا پہلا دن تھا۔ اس کا ایڈمیشن صبا کی شادی سے بھی کافی دن پہلے ہو چکا تھا۔ مما نے معاذ کو بڑی خوشی خوشی اسکول کے لیے تیار کیا۔ اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنایا۔ رات دیر تک جاگنے کے باوجود وہ سب لوگ معاذ کو خدا حافظ کہنے کے لیے جلدی اٹھ گئے تھے۔ سارا گھر اس کے آگے پیچھے تھا۔ وہ خود بھی اسکول جانے پر بہت خوش تھا۔ اسی خوشی میں اس نے ناشتہ بھی روزانہ کی طرح ستائے بغیر کر لیا تھا۔ ارتضٰی اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔

''سب کو سلام کرو اور پیار کروا کر آؤ۔'' ارتضیٰ نے اس کا بیگ ٹیبل پر سے اٹھاتے ہوئے اسے سمجھایا تو وہ بھاگتا ہوا پہلے ڈیڈی کے پاس گیا۔ انہوں نے جھک کر اسے پیار کیا، دعائیں دیں پھر وہ بابا کے پاس آیا۔ انہوں نے اسے گود میں اٹھالیا۔

''اپنے پاپا جیسے آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ بننا، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سب سے زیادہ۔'' بابا کی گود سے اتر کر وہ ان کے برابر میں کھڑے ظفر کے پاس آگیا تھا۔

''پہلے مما کے پاس جاؤ۔'' ظفر نے سمجھایا۔ وہ بھاگ کر صوفے پر بیٹھی مما کے پاس آگیا۔ مما کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسے اپنے سینے سے لگا کر پیار کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے بڑی تیزی سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ارتضیٰ فوراً ان کے پاس آیا تھا۔

''مما! پلیز اس طرح مت کریں۔ آج معاذ کی تعلیمی زندگی کا پہلا دن ہے، آپ اسے دعائیں دیں۔'' اس نے ان کے کندھے پر بڑی محبت سے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

☆☆☆

ظفر چلا گیا تو وہ واپس اپنے سسرال آگئی تھی۔ سفیر نے ایک فون کے بعد دوبارہ فون نہیں کیا تھا۔ زرینہ آنٹی کو اس کا فون نہ آنے پر بہت تشویش تھی۔ اسے گئے دس دن ہو چکے تھے شروع کے چار پانچ دن اس کی کال کا انتظار کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی اسے گھر پر فون کیا مگر وہ گھر پر ملا نہیں پھر اس کا فون آگیا تھا مگر یہ فون صبا کے لیے تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے، جب اس کے کمرے میں فون کی بیل بجی تھی۔ اس نے ریسور اٹھایا تو دوسری طرف سفیر تھا۔

''آپ اتنے دنوں سے کہاں ہیں؟'' یہاں پر سب آپ کی طرف سے بہت فکرمند ہیں۔'' اس کی آواز سنتے ہی صبا نے کہا۔

''یہیں ہوں، مجھے کہاں جانا ہے اور جو میرے لیے فکرمند ہیں ان سے کہو، میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں۔'' اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''کیا ہوا سفیر! آپ سمیعہ سے ملے؟'' اس کا سوال سن کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''میں بہت پریشان ہوں صبا! میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، کیا کروں۔ سمیعہ مجھ سے بہت بری طرح ناراض ہوگئی ہے۔'' وہ بہت مایوس اور پریشان لگ رہا تھا۔

''آپ فکر نہیں کریں، وہ آہستہ آہستہ ساری بات سمجھ جائے گی۔ اسے آپ کی مجبوری کا اندازہ ہو جائے گا۔ آپ اسے تھوڑا سا وقت دیں۔'' اس نے اسے تسلی دینی چاہی تو وہ جواباً غصے سے بولا۔

''بات تو وہ تب سمجھتی اگر میری کوئی بات اس نے سنی ہوتی۔ وہ نہ مجھ سے مل رہی ہے، نہ فون پر بات کر رہی ہے۔ اسے میری کسی مجبوری سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے نزدیک مجھ سے ناراض ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ میں شادی کر کے آیا ہوں، چاہے کسی بھی وجہ سے۔ وہ میری آواز سن کر فون بند کر دیتی ہے۔ اپنے گھر میں مجھ سے ملنے سے انکار کر دیتی ہے، اپنے آفس جانا اس نے چھوڑا ہوا ہے۔ میں اس سے کہاں ملوں، کیسے اپنی پوزیشن کلیئر کروں۔''

''وہ آپ سے محبت کرتی ہے سفیر! جن سے محبت کی جاتی ہے پھران سے زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہا جا سکتا۔ اسے آپ پر بہت اعتماد تھا، ابھی چونکہ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی ہے، اس لیے وہ اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہے مگر وہ زیادہ دنوں تک آپ سے ناراض رہ نہیں پائے گی۔ وہ آپ کی مجبوری اور آپ کے عذر کو قبول کرتی ہے یا نہیں، بہرحال وہ آپ کی معذرت کو ضرور قبول کرلے گی۔ آپ تھوڑے دن انتظار کریں، انشاءاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' اس نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ قدرے مطمئن ہوگیا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو صبا! مجھے اس طرح مایوس نہیں ہونا چاہیے۔'' اس کے بعد اس نے مزید تین چار منٹ اس سے بات کی اور پھر فون بند کر دیا تھا۔

صبح اس نے ناشتے کی میز پر زرینہ آنٹی کو سفیر کے فون کے بارے میں بتایا۔

''وہ آفس میں تھوڑے بزی تھے، اسی وجہ سے فون نہیں کر رہے تھے۔'' بیٹے کی خیریت کی اطلاع ملنے پر سکون اور اطمینان محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اس بات سے تھوڑی سی تکلیف بھی پہنچی کہ اتنے دنوں بعد اسنے فون کیا تو اپنی بیوی کو، ماں کو نہیں۔

☆☆☆

آنٹی کئی سالوں سے اپنا ذاتی اسکول کامیابی کے ساتھ چلا رہی تھیں۔ شادی کی مصروفیات کے پیش نظر انہوں نے اسکول جانا چھوڑا ہوا تھا، مگر اب وہ دوبارہ اسکول جانے لگی تھیں۔

جب سے انہوں نے اسکول جانا شروع کیا تھا، وہ گھر میں اکیلی بہت بوریت محسوس کر رہی تھی، آنٹی تین بجے واپس آئیں۔

''تم کھانا کھالیتیں۔ میرے انتظار میں بھوکی کیوں بیٹھی رہیں۔'' ان کا موڈ صبح کی بات پر آف تھا مگر پھر بھی انہوں نے اس سے پیار سے ہی بات کی تھی۔

''آنٹی! اکیلے کھانا کھانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔'' اس نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے انہیں جواب دیا۔ طلحہ میڈیسن پڑھ رہا تھا۔ اس کے آنے جانے کے کوئی اوقات مقرر نہیں تھے، اسی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ لنچ پر موجود نہیں تھا۔ لنچ کے دوران ہی اس نے آنٹی سے اپنی بوریت کا ذکر کیا۔ انہوں نے اس کا مسئلہ بڑی سنجیدگی اور توجہ سے سنا پھر کچھ سوچ کر اس سے بولیں۔

''تم میرے ساتھ اسکول چلا کرو۔ کہیں جاب کرنے سے بہتر نہیں کہ اپنا اسکول سنبھالنے میں میری مدد کرو۔''

''ٹھیک ہے آنٹی! میں کل سے آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' اور پھر اگلے روز سے وہ ان کے ساتھ اسکول جانے لگی۔

گھر پر مما وغیرہ نے بھی اس کے اس اقدام کو بہت سراہا تھا۔ خاص طور پر ارتضٰی نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی تھی۔

''نائن ٹو فائیو والی جاب کے مقابلے میں یہ کام بہت بہتر ہے۔ ہمارے کلچر میں لڑکیوں کے لئے ٹیچنگ سے اچھا کوئی پروفیشن نہیں ہو سکتا۔'' سفیر کی فون کالز آرہی تھیں مگر بہت مختصر۔ وہ اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ زرینہ آنٹی سے بھی وہ بہت مختصر گفتگو کرتا تھا۔ وہ مزید بات کرنے کے لیے تڑپتی ہی رہ جاتی تھیں اور وہ ''اچھا ممی! خدا حافظ۔'' کہہ کر فون بند کر دیتا۔ اس نے صبا کو پیسے بھیجے تھے۔ اگرچہ وہ یہ بات جانتا تھا کہ اسے اس

کے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ممی، پاپا اس کی ہر ضرورت بہت اچھی طرح پوری کر سکتے تھے، مگر شاید وہ اپنی ذمہ داری نبھانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پیسے بھیجنے پر اتنی خوش نہیں ہوئی تھی جتنا انکل ہوئے تھے۔

☆☆☆

ظفر کے جانے کے چھ مہینے بعد عاصمہ بھی اس کی پاس چلی گئی تھی۔ مما اور ڈیڈی بہو کے جانے پر اداس تو ہوئے تھے مگر انہیں اس بات کی بھی خوشی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس جارہی تھی اور اسے اس کے پاس رہنا چاہیے تھا۔

وہ ہر ویک اینڈ اپنے میکے میں گزارتی، باقی سارا ہفتہ اس کا اسکول کی مصروفیت کی نذر ہو جاتا تھا۔ اس دوران صرف فون پر گھر والوں سے بات ہوتی یا ان لوگوں میں سے کوئی اس سے ملنے آجاتا، لیکن چھٹی کا دن وہ وہیں پر گزارتی تھی۔ معاذ اس بات پر سمجھوتا کر چکا تھا کہ اب ہالہ جانی (خالہ) اس کے ساتھ نہیں رہیں گی، مگر جب وہ گھر آتی تو وہ اس سے اسی والہانہ انداز میں ملتا۔ اپنے اسکول کی ایک ایک بات اسے بتاتا۔ وہ اس سے فرمائشیں کر کے مختلف پوئمز سنتی۔ وہ اس سے اپنی ضدیں پوری کرواتا، رات کو اس کے پاس سوتا۔ مما کہتی تھیں اس کے آنے پر معاذ اتنا ضدی اور بدتمیز ہو جاتا ہے، ورنہ باقی سارا ہفتہ وہ بہت اچھا بچہ رہتا ہے۔ ارتضٰی نے اس کے لیے ایک گورنس رکھ لی تھی۔ مما اس کی ضد کے آگے چپ تو ہو گئی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ معاذ کے زیادہ تر کام خود ہی کیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

سفیر کا بہت دنوں سے فون نہیں آیا تھا۔ گھر میں سب ہی کو اس کے فون نہ کرنے پر تشویش تھی۔ وہ خود نہ گھر کے فون پر نہ موبائل پر وہ کہیں نہیں مل رہا تھا۔ وہ گھر پر نہیں ملا تو آفس فون کیا گیا۔ وہاں سے پتا چلا کہ وہ آج کل چھٹیوں پر ہے۔ اس خبر سے سب کی تشویش مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ چھٹیوں پر تھا اور گھر پر موجود نہیں تھا۔ یعنی وہ کہیں گیا ہوا تھا مگر کہاں؟

سب سفیر کی طرف سے پریشان تھے اس نے E-mail بھیجی۔ یہ سوچ کر کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے کم از کم اپنی Mails تو ضرور چیک کرتا ہوگا۔

''سفیر! آپ کہاں ہیں؟ ہم سب آپ کے لیے بہت پریشان ہیں۔'' اس کا پیغام بہت مختصر سا تھا۔ س کا جواب تیسرے دن سفیر کی فون کال کے ذریعے موصول ہو گیا تھا۔

''شکر آپ ملے تو۔ ہم لوگ بہت پریشان ہو گئے تھے۔'' اس کی آواز سنتے ہی وہ بولی وہ جواباً خاموش رہا تھا۔

''آپ تھے کہاں؟'' اس نے مزید پوچھا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں نے اور سمیعہ نے شادی کر لی ہے۔ ایک مہینہ ہو گیا ہماری شادی کو۔ ہم دونوں ہنی مون کے لیے یورپ گئے ہوئے تھے۔ کل ہی واپس آیا ہوں۔ ابھی ابھی تمہاری Mail پڑھی تھی۔ اسی لیے فون کیا ہے۔

''آپ دونوں کی شادی ہو گئی۔ زبردست یہ تو بہت ہی اچھی خبر ہے۔ بہت مبارک ہو۔ سمیعہ کو بھی میری طرف سے مبارکباد دیجئے گا۔ دیکھیں میں نے آپ سے کہا تھا نا وہ زیادہ دنوں تک اپنی ناراضی برقرار نہیں رکھ پائے گی۔ اسے ماننا ہی تھا اور وہ مان گئی۔'' اس نے بڑی گرم جوشی

کے ساتھ اسے مبارکباد دی تھی۔ وہ جواب میں ایک مرتبہ پھر خاموش رہا۔

''کیا ہوا! آپ خاموش کیوں ہیں؟''

''صبا! تم اتنی اچھی مت بنا کرو۔ مجھے تم سے شرمندگی ہونے لگتی ہے۔'' وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

وہ اس کے لہجے پر کچھ حیران سی ہوئی۔

''اچھا سنو، اب تم مجھے گھر پر فون مت کرنا۔ میں نے تمہیں سمیعہ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ میرے بارے میں بہت پوزیسو ہے۔ تمہارا فون آیا تو اسے بہت برا لگے گا۔ مجھے E-mail بھی مت بھیجنا۔ اسے میرا Password پتا ہے، میں اس سے اپنی کوئی چیز نہیں چھپاتا۔ اگر اس نے تمہاری Mail دیکھ لی تو مجھے بہت پرابلم ہو جائے گی۔ ابھی بھی تمہاری Mail میں نے پڑھنے کے ساتھ ہی Delete کر دی ہے۔ کبھی کوئی بات ہو تو مجھے آفس فون کر سکتی ہو۔ وہ بھی کوئی بہت خاص بات ہو تب، ورنہ میں خود ہی تمہیں فون کیا کروں گا۔'' اس کا لہجہ تنبیہی اور دو ٹوک قسم کا تھا۔

''آپ فکر مت کریں۔ میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ میری وجہ سے آپ دونوں کی زندگی میں کوئی پرابلمز نہیں آئیں گی۔'' اس نے ایک بار پھر اسے یقین دہانی کروائی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر میں فون بند کر رہا ہوں۔ کل یا پرسوں میں تمہیں پیسے بھی بھیج دوں گا۔ خدا حافظ۔'' اس کا جواب سنے بغیر اس نے فون بند کر دیا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں آئی تو زرینہ آنٹی اور انکل وہاں بیٹھے نظر آئے۔ وہ دونوں سفیر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اس کی اتنی طویل گمشدگی ان دونوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔

''آؤ بیٹا!'' انکل اسے دیکھ کر شفقت بھرے انداز میں مسکرائے۔ وہ ان دونوں کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

''سفیر کا فون آیا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے۔'' اس اطلاع پر ان دونوں کو چونکنا لازمی تھا۔

''کہاں غائب تھے حضرت اتنے دنوں سے، تم نے پوچھا نہیں؟'' انکل اس کی خبر ملنے پر قدرے مطمئن ہوتے ہوئے بولے۔ آنٹی، بیٹے کی خیریت پوچھنے کے بجائے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

سفیر اور صبا کی شادی شدہ زندگی کے اس گیارہ ماہ کی مختصر مدت میں یہ دوسرا موقع تھا جب انہیں صبا سے ساسوں والی روایتی جیلسی ہوئی تھی۔ بیٹے نے اتنے دنوں کی غیر حاضری کے بعد انہیں فون کرنے اور اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے بجائے۔ اپنی بیوی کو فون کرنا پسند کیا تھا۔

''وہ ٹورنٹو میں نہیں تھے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''یہ کہے سنے بغیر غائب ہونے کی اچھی عادت ہے۔ تم نے اسے کچھ کہا بھی کہ خاموش رہیں؟'' وہ بیٹے سے خفا نظر آئے۔

''انہوں نے سمیعہ سے شادی کر لی ہے۔ وہ دونوں گھومنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔'' اس نے اسی پرسکون لہجے میں انہیں یہ خبر سنائی۔

''کون سمیعہ؟ آنٹی نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ جب کہ انکل ایک دم صوفے پر سے اٹھ گئے۔ تقریباً چلاتے ہوئے انہوں نے ''کون

سمیعہ'' کہا تھا۔

''سمیعہ! مارگریٹ، وہ مسلمان ہوگئی ہے۔اب اس کا نام سمیعہ ہے۔''

وہ چند لمحوں پہلے اس لڑکی سے حسد کر رہی تھیں اور اب وہ خود میں اس سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں پا رہی تھیں۔ انکل کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بہت نڈھال سے انداز میں وہ صوفے پر گر گئے۔ آنٹی کی طرح انہوں نے بھی اس سے نظریں نہیں ملائی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بالکل چپ بیٹھے تھے۔

وہ آنٹی کی صدمے اور غم سے نڈھال حالت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً ہی ان کے لیے پانی لے آئی تھی۔

''آنٹی پانی پی لیں۔'' اس نے گلاس ان کے لبوں سے لگایا۔

''آپ حوصلہ کریں آنٹی! یہ شادی سفیر کو لازمی کرنا تھی۔ جو چیز ہونا طے تھی اس کے ہوجانے پر افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''سفیر نے اچھا نہیں کیا۔ بالکل اچھا نہیں کیا۔ صبا! ہمیں معاف کردو۔ ہم نے تمہارے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر ڈالی ہے۔'' وہ اسے اپنے گلے سے لگا کر رونے لگیں۔

''سب ان کی وجہ سے ہوا ہے، ان کی ضد اور غصے کی وجہ سے۔ یہ اولاد کو اپنی رعایا سمجھتے ہیں۔ مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں ان کا ساتھ دوں۔ یہ نہیں سوچا کہ وہ بیٹا بھی تو آخر ان ہی کا ہے۔ کیا اس میں ان جیسی ضد اور غصہ نہیں ہوگا۔ ان کی ضد اور غلط فیصلے نے ہم سب کو تو نقصان پہنچایا ہی ہے مگر سب سے زیادہ تمہارا نقصان ہوا ہے۔ تمہارے ماں باپ کو کیا منہ دکھاؤں گی میں صبا! بڑے دعوے کرکے لائی تھی تمہیں ان کے پاس سے، بہت وعدے کیے تھے۔ یہ تھا وہ سکھ۔'' انہوں نے اسے خود سے دور ہٹاتے ہوئے اب انکل پر نظریں جما دی تھیں۔

☆☆☆

ویک اینڈ پر وہ ہمیشہ کی طرح اپنے میکے جانے لگی تو آنٹی اسے چھوڑنے پورچ تک آئیں۔ وہ اس سے کچھ کہہ تو نہیں رہی تھیں، لیکن ان کی آنکھوں میں التجا تھی۔

''اپنے ماں باپ کو کچھ مت بتانا۔'' حالانکہ وہ یہ بات بھی جانتی تھیں کہ صبا سب کچھ بہت پہلے سے جانتی ہے، اگر اسے کسی کو کچھ بتانا ہوتا تو وہ کب کا بتا بھی چکی ہوتی۔ بلکہ یہ گھر چھوڑ کر جا بھی چکی ہوتی۔ یہ سب جاننے کے باوجود بھی وہ ڈر رہی تھیں۔ صبا کے سامنے تو شرمندہ ہو چکی تھیں مگر اس کے گھر والوں کے سامنے بے عزتی کا حوصلہ ان میں نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ گھر آئی تو وہاں ہمیشہ کی طرح اس کا پرجوش طریقے سے استقبال کیا گیا۔ وہ ہمیشہ شام کو آجایا کرتی اور پھر اگلے روز چھٹی کا پورا دن ان لوگوں کے ساتھ گزار کر رات کو واپس جایا کرتی۔ بابا اور ڈیڈی آفس سے آچکے تھے، جب کہ ارتضیٰ ابھی نہیں آیا تھا۔

''اسلام آباد گیا ہے ارتضیٰ! رات تک واپس آجائے گا۔'' اس کے استفسار پر ڈیڈی نے بتایا تھا۔ وہ ہوتا تو اکثر صبا اور معاذ کو لے کر کہیں

گھمانے یا آئس کریم کھلانے ہی لے جایا کرتا تھا۔

رات کے کھانے سے کچھ پہلے ارتضٰی بھی آ گیا تھا۔ حسب عادت اسے دیکھ کر اس نے خوشی کا اظہار کیا تھا جو یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ بڑی شدت سے اس کی آمد کی منتظر تھا۔

''کیا پروگرام ہے سفیر کی واپسی کا۔ اگلے مہینے ایک سال ہو جائے گا، اسے گئے ہوئے۔'' کھانا کھاتے ہوئے بابا نے اس سے پوچھا۔ ان کا لہجہ عام سا تھا۔

''ابھی کچھ پتا نہیں ہے، شاید تین چار مہینے لگ جائیں۔''

اس کی بہت عرصے سے سفیر سے اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی۔

سفیر سے اس کی آخری بات تب ہی ہوئی تھی جب اس نے اسے اپنی شادی کے بارے میں بتایا تھا۔

بابا کو کچھ نہ کچھ تو جواب دینا تھا۔ سو اس نے تین چار مہینے کہہ کر بات کو فی الحال ٹالنے کی کوشش کی۔ مگر دل ہی دل میں اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب جب بھی سفیر سے بات ہوئی تو وہ اس سے اس بارے میں پوچھے گی۔ وہ اپنے آنے کا بتا دے پھر ہی وہ یہاں گھر والوں کو اس کی شادی کے بارے میں بتانے کی ہمت کرے گی۔ ابھی تک تو اس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو یہ بات کس طرح اور کس انداز سے بتائے کہ انہیں زیادہ دکھ نہ ہو اور وہ اس بات کو قبول کر لیں۔

اسے سفیر کے فون کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چار دن بعد ہی اس کا فون آ گیا تھا وہ آنٹی سے بات کرنا چاہتا تھا، مگر وہ اس سے سخت ناراض تھیں سو انہوں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ فون چونکہ اس نے ریسیو کیا تھا۔ اس لیے سفیر تک آنٹی کا انکار بھی اسے ہی پہنچانا تھا۔

''آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ لیٹی ہوئی ہیں۔ آپ بعد میں فون کر لیجئے گا۔'' اس نے براہ راست یہ کہنے کے بجائے کہ وہ اس سے ناراض ہیں اور بات نہیں کرنا چاہتیں، گول مول جواب دیا تھا۔ تب بھی وہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔

''تم سناؤ کیسی ہو؟'' اس بارے میں مزید کوئی بات کہے بغیر اس نے معمول کے انداز میں اس کی خیریت پوچھی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ اور سمیعہ کیسے ہیں؟''

اس نے بھی جواباً خیریت پوچھی تھی۔

''ہاں، ہم دونوں بھی بالکل خیریت سے ہیں۔'' وہ شاید اب فون بند کرنا چاہ رہا تھا، اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس نے جلدی سے یہ سوچ کر کہ پھر وہ پتا نہیں کب فون کرے، جلدی سے پوچھا۔

''آپ دونوں نے کراچی آنے کے بارے میں کیا سوچا؟''

''فی الحال کافی طویل عرصہ تک ہمارا کراچی آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بہت صاف اور دوٹوک انداز میں انکار کیا تھا۔ وہ اس کا اتنا واضح انکار سن کر سن رہ گئی تھی۔ وہ اس سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ ضرور واپس آئے گا اور اس نے اسے ایک مرتبہ یہ بھی بتایا تھا

کہ وہ وعدے سے پھرنے والا انسان نہیں ہے۔

''لیکن آپ نے تو کہا تھا؟'' بہت ہی مردہ لہجے میں اس نے بولنے کی کوشش کی، مگر سفیر نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی تھی۔

''ہاں مجھے یاد ہے کہ میں نے کہا تھا۔ اس وقت میرا ارادہ بھی تھا آنے کا۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ مگر سمیعہ پاکستان آنے کے لیے تیار نہیں۔ میں نے اس سے محبت کی ہے، میں اس کا دل دکھانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر کبھی وہ خوشی سے راضی ہوگئی تو ہم لوگ پاکستان آجائیں گے۔ ورنہ جہاں وہ رہنا چاہے، میں وہیں اس کے ساتھ رہوں گا۔'' اس کا لہجہ بہت مستحکم اور دوٹوک تھا۔

اپنے وعدے سے مکر جانے پر قطعاً کوئی تاسف اس کے لہجے میں نہ تھا۔ اپنی بات مکمل ہوتے ہی اس نے بغیر خدا حافظ کہے فون بند کردیا۔

وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

اس نے بابا کے استفسار پر سفیر کی واپسی تین چار مہینے بعد کی بتائی تھی۔ جب کہ یہاں تو سات مہینے گزر چکے تھے۔ یعنی اس کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوگیا تھا۔ اس کے ہر چکر پر بابا، ڈیڈی یا مما سے کوئی نہ کوئی سفیر کے بارے میں ضرور پوچھتا تھا۔ اور وہ جواب میں......

''وہ وہاں کسی کام میں پھنس گئے ہیں۔ ابھی کچھ دن اور انہیں وہیں رہنا پڑے گا۔'' کہتی، اس روز وہ وہاں گئی تو بابا بہت غصے میں تھے۔

''یہ سفیر آخر چاہتا کیا ہے؟ اگر اس کا فوری طور پر واپسی کا پروگرام نہیں ہے تو تمہیں اپنے پاس بلائے۔ اتنا گیا گزرا نہیں ہے کہ وہ بیوی کو اپنے پاس بلانا اور ساتھ رکھنا افورڈ نہ کرسکے۔'' لاؤنج میں اس وقت سب ہی موجود تھے۔

ان سب کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ چاروں اس بات کو آپس میں بہت زیادہ ڈسکس کرچکے ہیں۔

''بابا! انہیں واپس تو آنا ہے، پھر مجھے بلا کر کیا کریں گے۔ کل رات ہی تو میری ان سے فون پر بات ہوئی ہے۔ وہ خود واپس آنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔ بس کچھ کاموں میں اس طرح پھنس گئے ہیں کہ آ نہیں پا رہے۔'' اس نے بابا کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

''واپس آنے کا ارادہ ہے مگر کب آئے گا، یہ پتا نہیں۔ بہت خوب، ایسے تو ظفر کا بھی ارادہ ہے کہ چند سال امریکہ میں گزار کر واپس پاکستان آجائے گا پھر تو ہمیں عاصمہ کو بھی یہیں روکے رکھنا چاہیے تھا، کیا ضرورت تھی اسے ظفر کے پاس بھیجنے کی۔ کبھی نہ کبھی وہ واپس آ ہی جاتا۔'' بابا بہت غصے میں تھے۔

''شادی کا ابتدائی دور میاں بیوی کے درمیان انڈراسٹینڈنگ کے لئے سب سے اہم دور ہوتا ہے۔ اس دور میں وہ دو الگ الگ افراد ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور تم دونوں یہ اہم ترین وقت الگ الگ رہ کر گزار رہے ہو۔ اگر تمہیں شوہر سے دور ساس سسر کے پاس ہی رہنا تھا، تو پھر تم شادی سے پہلے کیا بری تھیں۔ ہم لوگوں سے دور کیا تم اپنے ساس سسر کے ساتھ رہنے کے لیے گئی تھیں۔'' بابا کبھی کبھار ہی اس طرح غصے میں آتے تھے۔

''غضنفر بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں صبا! شادی کے وقت یہی بات طے ہوئی تھی کہ سفیر جلد ہی پاکستان واپس آجائے گا۔ میں تمہیں خود سے

دور نہیں بھیجنا چاہتی تھی لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم ابنارمل زندگی گزارو۔ اگر سفیر ابھی کچھ عرصہ وہیں رہنا چاہتا ہے تو اس سے کہو تمہیں اپنے پاس بلائے۔'' مما، بابا کی طرح غصے میں تو نہیں تھیں، لیکن ان کا انداز بھی بہت فیصلہ کن تھا۔

''اس سے کیا بات ہوگی۔ میں خود بات کرتا ہوں سفیر اور فیروز سے۔'' بابا نے اس کی سمت ناراضی سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''پلیز بابا! آپ ان لوگوں سے کچھ مت کہیے گا۔ وہ سمجھیں گے میں نے گھر جا کر کوئی شکایت کی ہے۔ میں اپنے گھر میں بدمزگی اور تناؤ پیدا نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

''وہ جو مرضی چاہے سمجھ لیں۔ مجھے کسی کے سمجھنے کی پروا نہیں۔'' بابا خفگی سے بولے۔

''اچھا آپ ناراض تو مت ہوں، چلیں میں خود بات کرلوں گی۔ پرامس، میں سفیر سے کہوں گی کہ وہ مجھے اپنے پاس ٹورنٹو بلالیں۔ بابا مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ہر ہفتہ ان کے گھر جاتی ہوں نا، انہیں اچھا نہیں لگتا میرا اتنی جلدی جلدی آنا۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

ارتضٰی بزنس کے کسی کام سے امریکہ جارہا تھا۔ صبا نے یہ سن کر کہ وہ نیویارک کے علاوہ ظفر سے ملنے Dallas بھی جائے گا، بھابی اور بھتیجی جو ہیں پیدا ہوئی تھی کے لیے اس کے ہاتھ تحفے بھجوائے تھے۔

☆☆☆

ظفر غصے کے عالم میں اپنی مٹھیاں بھینچے کمرے میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ ارتضٰی سامنے صوفے پر بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

ظفر کے چہرے پر اگر غصہ تھا تو ارتضٰی کے چہرے پر دکھ اور پریشانی، وہ دونوں آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ کمرے میں سوائے گھڑی کی ٹک ٹک کے دوسری کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اچانک اقصیٰ کے رونے کی آواز نے اس سکوت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی تھی۔

''عاصمہ! اسے چپ کراؤ۔'' ظفر دھاڑا۔

''ظفر! آرام سے، اس طرح غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' وہ اسے ٹوکنے پر مجبور ہوا تھا۔

''ارتضٰی مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کیا صبا اس طرح کی بے وقوفی بھی کرسکتی ہے؟ کیا وہ اتنی بڑی بات ہم لوگوں سے چھپا سکتی ہے۔'' وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بڑی بے بسی سے بولا۔ اس کی آواز میں غصے کی جگہ رنج اور کرب نے لے لی تھی۔ وہ جیسے ابھی تک کسی شاک کی کیفیت میں مبتلا تھا اور شاک کی حالت میں تو ابھی تک ارتضٰی بھی تھا۔ جو کچھ کل وہ اور ظفر، سفیر کے گھر پر دیکھ کر اور سن کر آئے تھے۔ اس نے ارتضٰی کو ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ ابھی تک سکتے کی حالت میں تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ وہ امریکہ بزنس کے کام سے آیا تھا۔ مگر پاکستان سے ہی وہ یہ بات طے کر کے آیا تھا کہ وہ اور ظفر، سفیر سے ملنے کینیڈا جائیں گے۔ اس کی چھٹی حس کسی گڑبڑ کی نشان دہی کر رہی تھی۔ اس گڑبڑ کا احساس صرف اس کو نہیں تھا بابا اور ڈیڈی کو بھی تھا۔ مما کے لبوں پر بھی ہر وقت یہی جملہ رہتا تھا کہ ''مجھے صبا خوش نہیں لگتی۔''

''صبا کی زندگی میں کچھ نہ کچھ پرابلم ضرور ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے، وہ ہم لوگوں سے کچھ چھپاتی ہے۔'' اس نے ظفر سے کہا تھا۔ پھر وہ

دونوں مل کر سفیر سے ملنے کینیڈا آ گئے تھے۔اسے پہلے سے مطلع کیے بغیر وہ دونوں اچانک اس کے اپارٹمنٹ پہنچے تھے۔

بیل بجانے پر اس فلیٹ کا دروازہ ایک لڑکی نے کھولا تھا۔ارتضیٰ کے بدترین خدشات درست ثابت ہو گئے تھے۔زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے اندازوں کے صحیح نکلنے پر خوش ہونے کے بجائے اس کا دھاڑیں مار مار کر رونے کو دل چاہا تھا۔ظفر کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

ارتضیٰ ہی نے اس لڑکی سے سفیر کے بارے میں پوچھا۔وہ دونوں کو لے کر اندر آ گئی تھی۔اندر آتے ہی انہیں سفیر بھی نظر آ گیا۔وہ ایک کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔اس کی گود میں ایک بالکل چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔وہ اس بچے کو پیار کر رہا تھا۔بچے کو پیار کرتے کرتے ہی اس کی ان دونوں پر نگاہ پڑی۔اس کے چہرے کا رنگ بالکل فق ہو گیا تھا۔

''کیسے ہو سفیر؟''ارتضیٰ نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے طنزیہ انداز میں اس کی خیریت پوچھی۔

''یہ غالباً تمہارا بیٹا ہے۔''اس نے اس چھوٹے سے بچے پر ایک نگاہ ڈالی۔سفیر نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے اس لڑکی کو انگریزی میں مخاطب کیا۔

''سمیعہ!یہ میرے کزنز ہیں۔پاکستان سے مجھ سے ملنے آئے ہیں۔''وہ لڑکی مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے خیریت پوچھنے لگی۔ارتضیٰ کو اندازہ ہوا کہ اس لڑکی کو اردو نہیں آتی۔

دوسرا والا اندازہ ارتضیٰ کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا کہ وہ ارتضیٰ اور ظفر کے سامنے اپنی اصلیت ظاہر ہونے پر شرمندہ نہیں تھا،بلکہ وہ اس لڑکی کے سامنے کسی بات کے ظاہر ہو جانے کے خوف سے پریشان تھا۔وہ اس سے اپنے کزنز کے لیے شاندار سے کھانے کا انتظام کرنے کا کہہ کر ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ظفر اب مزید اپنا غصہ کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔

''یہ سب کیا ہے سفیر؟''اس کی بات کا جواب دینے سے پہلے سفیر نے اٹھ کر ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کیا تھا۔وہ اردو نہیں سمجھتی تھی لیکن وہ پیار بھری آوازوں اور غصے بھری چیخ و پکار میں تمیز تو کر سکتی تھی۔ارتضیٰ ایک دم ہی ہارا سا گیا تھا۔کتنا تکلیف دہ تھا یہ انکشاف کہ اس شخص کی زندگی میں صبا کی کوئی اہمیت نہیں۔

ظفر غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔وہ غصے میں سفیر کو پتا نہیں کیا کیا کہہ رہا تھا اور ارتضیٰ اس قدر ٹوٹی پھوٹی حالت میں بیٹھا تھا کہ اس میں ظفر کو چپ کرانے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔

سفیر جواباً بڑے عجیب عجیب انکشافات کر رہا تھا۔

وہ سفیر سے کس بات پر لڑتا اور کس برتے پر۔صبا نے اسے اس قابل بھی نہیں چھوڑا تھا کہ وہ سفیر کا گریبان پکڑ کر اس سے صبا کی زندگی کی بربادی کا حساب مانگتا۔وہ لڑکی کس کمال سے ان سب کو بے وقوف بناتی رہی تھی۔ارتضیٰ کو اس کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔اُس کے جھوٹ،سفیر کے ساتھ خوش ہونے کے جھوٹے قصے،سفیر اس کی کتنی پروا کرتا ہے باتوں باتوں میں یہ جتانا۔

جب تک سفیر وہاں رہا۔وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتی رہی۔جو انہیں یہ یقین دلا سکیں کہ صبا اور اس کے شوہر میں مثالی محبت ہے۔

ظفر کے برا بھلا کہنے پر سفیر بھی کچھ مشتعل ہوگیا تھا۔ اس نے بہت تلخ لہجے میں کہا تھا کہ وہ اس کی بہن کو طلاق دینے کے لیے تیار ہے۔ اس کے لیے تو خود یہ رشتہ ایک بوجھ ہے۔

وہ یہ بتا رہا تھا کہ اس نے تو صبا کے ساتھ کیا وعدہ نبھانے کے لیے اپنی انگریز بیوی سے جھوٹ بولا، اس سے یہ کہا کہ میں نے اپنی پاکستانی بیوی کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ بجائے شرمندہ ہونے کے ان لوگوں پر احسان جتا رہا تھا۔

صبا کے لیے اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ زبردستی اس کے گلے پڑی تھی۔ ارتضیٰ کے بس میں ہوتا تو وہ اس کے ساتھ نجانے کیا کر ڈالتا۔ صبا کے لیے یہ لہجہ اور یہ انداز اس کی برداشت سے باہر تھے۔ مگر صبا نے ذلت بھری اس زندگی کا انتخاب خود کیا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

آتے وقت ظفر سفیر سے کہہ آیا تھا کہ وہ فوراً صبا کو طلاق دے دے۔ پھر وہ دونوں واپس Dallas آگئے تھے۔ ظفر کی غم و غصے سے بری حالت تھی اور ارتضیٰ بالکل خاموش تھا۔

☆☆☆

وہ اسکول سے واپس آئی تو گاڑی سے اترتے ہی اس کی پورچ میں کھڑے ارتضیٰ پر نظر پڑی۔

''ارے ارتضیٰ بھائی آپ......! السلام علیکم۔'' وہ تیزی سے اس کی طرف آئی۔

''کب آئے آپ واپس؟'' اس نے بڑی سنجیدگی سے اس کے سلام کا جواب دیا تو اس نے جھٹ اگلا سوال کر ڈالا۔

''رات ہی آیا ہوں۔'' اس کا لہجہ اس بار بھی سنجیدہ ہی تھا۔

''آپ یہاں پر یہاں کھڑے ہیں۔ اندر چلیں نا۔''

''مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔'' ارتضیٰ نے سرد انداز میں اسے حکم دیا۔

''آپ اندر تو چلیں ارتضیٰ بھائی! آنٹی بھی ابھی اسکول سے واپس نہیں آئی ہیں۔ وہ آجائیں، آپ ان سے مل لیں پھر چلیں گے۔'' ارتضیٰ نے آنکھوں پر سن گلاسز لگا رکھے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں میں موجود تاثرات کو نہیں پڑھ سکتی تھی، لیکن اس کا سخت لب و لہجہ وہ پہچان رہی تھی اور اس پر حیران بھی تھی۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں نا کہ مجھے تم سے کام ہے۔ تم فوراً گاڑی میں بیٹھو'' وہ اپنی گاڑی کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس سے یہ بات کہتے ہوئے اس نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔

''لیکن ارتضیٰ بھائی! میں آنٹی سے کہے بغیر جاؤں گی تو وہ کیا سوچیں گی۔ وہ آنے والی ہوں گی۔ آپ تھوڑی دیر ٹھہر جائیں۔'' وہ اس کا پراسرار انداز سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ ارتضیٰ سے خوف آرہا تھا۔

''تم گاڑی میں خود بیٹھوگی یا میں تمہیں ہاتھ پکڑ کر بٹھاؤں؟'' اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ وہ ہار ماننے والے انداز میں اس کی گاڑی کے پاس آگئی۔

''آنٹی سے کہہ دینا میں ارتضیٰ بھائی کے ساتھ کسی ضروری کام سے جا رہی ہوں۔'' اس نے ملازم سے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی ارتضیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ وہ گاڑی بڑی مناسب رفتار سے چلا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ارتضیٰ نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے پاس لا کر روک دی۔ وہ اس سے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی سے اترا اور ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے کی طرف قدم بڑھائے تو وہ بھی گاڑی سے اتر کر اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ میں داخل ہوگئی۔ وہ ایک میز کے سامنے رکھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ صبا بھی خاموشی سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے ارتضیٰ بھائی!'' وہ اندر آکر سن گلاسز اتار چکا تھا اور اب وہ اس کی آنکھوں میں غصہ، ناراضی اور برہمی بہت واضح طور پر دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ ویٹر نے مینیو کارڈ لا کر ان کے پاس رکھ دیا تو ارتضیٰ کھانے کا آرڈر یوں کرنے لگا جیسے اسے یہاں پر کھانا کھلانے ہی لایا تھا۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''سفیر کا بیٹا بہت پیارا ہے۔ بالکل انگریز لگتا ہے۔ پورا کا پورا اپنی ماں پر گیا ہے۔'' بہت پرسکون اور ہموار لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھا۔ اور صبا کا یہ حال تھا جیسے کسی نے اس کے جسم کا سارا خون ہی نچوڑ لیا تھا۔ ارتضیٰ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے یک دم ہی اپنی نگاہیں جھکا لی تھی۔ اس نے میز پر رکھے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بولے۔

''اس مہینے کی نو تاریخ کو پیدا ہوا ہے اس کا بیٹا۔ جب ہم لوگ اس سے ملے تو وہ پورے پانچ دن کا ہوگیا تھا۔ ہمارے جانے سے ایک دن پہلے ہی اس کی بیوی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر واپس آئی تھی۔ اور اتنی باتیں تھیں کرنے کے لیے کہ میں اور ظفر اس کا نام پوچھنا بھی بھول گئے۔ خیر تمہیں تو معلوم ہوگا ہی کہ سفیر نے اپنے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے؟'' اس کا سوالیہ انداز بہت دوستانہ قسم کا تھا۔ ویٹر نے کھانا سرو کرنا شروع کر دیا تھا۔

''شروع کرو، بڑی زبردست بھوک لگ رہی ہے۔'' کھانا سرو ہو چکا تو وہ اس کے آگے ڈشز رکھتے ہوئے بولا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ اس کا سر یوں جھکا ہوا تھا جیسے ایک اناڑی چور اپنی پہلی ہی چوری پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ ارتضیٰ نے خود ہی اس کی پلیٹ میں چاول اور سلاد ڈال دیے تھے۔

''ایسا نہیں لگتا تھا صبا! کہ شاید کینیڈا اتنا دور ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی وہاں پہنچ ہی نہیں سکتا۔'' وہ اپنی پلیٹ میں چکن کا پیس ڈالتے ہوئے مسکرایا۔

''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے بھئی، مراقبے سے باہر آجاؤ۔'' اس نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ اور پھر خود کھانے لگا۔ وہ بہت بے فکری اور مزے سے کھانا کھا رہا تھا۔

''کیا کل سفیر کے ساتھ چیٹنگ کے دوران اس کی پیار بھری باتیں سن سن کر ہی تمہارا پیٹ بھر گیا تھا، جواب کھانے کی طرف دیکھ ہی نہیں رہیں۔'' وہ بڑے شرارتی سے انداز میں مسکرایا۔

''بڑی مشکل ہوتی ہوگی اسے اپنی بیوی سے چوری چھپے تم سے چیٹنگ کرتے ہوئے، تمہیں E-mails بھیجتے ہوئے، فون کرتے

ہوئے۔ وہ اپنی بیوی سے یہ جو کہہ چکا ہے کہ اس نے پاکستانی لڑکی کو طلاق دے دی ہے۔ اب اس سے چھپ کر تم سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈتا ہوگا۔ واقعی تم ٹھیک کہتی ہو صبا! سفیر تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ کتنا خیال ہے اسے تمہارا، اپنی بیوی کے خوف کے باوجود بھی وہ روزانہ تم سے رابطہ کرتا ہے۔'' وہ اپنی پلیٹ میں سلاد ڈالنے لگا۔

ارتضٰی نے بڑی فرصت سے کھانا ختم کیا تھا۔

بل پے کر کے وہ اٹھا تو وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی، وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو ارتضٰی نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''بابا کو میں نے رات ہی سفیر کے بیٹے کی خوش خبری سنا دی تھی۔ وہ بھی بڑے خوش ہوئے تھے۔ اتنے خوش کہ مارے خوشی کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بڑی مشکلوں سے میں نے ان کے وہ خوشی کے آنسو خشک کیے تھے۔ ابھی ڈیڈی اور مما کو نہیں بتایا۔ انہیں تو میرا خیال ہے بابا سے بھی زیادہ خوشی ہوگی۔ ڈر رہا ہوں کہ کہیں وہ خوشی سے پاگل ہی نہ ہو جائیں۔'' وہ گھر کی طرف جانے والے راستے پر رواں دواں بڑے ہلکے پھلکے انداز میں بول رہا تھا۔

اس کے پورے جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

''میں گھر نہیں جاؤں گی ارتضٰی بھائی! پلیز مجھے مت لے جائیں۔'' اسٹیئرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر اس نے اپنا ٹھنڈا یخ ہاتھ رکھ کر چلاتے ہوئے کہا۔ وہ مما، ڈیڈی، بابا کسی کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھ پر رکھا اس کا ہاتھ بڑے غصے سے جھٹک کر دور ہٹا دیا تھا۔

''کیوں نہیں جاؤ گی تم گھر؟ اپنی آنکھوں سے دیکھنا سارا تماشا۔ بہت مزہ آئے گا تمہیں۔'' وہ سرد آواز میں بولا۔ ارتضٰی نے گاڑی گھر کے پورچ میں لا کر روکی، بہت تیزی سے وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پھر اس کی طرف آ کر اسے ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے اتارا اور گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا تھا۔ ان کے اندر قدم رکھتے ہی صبا کا موبائل بجا تھا۔ ارتضٰی نے اسے کا بیگ چھیننے والے انداز میں اس کے ہاتھ سے لیا اور پھر اس میں سے موبائل نکال کر اسے آف کر دیا۔ لاؤنج خالی پڑا تھا۔ شاید مما کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں اور معاذ بھی سو رہا تھا۔

اس کے بیٹھنے کے چند سیکنڈز بعد ہی لاؤنج میں رکھے فون کی گھنٹی بجی تھی۔

''جی، صبا میرے ساتھ آئی ہے۔'' ارتضٰی کال ریسیو کر رہا تھا۔

''مجھے پتا تھا آپ کی کال ہے، اسی لیے میں نے موبائل آف کر دیا تھا۔'' اس کا انداز گستاخانہ تھا۔

''وہ یہیں پر ہے مگر آپ سے بات نہیں کرے گی۔ بہتر ہوگا اگر آپ کچھ دنوں تک یہاں رابطہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم آپس میں گفتگو کر لیں پھر آپ سے بات ہوگی۔'' بہت درشتی سے انہیں جواب دیتے ہوئے اس نے ریسیور پٹخ دیا۔

وہ صوفے پر گر سی گئی۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

''کیا لگتا تھا تمہیں، یہ ڈرامہ کب تک چلا سکتی تھیں تم؟ کیا ہم لوگ تمہیں احمق اور پاگل نظر آتے تھے، یا اتنے لاچار کہ کینیڈا نہیں جا سکتے

ہوں۔" طنزیہ انداز ترک کر کے اب وہ براہ راست غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے۔ سانس لینے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ ارتضٰی ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے اٹھا۔ اس نے اے سی آن کیا، پھر ریشماں کو آواز دے کر بلایا۔

"ایک گلاس جوس لے کر آؤ فوراً۔" اسے آنکھیں بند کیے ارتضٰی کی تشویش میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ پھر اسے جلدی ہی ریشماں کی آواز آئی۔ وہ جوس کا گلاس ارتضٰی کو دے رہی تھی۔

"جوس پیو۔" وہ اس کے برابر میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس کی آواز سن رہی تھی اس کے لہجے میں ابھی بھی غصہ اور ناراضی تھی، مگر اس غصے کے بہت پیچھے چھپی ہوئی تشویش بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس نے گلاس اس کے منہ سے لگا دیا تھا وہ زبردستی اس کے منہ میں جوس انڈیل رہا تھا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ جوس پینے لگی تھی۔ اس طرح آنکھیں بند کیے ہوئے وہ پورا گلاس خالی کر چکی تو وہاں سے اٹھ گیا۔

"اگر اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تو یہیں لیٹ جاؤ۔ چاہو تو کچھ دیر سو جاؤ۔ خود کو تیار کر لو آنے والے وقت کے لیے۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو تمہیں ہر حال میں فیس کرنا ہی ہے۔" وہ بے رحمی سے اسے مشورہ دیتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا تھا۔

وہ مما، اور ارتضٰی کے ساتھ بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھی۔ جب بابا اور ڈیڈی گھر آئے۔ ڈیڈی کی طرف ایک نظر ڈالتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ بابا انہیں سب کچھ بتا چکے ہیں۔ اس نے ڈیڈی کی آنکھوں میں اس سے پہلے ایسا کرب اور ایسی تھکن کب دیکھی تھی؟ ثمن کی موت پر، ہاں ثمن کی موت پر اس نے ڈیڈی کو اتنا ہی نڈھال اور ٹوٹا ہوا دیکھا تھا۔ وہ خشک اور بنجر آنکھیں لیے ڈیڈی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مما، ڈیڈی کی طرف تشویش سے دیکھ رہی تھیں۔

"آفس میں ذرا طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے تھوڑی دیر ریسٹ کرے گا تو طبیعت سنبھل جائے گی۔" ڈیڈی کی جگہ بابا نے مما کو جواب دیا تھا۔

ڈیڈی نے بھی زبردستی مسکرا کر اپنی طبیعت کے بارے میں ان کی فکرمندی دور کی اور پھر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ مما بھی ان کے پیچھے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"کیسی ہو صبا؟" بابا اسے پہلے ہی دیکھ چکے تھے مگر مخاطب اب کیا تھا۔ ان کا لہجہ ارتضٰی کی طرح طنزیہ اور غصے سے بھرا ہوا نہیں تھا۔ اس میں ویسی ہی محبت تھی جیسی ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

"ٹھیک ہوں بابا!" اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ ارتضٰی چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ڈیڈی رات کے کھانے تک اپنے کمرے ہی میں رہے تھے۔ مما انہیں سوتا دیکھ کر تھوڑی دیر بعد واپس اس کے پاس آ گئی تھیں۔ بابا بھی وہیں آ کر بیٹھ گئے۔ وہ بڑے نارمل انداز میں مما اور صبا سے باتیں کر رہے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ لوگ ہمیشہ آپس میں کیا کرتے تھے وہ چپ بیٹھی تھی مگر بابا زبردستی اسے مخاطب کر کے بولنے پر مجبور کر رہے تھے۔ معاذ ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لیے اپنی سپورٹس کار اڑاتا پھر رہا تھا، ارتضٰی کے کوئی مہمان آئے ہوئے تھے، وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ کھانے سے کچھ پہلے اس کے مہمان واپس گئے تھے۔ وہ سب

ڈائننگ ٹیبل پر اسی کا انتظار کر رہی تھی وہ فون کی بیل بجنے پر فون سننے رک گیا۔

''نہیں، آپ آج زحمت مت کیجیے۔ کسی اور دن تشریف لائیے گا۔ آج ہم لوگ بہت مصروف ہیں۔'' اس کا لہجہ بہت مہذبانہ ہونے کے باوجود گستاخی کا عنصر لیے ہوئے تھا۔ ڈرائنگ روم میں وہ سب اس کی آواز سن رہے تھے۔ سوائے مما کے وہ سب جانتے تھے کہ وہ اس وقت کس سے بات کر رہا ہے۔ مما، معاذ کی پلیٹ میں کھانا ڈالنے میں مصروف تھیں۔

کھانے کے بعد ان سب نے ساتھ بیٹھ کر چائے پی۔ معاذ کی گورنس اسے سلانے کے لیے کمرے میں لے گئی تو مما بھی ان لوگوں کو شب بخیر کہتی ان کے ساتھ چلی گئیں۔

ان کے جانے کے بعد لاؤنج میں وہ چاروں رہ گئے تھے۔ وہ تینوں بالکل خاموش تھے، ان سب کو مما کے سو جانے کا انتظار تھا۔ کچھ دیر بعد جب ارتضٰی کو یقین ہوگیا کہ وہ سو گئی ہوں گی تو وہ اٹھا اور لاؤنج کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ وہ گم صم سے انداز میں اس کی ساری کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ بابا نے ٹی وی بند کر دیا۔ ڈیڈی نے اپنے ہاتھوں پر جمی نگاہیں اٹھا کر اتنی دیر میں پہلی مرتبہ صبا کی طرف دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ کرب تھا، اذیت تھی۔ وہ بہت بوڑھے اور کمزور لگ رہے تھے۔

''صبا! مجھے معاف کر دو، میں تمہارے لیے درست فیصلہ نہ کر سکا۔ ایک بہترین انسان تمہارے لیے منتخب نہ کر سکا۔ اپنی طرف سے میں نے اور تمہاری مما نے ایک بہترین رشتہ تمہارے لیے چنا تھا۔ ہماری سوچ غلط ثابت ہوگئی۔ خاندان کے لوگوں نے وہ دھوکا دیا کہ کیا کوئی غیر دے گا۔ اپنے ڈیڈی کو معاف کر دو بیٹا۔'' وہ آنکھوں میں درد و غم کا طوفان لیے بیٹی سے معافی مانگ رہے تھے۔ اس کی زندگی میں یہ دن بھی آنا تھا کہ ڈیڈی کو اس سے معافی مانگنا پڑی۔ وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔

''تمہارا اور ملیحہ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ شفیق! سب ماں باپ کی طرح تم دونوں بھی اپنی اولاد کی بہتری ہی چاہتے تھے۔ تم دونوں نے سوچ سمجھ کر ایک بہترین فیصلہ کیا تھا۔ اس رشتے میں ایسی کوئی خامی بظاہر نظر نہیں آ رہی تھی جو انکار کرنے کا سبب بنتی۔'' بابا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدبرانہ انداز میں انہیں سمجھایا۔

''ہم نہیں سمجھ سکے تھے، مگر یہ تو سب کچھ جان چکی تھی۔ اسے شادی کے اول روز سفیر نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ آپ اس سے پوچھیں یہ کیوں خاموش رہی۔ کیوں نہیں ان کا جھوٹ اور دھوکا ہمارے سامنے عیاں کیا۔ کیوں نہیں اسی روز گھر آ کر ہمیں بتایا کہ یہ بات ہے۔'' ارتضٰی نے الزام عائد کرنے والے انداز میں کہا۔

''محض اس لیے کہ ہمیں دکھ نہ ہو۔ واہ کیا خوب جواز ہے یہ۔ ایسی باتیں کتنے عرصے تک چھپ سکتی ہیں، کیا اسے معلوم نہیں تھا۔'' وہ سر جھکا کر خود پر لگنے والے الزامات سن رہی تھی۔

''ارتضٰی! صبا کو یوں مت کہو۔'' بابا نے اسے ٹوکا۔

''میں کیوں اسے کچھ نہ کہوں بابا! آخر کیوں؟ کیا اسے احساس ہے اس بات کا کہ اس نے ہم سب کے ساتھ کیا، کیا ہے۔ کیا سمجھتی ہے یہ

خود کو؟ کسی المیہ ناول کا مرکزی کردار۔ صبر اور ایثار کا پیکر، اسے بتائیں کہ حقیقی زندگی میں اس طرح کی ہیروئنز کو سروں پر بٹھانے کے بجائے پیروں تلے روند ڈالا جاتا ہے۔'' وہ بے حد غصے میں تھا۔

''وہ شخص کس طرح اس کا ذکر کر رہا تھا۔ جیسے یہ زبردستی اس کے سر پر مسلط ہے۔ اور صرف اس کی خواہش پر اس نے یہ رشتہ برقرار رکھا ہوا ہے، ورنہ کب کا ختم کر چکا ہوتا۔ کیا اس کے اندر عزت نفس اور خودداری بالکل ہی ختم ہو گئی ہے اسے سفیر کے ساتھ اتنا شرمناک معاہدہ کرتے ہوئے ذرا سی بھی بے عزتی محسوس نہیں ہوئی۔ ان لوگوں نے اگر ہمیں دھوکا دیا، ہم سے جھوٹ بولا تو اس نے بھی ان کی پوری پوری مدد کی ہے۔ یہ اگر اسی روز سب کچھ بتا دیتی تو پتا چلتا، انہیں کہ کسی کی بیٹی کی زندگی سے کھیل کر انہوں نے خود اپنی عزت کو داؤ پر لگایا ہے۔'' وہ مخاطب بابا سے تھا، مگر دیکھ اسی کو رہا تھا۔

بابا نے بے اختیار ارتضٰی کو ٹوکا ''جو ہونا تھا وہ ہو چکا ارتضٰی! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ صبا کو ہمارے علم میں ساری بات لانی چاہیے تھی۔ مگر اب تو یہ سب ہو چکا ہے ناں؟''

''صبا! تم نے یہ سب چھپا کر صرف خود پر ہی ظلم نہیں کیا، ہم سب پر بھی ظلم کیا ہے۔'' ڈیڈی نے اس کی طرف بہت دکھ سے دیکھا تھا۔ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس نے بابا کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

''اس نے ہم میں سے کسی کے بارے میں نہیں سوچا۔ کیا اس کی زندگی صرف اسی کی ہے کہ یہ اس کے ساتھ جو مرضی سلوک کرتی پھرے۔'' بابا سے کہتے ہوتے وہ اب براہ راست اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کسی شخص کی زندگی صرف اس کی زندگی نہیں ہوتی صبا شفیق! اس ایک زندگی کے ساتھ دوسری بہت سی زندگیاں بھی جڑی ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ تم اپنے لیے کوئی دکھوں سے بھرا ہوا راستہ چن لو اور ہم میں سے کسی کو کوئی فرق نہ پڑے۔ تم اپنے لیے ذلت بھری زندگی کا انتخاب کرو اور ہم سکون سے رہ لیں۔ کسی جگہ تمہاری تذلیل ہو تو وہ تذلیل صرف تمہاری نہیں ہوگی، ہماری بھی ہوگی۔ اور صبا اس روز زندگی میں پہلی مرتبہ میں کسی جگہ پر بے عزت ہوا تھا۔''

اس کی آواز میں دکھ بولنے لگے وہ ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا۔

ساری رات وہ، بابا اور ڈیڈی وہیں بیٹھے رہے تھے۔ فجر کی اذان سن کر ڈیڈی وہاں سے اٹھے، ان کے جانے کے بعد بابا بھی صوفے پر سے اٹھنے لگے تو اس نے ان کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چونک کر اس کی طرف پلٹے۔

''بابا! میں علیحدگی نہیں چاہتی، آپ لوگ پلیز میرا گھر بسا رہنے دیں۔'' وہ ان کا بازو جکڑے التجا کر رہی تھی۔ لاؤنج کے اندر قدم رکھتے ارتضٰی نے اس کی یہ بات سن لی تھی اور زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا دل چاہا کہ وہ صبا کے منہ پر کھینچ کر تھپڑ مارے۔ بابا واپس صوفے پر بیٹھ گئے۔

''بیٹا! ہر اچھی لڑکی اپنا گھر بسانا چاہتی ہے۔ کوئی لڑکی خوشی سے ایسا فیصلہ نہیں کرتی۔ نہ ہی ماں باپ خوشی سے ایسا چاہتے ہیں۔ مگر کوئی ایسی بات تو ہو جسے بنیاد بنا کر سمجھوتے کے بارے میں سوچا جا سکے۔

گھر، شوہر سے ہوتا ہے، تمہارا شوہر تمہارے پاس نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ جب گھر بسا ہی نہیں تو اس کے اجڑنے پر غم کیسا؟'' ارتضٰی

خاموشی سے لاؤنج سے واپس پلٹ گیا۔ وہ صبا کے رویے کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

اسے احساس ہوگیا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی بات ضروری ہے جو صبا کے اس رویے کا سبب ہے۔ کوئی بات، کوئی وجہ، وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اسے احساس ہوا تھا کہ صبا کے رویے کا یہ الجھاؤ ابھی سے نہیں ہے، کب سے؟ اس نے بہت سوچا، پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ثمن کے بعد سے ہی بہت بدل گئی ہے۔ بالکل کھوئی کھوئی، زندگی سے بیزار شروع شروع کی بات دوسری تھی، تب ثمن کا غم تازہ تھا، مگر آہستہ آہستہ وہ سب ہی زندگی کی طرف آگئے تھے لیکن صبا نہیں آئی تھی۔ ''کیوں......؟''

صبا کی زندگی میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو وہ ان سب سے چھپاتی تھی۔ وہ اس نتیجے تک تو پہنچ گیا تھا مگر وہ وجہ کیا تھی، اس سے وہ ہنوز لاعلم تھا۔

مما سے یہ بات کب تک چھپائی جاسکتی تھی۔ انہیں یہ بات پتا چلنی ہی تھی۔ بابا نے بڑے مناسب لفظوں میں انہیں اس بارے میں آگاہ کردیا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی تھیں۔

''میری بیٹیوں کو خوشیاں راس نہیں آتیں۔ پتا نہیں کس کی نظر لگی ہے ان کی خوشیوں کو۔ ایک کی زندگی میں خوشیاں تھیں تو ان کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ اور دوسری کی زندگی میں خوشیاں سرے سے کبھی تھیں ہی نہیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رہی تھیں۔ ڈیڈی انہیں سمجھانے لگے۔

☆☆☆

ظفر کا فون آیا تھا، بابا اسے صبا کی ضد کے بارے میں بتا رہے تھے۔ وہ مسلسل اسی ضد پر اڑی تھی کہ ''میں طلاق نہیں لوں گی۔ چاہے جو بھی ہو جائے، میں اس رشتے کو برقرار رکھوں گی۔'' ظفر نے فون پر اسے بلایا۔

''ظفر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔'' بابا نے اس کے کمرے میں آکر اسے اطلاع دی۔ وہ آج صبح سے اپنے کمرے میں بند تھی۔ وہ خاموشی سے فون سننے آگئی۔

''صبا! اب تم کچھ نہیں بولو گی۔ اب جو فیصلہ ہوگا وہ ہم لوگ کریں گے۔ بہت کھیل چکیں تم اپنی زندگی کے ساتھ۔'' اس کا انداز حکمیہ تھا۔

''اگر تم ہمارے فیصلے کے خلاف گئیں، اور تم نے اب کوئی تماشا کیا تو میں زندگی بھر نہ تمہیں اپنی شکل دکھاؤں گا اور نہ تمہارے طرف دیکھوں گا۔ میں بھول جاؤں گا کہ میری صبا نام کی کوئی بہن بھی تھی۔ تمہاری حماقتوں نے یہ دن دکھایا ہے، ورنہ میں اس الو کے پٹھے کا منہ توڑ دیتا۔'' وہ خاموشی سے ظفر کی باتیں سن رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے اس نے ارتضٰی کی سنی تھیں۔ اس سے بات کرکے وہ دوبارہ بابا سے بات کرنے لگا۔

سب کی یہی خواہش تھی کہ اس سفیر فیروز کے ساتھ ہر تعلق ختم کردیا جائے۔ وہ بے بسی سے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گھر پر زرینہ آنٹی اور انکل آئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سب لوگ ڈرائنگ روم میں تھے۔ وہ برابر والے کمرے میں بیٹھی اپنی قسمت کا فیصلہ ہوتے دیکھ رہی تھی۔ ارتضٰی اسے ڈرائنگ روم میں آنے سے منع کرگیا تھا۔

''میں نے کچھ برا سوچ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ میں نے آپ لوگوں سے بہت سی باتیں چھپائیں، میں مانتا ہوں۔ مگر میری نیت بری نہیں

تھی۔ مجھے صبا سے بہت محبت ہے۔ وہ میری بہو نہیں، بلکہ میری بیٹی ہے۔ لیکن اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ لوگ ہمیں ایک موقع دیں۔ میں خود کینیڈا جاؤں گا۔ سفیر سے کہوں گا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے۔ دیکھوں گا میں کہ وہ میری بات کیسے نہیں مانتا۔ میری بہو صبا ہی تھی اور وہی رہے گی۔ جو عزت اور جو مقام ہم نے اسے دیا ہے وہ کسی اور کو کبھی دے ہی نہیں سکتے۔'' اس نے انکل کی آواز سنی۔

''صبا اور بیٹی؟ کاش ایسا سمجھا ہوتا آپ نے۔'' ارتضٰی کی طنزیہ آواز آئی۔

''اب کسی سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فیروز! تم لوگ بے کار میں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ ہم سب کا مشترکہ اور بالکل اٹل فیصلہ ہے۔ اس میں کسی ردوبدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔'' بابا ٹھوس لہجے میں بولے۔

''آپ صبا کو بلائیں، میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' یہ التجائیہ آواز زرینہ آنٹی کی تھی۔

''صبا آپ لوگوں سے نہیں ملے گی۔ اب جو بات بھی ہوگی وہ ہم لوگ کریں گے۔ اس کے سر پر اس کے بڑے موجود ہیں۔ اور وہ اس کی بہتری اس سے زیادہ بہتر انداز میں سوچ سکتے ہیں۔'' وہ دونوں میاں بیوی مایوس اور نامراد واپس لوٹ گئے تھے۔

☆☆☆

سفیر کا فون آیا تھا وہ صبا سے بات کرنا چاہتا تھا۔ زرینہ آنٹی اور انکل کی طرح اسے سفیر سے بات کرنے سے نہیں روکا گیا۔

''صبا! تمہارے گھر والے بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، اس رشتے کا ختم ہو جانا ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے۔'' سلام دعا کے فوراً بعد اس نے یہ بات کہی تھی۔

''بہت بوجھ ہے میرے دل پر۔ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے ہر لمحہ ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہارا مجرم ہوں۔ میں تمہاری زندگی کو تباہ کر رہا ہوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔ حالانکہ اس رشتے کو میں نے تمہاری خواہش پر ہی برقرار رکھا تھا۔ پھر بھی میرا دل پریشان رہتا ہے۔ میں سمیعہ کے ساتھ اپنی زندگی مطمئن اور پرسکون انداز میں نہیں گزار پا رہا۔ سمیعہ نے مجھ سے اس شرط پر شادی کی تھی کہ میں اس سے نکاح کرنے سے پہلے تمہیں طلاق دے دوں۔ میں تم سے کیے وعدے کا پابند تھا، میں نے اپنا وعدہ نبھانے کی خاطر اس سے جھوٹ بولا۔ اگر اسے یہ پتا چل گیا کہ میں نے تمہیں نہیں چھوڑا تو وہ تو پھر زندگی میں کبھی مجھ پر اعتبار کرے گی ہی نہیں۔ شکر کہ ظفر اور ارتضٰی یہاں آ گئے اور انہوں نے مجھے اس پریشانی سے باہر نکال دیا۔ وہ دونوں مجھ سے یہی کہہ گئے تھے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں۔'' اس کے لہجے میں طمانیت تھی۔

''میں تمہیں طلاق بھیج رہا ہوں صبا! مجھے پتا ہے تمہیں اس بات سے بہت دکھ ہوگا۔ مگر صبا یہ تمہارے اور میرے لیے بہت اچھا فیصلہ ہے تم میں کسی چیز کی کمی نہیں، زندگی مجھ پر آ کر ختم نہیں ہو جاتی۔ دیکھنا تمہیں ایک بہت ہی محبت کرنے والا شخص ملے گا۔ وہ جو تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دے گا۔'' اس کے الوداعی جملے اسی طرح دعاؤں سے بھرے ہوئے تھے۔ جیسے آپس میں رسمی سا تعلق رکھنے والے دو افراد ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے سے پہلے ادا کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

وہ شے جس کی سب کو تمنا تھی، آزادی کا وہ پروانہ اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ یہ لوگ کس بات پر اتنے افسردہ ہیں۔ ان کی خواہش پوری ہوئی ہے۔ بجائے خوش ہونے کے وہ لوگ رو رہے تھے۔

اس نے لاؤنج میں لگی اس تصویر کو ایک نظر دیکھا۔ اب وہ اس تصویر کے سامنے کبھی سفیر فیروز کی بیوی کی حیثیت سے جا کر کھڑی نہیں ہو سکے گی۔

''تم نے دیکھا نا، میں نے اس نام کو اپنے نام کے ساتھ جوڑے رکھنے کی کتنی کوشش کی۔ دیکھا نا تم نے؟ مگر یہ لوگ......انہوں نے مجھ سے وہ نام چھین لیا۔ میں اپنا گھر بسائے رکھنے کے لیے جس حد تک جا سکتی تھی گئی، مگر سب ختم ہو گیا۔'' وہ اس تصویر سے نگاہیں ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''صبا! اس طرح اکیلی مت بیٹھو۔'' وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''مما کے پاس جا کر بیٹھو۔ دیکھو انہیں، وہ رو رہی ہیں، انہیں چپ کراؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھانے لگا۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ مما کے پاس آ گئی۔

''میں کہتی تھی نا کہ میرا دل جھوٹ نہیں بول رہا۔ مجھے صبا خوش نہیں لگتی۔'' انہوں نے روتے ہوئے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

وہ چپ چاپ ان کے سینے سے لگی رہی۔ ماں کی زندگی میں یہ دکھ اس کی وجہ سے آیا تھا۔ ماں کی آنکھوں میں یہ آنسو اس کی وجہ سے آئے تھے۔

☆☆☆

ارتضٰی، مما، ڈیڈی اور بابا تینوں کمرے میں بیٹھے تھے۔ ارتضٰی نے ابھی ابھی انہیں ایک ناقابلِ یقین خوشی دی تھی۔

ارتضٰی کے منہ سے یہ بات سن کر مما خوشی سے گنگ رہ گئی تھیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا اس کی بات پر۔ مما، بابا، ڈیڈی، ان تینوں کے چہروں پر ارتضٰی کی بات نے خوشیوں کے رنگ بکھیر دیے تھے۔

''تم سچ کہہ رہے ہو ارتضٰی تم صبا سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' اس نے سر اثبات میں ہلایا تو وہ رو پڑی تھی۔

''میں اب سوچتا ہوں کہ کاش پہلی مرتبہ جب یہ بات بابا نے مجھ سے کہی تھی، میں ہاں کہہ دیتا تو ہماری زندگیاں کسی المیہ سے تو دوچار نہ ہوتیں۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''میرے دل میں یہ بات آئی تھی ارتضٰی! لیکن پھر میں نے سوچا کہ تم نہیں مانو گے، اس لیے خاموش رہا۔ تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ ارتضٰی!'' بابا، بیٹے سے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ اس نے باپ کا سر فخر سے اونچا کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں تھی ریشماں نے آ کر پیغام دیا کہ مما اسے بلا رہی ہیں۔ وہ ان کے کمرے میں آئی تو وہاں مما کے علاوہ ڈیڈی، بابا اور ارتضٰی بھی موجود تھے۔ اس کے اندر آنے پر سب نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹھو بیٹا!'' بابا نے اس کے لیے اپنے برابر میں جگہ بنائی تھی۔

''بیٹا! اس وقت ہم نے تمہیں ایک بہت ضروری بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ مجھے پتا ہے۔ میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔'' بابا نے بہت محبت اور شفقت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہلے بھی ایک مرتبہ یہ بات ہو چکی ہے، تب تم نے اور ارتضیٰ نے اس کے لیے انکار کر دیا تھا۔ آج بھی ہم تم سے یہ بات کر رہے ہیں۔ اس میں ہم سب کی خوشی ہے، ہم سب کی بہتری ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے لیے اس رشتے کو قبول کرنا بہت مشکل ہوگا، لیکن صبا! ان حالات میں اس سے بہتر فیصلہ تمہارے اور ارتضیٰ کے لیے دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ صبا! ہم سب کی خوشی کے لیے تم ہاں کہہ دو۔''

بابا کا لہجہ مان بھرا تھا۔ وہ ان کی بات سن کر بلبلاتے ہوئے یوں درمیان سے اٹھی جیسے اسے کسی زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ اس کے چہرے پر موجود غصہ، ناپسندیدگی اور اشتعال سارے کے سارے تاثر بڑی آسانی سے پڑھے جاسکتے تھے۔

''صبا! ارتضیٰ نے خود تم سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے تمہیں میں اپنی محبت کا واسطہ دے کر کہہ رہی ہوں کہ انکار مت کرنا۔ تمہارے لیے ارتضیٰ سے اچھا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔'' مما آنکھوں میں اشک لیے اس سے مخاطب تھی۔ اس کی نظریں ارتضیٰ پر جمی تھیں۔ وہ ایک ایک قدم چلتی اس کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہوگئی تھی۔

''آپ کو یہ بات سوچتے اور کہتے ہوئے ذرا سی بھی شرم نہیں آتی مسٹر ارتضیٰ غضنفر! کہاں گئی وہ ثمن کی محبت اور کہاں گئے وہ معاذ کے لئے کبھی سوتیلی ماں نہ لے کر آنے والے دعوے۔ مجھ سے ہمدردی جتانے کے چکر میں آپ نے ثمن کے بارے میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سوچا۔''

''صبا! بات یوں نہیں ہے میری جان! ادھر آؤ۔ میرے پاس بیٹھو، تم بات کو بالکل غلط انداز میں سوچ رہی ہو۔'' بابا بڑے پیار سے اسے اپنے پاس بلا رہے تھے مگر وہ کچھ سننے اور سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں کچھ غلط نہیں سوچ رہی بابا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ ''ان کے ساتھ مسئلہ ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پہلے سی آئی ڈی آفیسر بن کر کینیڈا پہنچ گئے۔ کس نے کہا تھا انہیں وہاں جانے کے لیے۔ میں خوش تھی یا ناخوش، انہیں کیا تکلیف تھی۔ میری زندگی تھی، میں اسے جیسے چاہے گزارتی۔ ان کو کیا حق تھا کینیڈا انویسٹی گیشن کرنے کے لیے پہنچنے کا۔ انہوں نے آپ سب سے بھی بڑھ چڑھ کر اس سارے معاملے میں حصہ لیا۔ انہیں میرے ماں باپ اور بھائی سے بھی زیادہ میری فکر ہے۔ اب میری اسی فکر میں یہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ انہیں شاید یہ لگا ہوگا کہ ان کی اس عظمت اور نیکی سے میرے دل میں ان کی قدر و منزلت اور بڑھ جائے گی۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''صبا! یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' ڈیڈی مزید خاموش نہیں رہ سکے تھے۔ اس نے جیسے ڈیڈی کی آواز سنی ہی نہیں تھی۔

''او ارتضیٰ غضنفر! تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔ اپنی حالات کی ستائی ہوئی، مجبور اور تنہا کزن کو اپنانے کے لیے تیار ہوگئے۔ تم سے اچھا اور نیک انسان اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہوسکتا۔'' وہ ابھی اسی طرح طنزیہ انداز میں اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ڈیڈی کی تیز آواز نے اسے ایک دم خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

''بہت ہوگیا صبا! اب مزید میں یہ بدتمیزی بالکل برداشت نہیں کروں گا۔'' وہ بہت غصے سے صوفے پر سے اٹھ گئے تھے۔ انہیں اٹھتا دیکھ کر بابا بھی فوراً اٹھے اور ان کے کندھے پر اپنے ہاتھ سے دباؤ ڈال کر انہیں کچھ اور کہنے اور غصہ کرنے سے روکا۔

''میں آپ لوگوں سے بالکل صاف کہہ رہی ہوں، آئندہ یہ بات مجھ سے کہنے کی کوشش مت کیجئے گا۔'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اسے خود نہیں پتا تھا کہ وہ کیا کیا بول گئی ہے۔ اور کس کس کے سامنے بول گئی ہے۔ وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ وحشت بھرے انداز میں بستر پر گر گئی تھی۔

بہت دیر گزر چکی تھی مگر اس کا اضطراب ختم نہیں ہو رہا تھا۔ مما اور ڈیڈی کو ناراض کر کے اسے نہ نیند آ سکتی تھی اور نہ چین مل سکتا تھا۔ وہ ان کے کمرے میں آ گئی۔ مما نماز پڑھ کر جائے نماز تہہ کرتے ہوئے اٹھ رہی تھیں جب ڈیڈی بیڈ پر خاموش بیٹھے تھے۔

''آئم سوری ڈیڈی۔'' وہ ان کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔

''صبا! تمہیں سوری مجھ سے نہیں، ارتضٰی سے کہنا چاہئے۔ تم نے آج اس کے ساتھ کس قدر بدتمیزی کی ہے۔'' ڈیڈی نے اس کے شرمندہ سے چہرے پر گہری نگاہیں ڈالتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

''میں ان سے بھی معافی مانگ لوں گی ڈیڈی! پلیز......آپ تو مجھے معاف کر دیں۔ مما آپ بھی۔ آپ کہتی تھیں میری بدتمیز اور منہ پھٹ صبا کہیں کھو گئی ہے۔ دیکھیں وہ کہیں نہیں کھوئی، وہ یہیں ہے۔'' ڈیڈی سے کہتے کہتے وہ مما کی طرف گھوم گئی۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آ گئی تھیں۔

''صبا! تمہیں کیا ہوگیا ہے تم ایسی کبھی بھی نہیں تھیں۔ ہم نے اپنے بچوں کو کبھی اس بات کی تربیت نہیں دی کہ وہ بڑوں کے سامنے اونچی آواز سے بولیں۔ ارتضٰی نے یہ بات کر کے ہم سب کے جذبات کی ترجمانی کی تھی۔ ہم سب یہی چاہتے تھے مگر کہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ اس نے ہم سب کی خوشیوں کا سوچا۔ آج بھی اسے ایک سے ایک اچھی لڑکی کا رشتہ مل سکتا ہے۔ اس نے اگر ایسا سوچا تو تمہاری محبت میں، میری محبت میں، ہم سب کی محبت میں۔ تم نے اس کے خلوص کا مذاق اڑایا، اس کے لیے اتنے برے الفاظ استعمال کئے کہ میں اب تک حیران ہوں کہ کیا صبا اس طرح کے الفاظ بھی بول سکتی ہے۔'' مما نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف بہت افسوس سے دیکھا۔

''میں مانتی ہوں مما! میں نے غلط باتیں کیں۔ غصے میں سوچے سمجھے بغیر پتا نہیں میں کیا کیا بول گئی۔ لیکن مما! یہ بات طے ہے کہ میں اس بات کے لیے کبھی ہاں نہیں کہہ سکتی۔ میں ارتضٰی بھائی کے ساتھ کزن اور بہنوئی ہونے کے علاوہ تیسرا کوئی رشتہ کبھی جوڑ ہی نہیں سکتی؟'' اس کی آواز آہستہ تھی مگر لہجہ بہت دوٹوک اس میں کسی ترمیم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''بیٹھ جاؤ صبا!'' ڈیڈی نے اس کے لیے اپنے پیر پیچھے ہٹاتے ہوئے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ ''جو کچھ تم نے کہا ہے اگر تم واقعی ایسا ہی سوچتی ہو تو میں یہی کہوں گا کہ تمہیں اپنے دوست اور دشمن کی پہچان نہیں ہے۔ اور ایسے لوگ زندگی میں بہت نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس کے بیٹھنے کے بعد ڈیڈی نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں ڈیڈی! مجھے ان کے خلوص اور ان کی محبت پر کوئی شک نہیں، وہ بات سن کر مجھے اتنی شرم اور اتنا غصہ آیا تھا کہ میں اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ غصے میں میرے منہ سے پتا نہیں کیا کیا نکل گیا۔''

اس نے فوراً ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

''مما! ڈیڈی! پلیز میں آپ دونوں سے ریکویسٹ کرتی ہوں کہ آئندہ یہ بات کبھی مت کیجئے گا، میں ارتضٰی بھائی کے ساتھ یہ رشتہ قائم کرنے کے بارے میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتی۔'' اس نے ملتجیانہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔

پھر اگر ہم تمہاری کہیں اور شادی کے بارے میں سوچیں تو تم کیا کہو گی؟ ڈیڈی نے بڑی سنجیدگی سے اس سے یہ سوال پوچھا تھا۔

''ڈیڈی! آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے دیں۔ ابھی میری پہلی شادی کو ختم ہوئے کتنا وقت گزرا ہے۔ مجھے سنبھلنے کا موقع دیں۔ پھر میں آپ کی یہ بات مان لوں گی۔'' وہ اب انہیں اس بات کے لیے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے ارتضٰی سے معافی نہیں مانگی تھی۔ وہ اس کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی۔

سوائے رات کے کھانے کے ان دونوں کا براہ راست سامنا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ آتے جاتے ٹکراؤ ہونے پر وہ اس سے بات کیے بغیر خاموشی سے اس جگہ سے ہٹ جایا کرتی تھی۔

☆☆☆

بابا نے ارتضٰی کو وہ سب باتیں بتائی تھیں جو صبا نے ان سے اس رات کہی تھیں۔ ''صبا کے نظریہ سے سوچیں تو اس کا ردعمل بالکل ٹھیک تھا ارتضٰی! وقت گزرنے پر وہ اس حادثے سے باہر نکل آتی تو آہستہ آہستہ اسے سمجھایا جا سکتا تھا۔ رشتے بدلے جا سکتے ہیں۔ سوچیں بدلی جا سکتی ہیں۔ ہم پیار سے دھیرے دھیرے اسے سمجھاتے تو وہ اس رشتے کے لیے اپنے دل میں گنجائش پیدا کرنے پر آمادہ ہو ہی جاتی۔ ارتضٰی یوں خاموش رہا تھا جیسے اسے ان تمام باتوں سے پورا پورا اتفاق تھا، اور اسے اتفاق ہو بھی جاتا اگر وہ صبا شفیق کو جانتا نہ ہوتا۔

اس گھر کا دوسرا کوئی بھی فرد صبا کو اتنی اچھی طرح اور اندر تک نہیں جانتا تھا جتنا ارتضٰی جانتا تھا، مگر اب گزشتہ کچھ عرصہ سے وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ وہ صبا کو جانتا ضرور ہے۔ مگر سمجھتا نہیں۔ وہ کبھی صبا کو سمجھ ہی نہیں سکا۔

پہلی مرتبہ وہ صبا کے رویے پر اس وقت چونکا تھا جب وہ لاہور اس کے اور ثمن کے پاس آئی تھی۔

''آپ کو میرے ذکر سے چڑ ہوتی ہے؟'' کتنا اجنبی سا لہجہ لگا تھا اسے صبا کا۔ اس لہجے میں بہت سے شکوے اور شکایتیں چھپی ہوئی تھیں، جنہیں وہ اس وقت سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ چونکا ضرور تھا، مگر کوئی بات سمجھا نہیں تھا۔

اس رات پہلی دفعہ اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ صبا اس سے...... لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اس سوچ کو جھٹک دیا تھا۔ بڑی شدت سے خود کو جھٹلایا تھا...... مگر اب وہ اپنی اس سوچ کو...... احمقانہ کہہ کر جھٹلا اور بھلا نہیں سکتا تھا۔ زندگی میں دوسری مرتبہ صبا نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور اس بار اس نے اپنی بدتمیزی کی اس سے معافی نہیں مانگی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر کترانے لگی تھی، وہ اس سے بالکل بات نہیں کرتی تھی۔ وہ اس

سے سلام دعا اور رسمی سی خیر خیریت والی گفتگو بھی نہیں کرتی تھی۔ اس کا گریز محسوس کر کے اس نے بھی اسے مخاطب کرنا چھوڑا ہوا تھا۔ اسے صبا کی اس روز کی باتوں سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ مگر وہ اس سے ناراض نہیں ہو سکا تھا۔

بجائے اس سے نفرت کرنے کے وہ اس کے رویے کا سبب تلاش کرنے بیٹھ گیا تھا، صبا نے اس کے ساتھ بڑے عجیب سے انداز میں بدتمیزی کی تھی۔ بہت عجیب طرح اس سے نفرت کا اظہار کیا تھا۔ ارتضٰی کے پاس سوچنے اور غور کرنے کے لیے اب بہت سی باتیں تھیں۔ یہ بات تو بہرحال وہ سمجھ چکا تھا کہ صبا کی زندگی کی وہ الجھن جو اسے بے چین اور بے کل رکھتی ہے، اس کا تعلق اسی کی ذات سے ہے۔ صبا کی سب الجھنوں کا سلسلہ ارتضٰی غضنفر کے ساتھ ہی جا کر ملتا تھا۔ وہ اس کی الجھنوں کو ختم کرنا چاہتا تھا مگر پہلے وہ بات پوری طرح سمجھ تو لے۔

☆☆☆

وہ مما کے لیے ان کے کمرے میں کھانا لے کر آئی تھی۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ صبح سے کمرے میں تھیں۔ اندر آئی تو معاذ، مما کے پاس بیٹھا نظر آیا۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ان کا سر دبا رہا تھا۔

''مما! درد ٹھیک ہو گیا۔'' ساتھ ساتھ معصومانہ انداز میں وہ یہ جملہ بھی دہرا رہا تھا۔

''ہاں، بالکل ٹھیک ہو گیا۔'' مما ہلکے سے مسکرائی تھیں۔ انہوں نے اپنے ماتھے پر رکھا اس کا ہاتھ بے ساختہ چوما تھا۔

''جاؤ، اب جا کر کھیل لو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا تو وہ سر ہلا کر وہاں سے اٹھا اور بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ وہ کھانے کی ٹرے لے کر ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ مما اس روز کے بعد سے ایک مرتبہ پھر بالکل خاموش ہو گئی تھی۔

وہ تکیوں اور کشنز کے سہارے بیٹھی اتنی نڈھال اور کمزور لگ رہی تھیں۔ جیسے برسوں کی بیمار ہوں۔

''آپ اتنا سوچتی کیوں ہیں۔ دیکھیں، سوچ سوچ کر آپ نے خود کو بیمار کر لیا ہے۔'' اس نے دوسرا نوالہ ان کے منہ میں ڈالا۔ وہ ہولے سے مسکرائیں۔

''میں ٹھیک ہوں صبا! تم میری فکر مت کرو۔'' وہ آہستہ آہستہ لقمہ چبا رہی تھیں۔ ''صبا! کل رات میں نے خواب میں ثمن کو دیکھا۔'' ان کی آواز بہت کھوئی کھوئی اور مدھم سی تھی۔ وہ نوالہ توڑتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو روک کر ان کی بات سننے لگی تھی۔

''بہت پیاری لگ رہی تھی وہ، اتنے پیارے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے۔ وہ میرے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی اور میرے ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔

''مما! میں بہت اکیلی ہوں۔ آپ میرے پاس آ جائیں۔ اپ نے مجھے بچپن میں بھی کبھی لوریاں نہیں سنائیں۔ کبھی اپنے ساتھ لپٹا کر نہیں سلایا۔ آپ کو کیا اپنی اس بیٹی سے بالکل محبت نہیں؟'' مما کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ بولتے بولتے وہ ایک پل کے لیے بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔

''اس کے لہجے میں اتنا شکوہ اور اتنی ڈھیر ساری شکایتیں تھیں کہ میں رہ ہی نہیں سکی۔ وہ بیڈ پر سے اٹھی تو میں بھی اس کے پیچھے اٹھ گئی۔ وہ مجھے اٹھتا ہوا دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی، اس کے چہرے پر بہت خوب صورت مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔''

اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپا تھا۔ ''مما اس طرح کی باتیں مت کریں۔ پلیز۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ ٹرے درمیان سے ہٹا کر ان کے بالکل قریب بیٹھ گئی تھی۔

''ثمن اکیلی ہے صبا!'' وہ اسی کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں۔

''مما! آپ ایسی باتیں مت کریں۔ آپ میری فکر میں بیمار ہوگئی ہیں نا، آپ میری شادی کرنا چاہتی ہیں ناں۔ میں شادی کے لیے تیار ہوں۔'' وہ سراسیمگی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جس سے میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں، اس کے لیے تم نہیں مانو گی اور اس کے علاوہ کہیں کا کوئی راجہ مہاراجہ بھی اب تمہارا ہاتھ مانگنے آجائے تو میں اس کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ نہیں دوں گی۔ میں بہت وہمی ہوگئی ہوں صبا! اب تمہارے لیے ارتضیٰ کے علاوہ میں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتی۔ کاش ایسا ہو کہ مرنے سے پہلے جب میں آنکھیں بند کروں تو جو آخری منظر میری آنکھیں دیکھیں، وہ یہ ہو کہ میری صبا تنہا نہیں، ارتضیٰ کے پاس ہے اور وہ اسے ہر دکھ اور تکلیف سے بچائے رکھے گا۔ صبا مجھے ظفر پر بھی اتنا بھروسہ نہیں، جتنا ارتضیٰ پر ہے اور وہ اسے ہر دکھ اور ہر تکلیف سے بچائے رکھے گا۔ صبا مجھے ظفر پر بھی اتنا بھروسہ نہیں جتنا ارتضیٰ پر ہے۔'' انہوں نے تکیہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ یوں جیسے وہ بولتے بولتے بہت تھک گئی ہوں۔

''مما!'' وہ خوفزدہ انداز میں چلائی۔ اس نے انہیں پورا کا پورا جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ مگر انہوں نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ وہ ہراساں نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے پاس رکھا فون اٹھا کر ارتضیٰ کا موبائل نمبر ملانے لگی تھی۔ دوسری بیل پر ہی اس نے کال ریسیو کرلی تھی۔ پورے پندرہ دن بعد وہ اس سے مخاطب تھی۔ بری طرح اٹکتے ہوئے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں اس کے منہ سے صرف ''مما'' کا لفظ نکلا تھا۔ وہ اسکے لہجے کی گھبراہٹ اور کپکپاہٹ اس ایک لفظ سے ہی محسوس کرسکتا تھا۔

''کیا ہوا صبا! کیا مما کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے؟'' اس کی آواز میں تشویش تھی۔

''ہاں، وہ بات نہیں کر رہیں۔ میں انہیں اتنی آوازیں دے رہی ہوں۔'' وہ گھبرائے ہوئے انداز میں چلائی تھی۔

''تم ندیم کو فون دو۔'' وہ بہت جلدی میں بولا۔ اس نے چیخ کر ندیم کو آواز دی، وہ بھاگتا ہوا فوراً کمرے میں آیا تھا۔ اس نے ریسیور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے دو سیکنڈز تک خاموشی سے ارتضیٰ کی بات سنی اور جواب میں ''جی ٹھیک ہے۔'' کہہ کر ریسیور واپس رکھتے ہوئے کمرے سے تیزی سے نکل گیا۔ ندیم اور ڈرائیور بڑی تیزی میں مما کو ہاسپٹل لے کر جا رہے تھے۔ وہ ننگے پاؤں ہی ان لوگوں کے پیچھے بھاگتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

صبح سے انہیں صرف بخار ہی تو تھا۔ بخار ہی کی وجہ سے کمزوری بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر اب وہ یوں پڑی تھیں جیسے نہ معلوم انہیں کتنی خطرناک بیماری لاحق ہوگئی ہو۔ ڈاکٹرز انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ڈاکٹرز کی سمجھ میں ان کی بے ہوشی نہیں آرہی تھی۔ وہ ارتضیٰ سے پوچھ رہے تھے کہ ان کے گھر میں کیا کوئی ایسی بات ہوئی ہے، کوئی لڑائی جھگڑا، کوئی ٹینشن، کوئی اچانک ملنے والی بری خبر۔

ارتضٰی نے بابا اور ڈیڈی کو آفس فون کر کے مما کی طبیعت کے بارے میں بتایا تو وہ دونوں بھی فوراً ہی وہاں پہنچے۔

کتنے گھنٹے گزر گئے تھے، وہ سب وہاں کھڑے ایک دوسرے کو حوصلہ دے رہے تھے۔ رات کے آخری پہر کہیں جا کر مما کو ہوش آیا تھا۔ انہیں ہوش میں آتا دیکھ کر ان سب نے سکون کا سانس لیا۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے ثمن کا نام لیا تھا۔ یہ سب لوگ ان کے پاس گئے تو وہ آنکھیں نیم وا کیے مسلسل ثمن کا نام پکارے جا رہی تھیں۔

وہ بہت تکلیف میں تھیں۔ ڈیڈی کو احساس ہو گیا تھا کہ ان کی جان واقعی صبا میں اٹکی ہوئی ہے۔ وہ بہت مشکل میں ہیں۔ اور ان کی یہ مشکل صبا ہی آسان کر سکتی تھی۔ وہ صبا کے پاس آ گئے۔

''صبا میں تمہیں کوئی حکم نہیں دے رہا۔ لیکن اگر تمہیں اپنی مما سے واقعی محبت ہے تو پھر اسے ارتضٰی کے علاوہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں۔ وہ تمہاری شادی صرف ارتضٰی کے ساتھ ہی ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی خاموشی سے ڈیڈی کو دیکھ رہی تھی۔

''صبا! یہ وقت گزر گیا تو زندگی میں صرف پچھتاوے رہ جائیں گے۔ اپنی مرتی ہوئی ماں کی آخری خواہش پوری کر دو۔ وہ بہت تکلیف میں ہے صبا!''

ان کی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو جائے نماز میں جذب ہو رہے تھے۔ اس نے ایک نظر آکسیجن ماسک کے سہارے اپنی سانسیں پوری کرتی ہوئی مما کو دیکھا اور پھر ڈیڈی کو۔ انکار میں ادا ہونے والا ہر لفظ اور ہر جملہ اس کے منہ سے نکلنے سے انکاری ہو گیا تھا۔ اس نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ سوائے اقرار میں سر ہلانے کے۔

''ملیحہ! آنکھیں کھولو۔ دیکھو، صبا شادی کے لیے مان گئی ہے۔ ہم ابھی تھوڑی دیر میں ارتضٰی کے ساتھ اس کا نکاح کروائیں گے۔''

ان کے منہ سے یہ جملہ نکلنے کی دیر تھی کہ مما نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ ان کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں آخر بار بہت گہری چمک اور روشنی آئی تھی۔ انہوں نے آنکھیں پوری کھولی ہوئی تھیں۔ ایسے جیسے وہ اس منظر کو بہت اچھی طرح اپنی آنکھوں میں محفوظ کر لینا چاہتی ہوں۔ محض آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہاں نکاح کے تمام انتظامات ہو گئے تھے۔ مما کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ ہل نہیں سکتی تھیں۔ منہ سے کچھ بول بھی نہیں سکتی تھیں۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے اپنی آنکھوں کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی ان کے پاس آ گئی تھی۔ ان کے صرف ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ پوری کی طرح اس پر جھک گئی تا کہ ان کے ہونٹوں کی جنبش کو سمجھ سکے۔

''صبا! میں بہت خوش ہوں۔'' ماں کے کانپتے لبوں نے بے آواز اس سے یہ بات کہی تھی۔

''صبا! میری دعا ہے کہ زندگی تم پر ہمیشہ ماں کی گود کی طرح مہربان رہے۔ اس کا دامن کبھی تمہارے لیے تنگ نہ پڑے۔'' اسے نگاہوں کی زبانی دعائیں دیتا وہ چہرہ اس لمحہ کتنا روشن اور کتنا دلکش نظر آ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں کتنا سکون اور کس قدر اطمینان تھا۔ وہ اب تکلیف سے کراہ نہیں رہی تھیں۔

وہاں اس وقت کمرے میں بابا، ڈیڈی اور ارتضٰی کے علاوہ چند افراد اور بھی موجود تھے وہ سب ابھی ابھی وہاں آئے تھے۔ اس نے پورے ہوش وحواس میں اس نکاح نامے پر دستخط کیے تھے۔

مما آنکھیں کھولے اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی، مگر ان کے چہرے پہ وہی مسکراہٹ تھی۔ ان کی آنکھوں میں سکون تھا۔ وہ بہت مطمئن لگ رہی تھیں۔ وہ دونوں ان کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ صبا اور ارتضٰی ان کی آنکھیں آخری منظر یہی دیکھ رہی تھیں کہ ان کی صبا تنہا نہیں۔ ارتضٰی اس کے پاس ہے۔

☆☆☆

مجھ کو یقین ہے سچ کہتی تھیں جو بھی امی کہتی تھیں

جب میرے بچپن کے دن تھے چاند میں پریاں رہتی تھیں

ایک یہ دن جب لاکھوں غم اور کال پڑا ہے آنسو کا

ایک وہ دن جب ایک ذرا سی بات پر ندیاں بہتی تھیں

''مجھے تو میری مما کی گود ہمیشہ چاہئے، ساری زندگی۔ جب میں بوڑھی ہو جاؤں گی ناں تب بھی۔''

اور ابھی زندگی ساری کہاں گزری تھی، ابھی تو بہت ضرورت تھی اس گود کی۔ اس مما بھری چھاؤں کی، وہ گھٹنوں میں سر دیے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

''صبا! تم نے مما کو روکا کیوں نہیں؟'' ظفر اس کے پاس فرش پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بری طرح رو رہا تھا۔ وہ پہلی فلائیٹ سے کراچی پہنچا تھا، مگر مما کو زندہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ عین اس دن پہنچا تھا جب ان کا انتقال ہوا۔ اس نے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ ان کا آخری دیدار کیا تھا۔ ماں کو خود اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا تھا۔ اور اگر وہ یہ نہ کر پاتا تو شاید زندگی میں کبھی سکون سے رہ نہیں سکتا تھا۔

دس دن ہو گئے تھے مما کو گئے ہوئے۔ مگر اب تک دل کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا، ابھی وہ کسی کونے سے نکل کر سامنے آ جائیں گے۔

معاذ سارے گھر میں مما، مما آوازیں لگا رہا تھا۔ اس کی گورنس تو صرف ارتضٰی کی خواہش پر مما نے رکھ لی تھی۔ وہ اس کے سب کام خود کرتی تھیں۔ وہ انہیں نخرے دکھانے کا، ان سے ضدیں پوری کروانے کا عادی تھا۔ وہ پانچ سال کا ہو چکا تھا، بابا نے اسے بہت پیار سے یہ بات سمجھائی تھی کہ مما کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔ وہ ان کی بات سمجھ لینے کے باوجود بھی مما کو آوازیں دیتے ہوئے رونا شروع کر دیتا تھا۔

''میں مما سے نہاؤں گا۔ مما سے کپڑے پہنوں گا۔ مما کے ہاتھ سے دودھ پیوں گا۔'' وہ ضدی سے انداز میں کہتا رونے بیٹھ جاتا۔

چالیسیوں کے بعد جب ظفر اور عاصمہ واپس جانے کی تیاری کرنے لگے تو ڈیڈی ظفر سے بولے۔

''ظفر! بہت رہ لیے امریکہ میں، اب واپس آ جاؤ بیٹا۔'' انہوں نے ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی تھی، کبھی اس کے کیریئر کے راستے میں

نہیں آئے تھے وہ وہاں پڑھانا چاہتا ہے، پڑھائے۔ وہ ریسرچ کرنا چاہتا ہے، کرے۔ وہ کتابیں لکھنا چاہتا ہے، لکھے۔ مگر اب وہ واقعی بہت اکیلے ہو گئے تھے۔

''ڈیڈی! میرا تو پہلے بھی واپس آنے کا ارادہ تھا۔ کاش! میں مما کی زندگی میں واپس آ گیا ہوتا۔ وہ مجھے دیکھ کر کتنی خوش ہوتیں۔'' وہ اداسی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ مجھے کچھ وقت دیں۔ اس طرح سب چھوڑ چھاڑ کر میں واپس نہیں آ سکتا۔ لیکن یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں بہت جلد پاکستان آ جاؤں گا۔ اب مزید وہاں پر میرا بھی دل نہیں لگے گا۔'' اس نے انہیں یقین دہانی کروائی تھی۔

☆☆☆

''بالہ جانی! آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟'' معاذ اس کے پاس کھڑا بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ معاذ کے سوالیہ انداز پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ اسے معاذ پر بہت ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ اس نے اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ کتنے دنوں سے وہ معاذ تک کو نظرانداز کیے ہوئے تھی۔ وہ گورنس کے رحم و کرم پر تھا۔

''کرو، کیا باتیں کرنی ہیں۔'' اس نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

''اقصیٰ کتنی موٹی ہے ناں بالہ جانی۔'' اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔

''وہ کھانا کھانے میں نخرے نہیں دکھاتی۔ اس لیے۔'' وہ اس کا طنزیہ انداز فوراً سمجھ گیا تھا۔

''میں اس سے زیادہ اسٹرانگ ہوں۔ آپ ہماری ریسلنگ کروا کر دیکھ لیں۔''

''بس بس، مجھے یقین آ گیا۔ اب کہیں سچ مچ اس کے ساتھ ریسلنگ کرنے کھڑے مت ہو جانا۔ اگر اس کے ساتھ لڑائی کی تو تمہارے ریسلنگ دیکھنے پر پابندی لگوا دوں گی بابا سے کہہ کر۔'' وہ تنبیہی انداز میں بولی۔ اسی وقت ریشماں اندر آئی۔

''سب کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ معاذ کو ساتھ لیے ڈائننگ روم میں آ گئی۔ سب نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

''تمہاری کل کتنے بجے کی فلائٹ ہے؟'' بابا نے ظفر سے پوچھا۔ اس نے جواباً اپنی فلائٹ کا ٹائم بتا دیا۔ ''یہ کسی فنکشن کا موقع نہیں اور نہ ہمارے دل اس بات کے لیے راضی ہی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں باقاعدہ طور پر اپنے تمام قریبی جاننے والوں کو صبا اور ارتضیٰ کی شادی سے آگاہ کر دینا چاہئے۔ ملیحہ کے انتقال کے بعد کسی کو پتا چلا، کسی کو نہیں۔ بہتر رہے گا، اگر ہم گھر پر کوئی لنچ یا ڈنر رکھ لیں اور اس میں تمام قریبی احباب کو مدعو کر لیں۔'' بابا بہت سنجیدگی سے سب سے مخاطب تھے۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا!'' ظفر نے فوراً ان کی بات سے اتفاق کیا۔ ڈیڈی نے بھی گردن ہلا کر ان کی تائید کی تھی۔

''پھر ظفر کے سامنے ہی کر لیں۔ کل چھٹی کا دن ہے۔ لنچ پر سب کو انوائٹ کر لیں۔'' ڈیڈی نے کچھ دیر بعد بابا کو مشورہ دیا تو وہ سر اثبات میں ہلا کر بولے۔

''ہاں۔ میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ کل کا دن ٹھیک رہے گا۔'' ارتضیٰ خاموشی سے اپنی پلیٹ پر جھکا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سوائے سنجیدگی کے دوسرا کوئی تاثر نہیں تھا۔ کھانے کے بعد بابا، ڈیڈی اور ظفر تینوں فون سنبھال کر تمام قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو فون کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، عاصمہ نے کمرے میں آ کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کے کپڑوں کو۔ وہ اس کے وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس نے نیلے رنگ کا ایک سادہ سا سوٹ نکال لیا۔ مما ہی اس کے لیے یہ سوٹ کسی بوتیک سے خرید کر لائی تھیں۔ عاصمہ نے اس کے سامنے کپڑے رکھے تو وہ غور سے اس سوٹ کو دیکھنے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کپڑوں کو چھو کر اس پیار بھرے لمس کو محسوس کرنا چاہا۔

''صبا! کپڑے بدل لو۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے اس سے کہا۔

یہ تیار ہونے کا موقع نہیں تھا، سجنے کا موقع نہیں تھا مگر لوگوں کو انوائٹ تو اسی لیے کیا گیا تھا۔

وہ کپڑے بدلنے اٹھ گئی۔ کپڑے بدل کر آئی تو عاصمہ وہیں پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے بٹھا کر وہ اس کے بال سلجھانے لگی۔ بال سلجھا کر اس نے بغیر مانگ نکالے اس کی بالکل سیدھی چوٹی باندھ دی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ صبا کے ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگا دے مگر ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس خواہش کو اپنے اندر ہی دباتے ہوئے وہ اسے کمرے سے باہر چلنے کے لیے کہنے لگی۔

''چلو صبا! تقریباً سب لوگ آ چکے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے آئی۔ وہ سب ان کے بہت قریبی عزیز اور دوست تھے۔ وہ سب بھی اسی سادگی سے آئے تھے جس سادگی سے یہاں اہتمام کیا گیا تھا۔ مگر اس سادگی سے آنے کے باوجود کوئی بھی مہمان اپنے ساتھ تحفہ لانا نہیں بھولا تھا۔ سب بابا اور ڈیڈی کو تحفے دے رہے تھے۔ مبارک باد کو کسی نے نہیں دی تھی، مگر یہ ضرور کہا تھا کہ یہ ایک بہت ہی اچھا اور بالکل درست فیصلہ ہے۔

☆☆☆

ظفر کی رات نو بجے کی فلائٹ تھی۔ مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد وہ کافی دیر تک بابا اور ڈیڈی کے ساتھ بیٹھا رہا، پھر وہاں سے اٹھ کر وہ اس کے کمرے میں آ گیا۔ اس نے صبا کے ساتھ بہت ساری باتیں کی تھیں۔ پورے دو گھنٹے وہ اس کے ساتھ بیٹھا رہا تھا۔ بھائی بہن کی مشترکہ یادیں تھیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے وہ باتیں سننا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے ہاتھوں کو محبت سے تھام لیا۔

''صبا! تم نے مما کی خوشی کے لیے جس طرح سب کے فیصلے کو مانا، اس سے بہت خوش ہوں۔ تم نے مما کی آخری خواہش پوری کر دی۔ انہیں آخری وقت میں سب سے زیادہ تمہاری فکر تھی۔ تم نے انہیں بہت بڑی خوشی اور اطمینان دیا ہے۔ تم نے دیکھا تھا ناں، مرنے کے بعد ان کے چہرے پر کتنا سکون تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت گہری نیند میں کوئی بہت ہی اچھا خواب دیکھتے ہوئے مسکرا رہی ہیں۔'' ظفر ماں کا ذکر کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گیا تھا۔

''تمہیں بہت مشکل لگ رہا ہوگا صبا! اس رشتے کو دل سے قبول کرنا، لیکن مما کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، ہم سب کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کچھ وقت ضرور لگے گا پھر تم اس رشتے کو قبول کر لوگی اور دیکھنا صبا! تم کتنا خوش رہوگی۔ جب ماں باپ کی دعائیں ساتھ ہوں تو پھر زندگی

میں خوشیوں کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں آتی۔'' وہ گم صم سے انداز میں بھائی کی باتیں سنتی رہی۔

وہ اسے پیار کرتا اور دعائیں دیتا رخصت ہو گیا تھا۔ ارتضٰی اور ڈیڈی ان لوگوں کو ایئر پورٹ چھوڑنے گئے تھے۔ وہ، بابا اور معاذ گھر پر تھے۔ معاذ کو اگلے دن اسکول جانا تھا، اس لیے اس کی گورنس اسے کمرے میں سلانے لے گئی تھی۔ وہ اور بابا لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ڈیڈی اور ارتضٰی واپس آئے تو کھڑے کھڑے فلائٹ کے ٹائم پر ہونے اور ان لوگوں کی بخیریت روانگی کے بارے میں بتانے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ بابا نے وہیں صوفے پر بیٹھے بیٹھے ریشماں کو آواز دی۔

''تین کپ کافی بنا کر ارتضٰی کے کمرے میں لے آؤ۔ اور ہاں، کافی بہت مزے دار ہونی چاہیے۔'' انہوں نے شگفتگی سے ہلکے پھلکے موڈ میں اسے کافی لانے کے لیے کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''آؤ صبا!'' وہ بہت مشکل سے خود کو صوفے سے اٹھا پائی۔ وہ اٹھی تو بابا نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔ بہت نرمی اور پیار سے اس کا ہاتھ تھامے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ وہ ان کے ساتھ جیسے ہی ہر اگلے زینے پر قدم رکھتی، اس کا دل، قدم پیچھے ہٹانے کو کہتا۔

اوپر آ کر بابا اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ صرف ایک منٹ بعد ہی وہ کمرے سے نکل آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک جیولری باکس تھا۔ انہوں نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑا اور ارتضٰی کے کمرے کی طرف آ گئے۔ انہوں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ ارتضٰی نے دروازہ کھولا تو بابا اسے دیکھ کر مسکرائے۔

''ریشماں سے کافی کے لیے کہہ آیا ہوں۔ وہ ہم تینوں کے لیے کافی لا رہی ہے۔'' ارتضٰی نے سامنے سے ہٹ کر ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، وہ بابا کی طرح مسکرا نہیں رہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ارتضٰی ان دونوں سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ وہ اسی ہلکے پھلکے موڈ میں مسکراتے ہوئے کراچی کی گرمی پر بات کرنے لگے تھے۔ ایسے جیسے موسم پر ہی تبادلہ خیال کرنے آئے تھے۔ ارتضٰی ان کی باتوں کے جواب دے رہا تھا، جب کہ وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ ریشماں کافی لے کر آ گئی تو بابا نے صبا کو ٹرے میں سے خود کپ اٹھا کر دیا۔

''کافی تو بہت زبردست بنائی ہے تم نے ریشماں! شاباش۔'' انہوں نے جلدی سے پہلا گھونٹ لیا اور ریشماں کی تعریف کی۔ وہ اپنی تعریف پر مسکراتی کمرے سے چلی گئی۔ اپنا کپ ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے انہوں نے پاس رکھا وہ باکس اٹھا کر کھولا۔ اس کا دایاں ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھ میں ہی تھا۔ انہوں نے اس کا وہ ہاتھ صوفے سے اٹھایا اور بہت آہستہ آہستہ اور بڑے پیار سے اس کے ہاتھ میں وہ بے حد وزنی اور خوبصورت کنگن ڈالنے لگے۔

''یہ پہلے تو اتنے خوبصورت نہیں لگ رہے تھے میری بیٹی کے ہاتھ میں آ کر ان کی خوبصورتی بڑھ گئی ہے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ پر پیار کیا۔

''یہ میری طرف سے تمہاری شادی کا تحفہ ہے۔ جلدی میں اور کچھ نہیں خرید سکا لیکن میرے پاس جو کچھ بھی ہے اور جتنا کچھ بھی ہے مجھ سمیت، میرے پیار سمیت وہ سب تم لوگوں کے لیے ہے، میرے بچوں کے لیے ہے۔'' انہوں نے پیار بھری نگاہیں اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ارتضٰی

بالکل خاموش بیٹھا، سنجیدگی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر حالات یوں نہ ہو گئے ہوتے تو میں تم دونوں کا بہت شاندار ولیمہ کرتا۔ سب لوگوں کو بلاتا۔ ملیحہ بھی کتنا خوش ہوتی اس فنکشن کو ہوتا دیکھ کر۔'' انہوں نے ایک سرد آہ بھری پھر کچھ سوچ کر فوراً ہی اپنا موڈ بدل کر دوبارہ سے مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

''خیر جو اللہ کی مرضی۔ ہمارے حق میں یقیناً اسی طرح ہونا بہتر ہوگا۔ میں اب تم سے اور ارتضیٰ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس گھر کی کھوئی ہوئی خوشیاں تم دونوں ہی نے لوٹانی ہیں۔ بہت رو لیے ہم لوگ، بہت سوگ منا لیا۔ بس اب اور نہیں۔ تم لوگ ہماری زندگی کا محور ہو۔ ہمیں ہمارے بچے خوش نظر آئیں گے۔ تو ہم بھی خوش ہوں گے صبا! تم لوگ اگر ہنسو گے تو ہم لوگ بھی ہنسیں گے۔'' ان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آئی تھی۔ لیکن انہوں نے کمال مہارت سے اسے ان دونوں سے چھپا لیا تھا۔ وہ مخاطب ان دونوں سے تھے، لیکن ان کی ساری توجہ صبا کی طرف تھی۔ بیٹے کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ اسے کچھ بھی سمجھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں۔ وہ اس کی طرف بہت غور سے دیکھ رہے تھے مگر وہ نظریں جھکائے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔ مزید کچھ کہنا انہیں بے موقع لگا، اسی لیے وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر صوفے پر سے اٹھ گئے۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ ان دونوں کو شب بخیر کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

ان کے باہر جاتے ہی ارتضیٰ بھی صوفے پر سے اٹھ گیا۔ وہ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے پاس آ کر کچھ پل کے لیے رکا۔ اس پر رکھی اپنی اور ثمن کی شادی کے دن کی تصویر کو اس نے بغور دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کی طرف بہت دکھ اور کرب سے دیکھ رہا تھا جسے وہ بڑی محبت سے آج سے کئی سال پہلے ایک روز اپنی زندگی میں شامل کر کے یہاں لایا تھا۔ اس لڑکی سے اس نے محبت کی تھی۔ بے تحاشہ اور والہانہ۔ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ ایسا کوئی دن اس کی اور ثمن کی زندگی میں آئے گا۔ جب کوئی تیسرا فرد ان کے درمیان جگہ بنا لے۔ چند لمحوں ہی میں اس نے ان گزرے وقتوں کی کتنی ساری باتیں یاد کر ڈالی تھیں۔ ان وقتوں کی جو اس نے اور ثمن نے مل کر گزارے تھے۔

''مجھے معاف کر دینا ثمن!'' اس نے بے آواز اسے مخاطب کیا اور پھر تصویر پر سے نظریں ہٹا لیں جسے نہ اس نے کبھی یہاں سے ہٹایا تھا اور نہ آئندہ کبھی ہٹانا چاہتا تھا۔ وہ پلٹا اور ماضی سے نکل کر حال میں آ گیا۔ اس حال میں جہاں وہ لڑکی اس کے کمرے میں اس کی بیوی کی حیثیت سے بیٹھی تھی۔ جسے اس نے کبھی بھی ان نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا لیکن اب اسے اس لڑکی کو ان نگاہوں سے دیکھنا تھا، اسے وہ مقام اور وہ عزت دینی تھی جو اس کا حق تھا۔ وہ لڑکی زندگی کے گزرے ماہ و سال میں کبھی اس سے محبت کر چکی تھی وہ یہ بات بھی جان چکا تھا اب اس کے دل میں اس کے لیے کیا ہے وہ نہیں جانتا تھا مگر وہ اس محبت سے آگاہ تھا جو برسوں پہلے صبا شفیق کے دل میں اس کے لیے موجود تھی۔ اس محبت کے ساتھ پھر کیا ہوا، اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ وہ ختم ہو گئی یا دل کے نہاں خانوں میں چھپا لی گئی۔ وہ اس کے دل، اس بھید سے انجان تھا، لیکن پلٹنے پر صرف ایک قدم اٹھاتے ہی اس کی صبا پر نظر پڑی تو اس کے چہرے پر بکھری وحشت دیکھ کر وہ کس قدر خائف ہو گیا۔

اس کے چہرے پر عجیب سی وحشت تھی، خوف تھا اور اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھی۔ وہ سامنے بیڈ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کس چیز سے ڈر رہی تھی۔ ارتضیٰ کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔ بے اختیار آگے بڑھ کر اس نے اسے آواز دی۔

''صبا! تم ٹھیک تو ہو۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے اس کا کندھا ہلکے سے ہلایا۔ اسے یوں ہلانے کی دیر تھی، وہ وحشت زدہ ہو کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر پوری قوت سے چلائی۔ وہ اس کے چلانے پر بوکھلا گیا۔

''صبا! کیا ہوا ہے؟'' اس کی چیخ کے آگے اس کا سوال بالکل دب گیا تھا، ارتضٰی نے اسے بہت زور سے جھنجھوڑا تھا۔

''صبا! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' اسے جھنجھوڑتے ہوئے وہ چلایا اور اس کے جھنجھوڑنے اور چلانے پر اس کی چیخ یکلخت ہی تھم گئی۔ وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے صوفے پر سے اٹھی اور پھر بھاگتے ہوئے کمرے کے دروازے سے نکل گئی۔ ارتضٰی نے باہر نکل کر اسے دیکھا وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

''مما! یہ آپ مجھے کس آزمائش میں ڈال گئی ہیں۔ میں وہاں کیسے جاؤں مما! وہاں ثمن کا خون ہی خون ہے۔ ثمن کا خون۔ اس کی لاش مجھے دیکھ رہی ہے طنزیہ نگاہوں سے۔''

''تو آخر آ گئی تم یہاں صبا شفیق!'' وہ بستر پر پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ وہ خوف اور وحشت سے لرز رہی تھی۔

''مما! آپ کو میری شادی کروانا تھی تو اور کسی سے بھی کروا دیتیں، میں کچھ بھی نہ کہتی مگر آپ نے میرے لیے اس شخص کا انتخاب کیا جس کے ساتھ میں مر کر بھی ایسا رشتہ نہیں جوڑنا چاہتی تھی۔ مما! آپ نے میرے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا۔ آپ کی خوشی صبا کو کتنا دکھ دے گی آپ نے یہ نہیں سوچا۔ اس ایک رات کی سزا اور کتنی کاٹنی ہو گی مجھے۔ کیا وہ رات میری زندگی سے نکل نہیں سکتی۔ ماضی کا ہر لمحہ مجھے قبول ہے۔ بس وہ رات اس میں سے نکل جائے اور ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر صبا مر جائے۔ میرے اللہ...... صبا کو موت دے دے، اسے زندگی سے نجات دے دے۔ اس شرمناک زندگی کی قید سے رہائی دے دے اسے، اس کے گناہ معاف کر دے۔'' زندگی میں دوسری مرتبہ وہ اپنے لیے اللہ سے موت مانگ رہی تھی۔ پہلی مرتبہ ثمن کے مرنے کے دوسرے دن مانگی تھی، تب اس دعا میں اتنی شدت نہیں تھی جتنی آج تھی۔

☆☆☆

فجر کا وقت ہونے میں کچھ ہی دیر رہ گئی تھی۔ وہ بیڈ پر جاگا ہوا بہت پریشان بیٹھا تھا اسے صبا کی فکر تو تھی لیکن اس سے بھی زیادہ بابا اور ڈیڈی کی فکر تھی۔ وہ انہیں اطمینان اور سکون دینا چاہتا تھا۔ صبا کی جو بھی پرابلم تھی، اسے وہ خود بالکل اکیلے سلجھانا چاہتا تھا۔ انہیں اب کسی مسئلے میں الجھانا اسے گوارا نہیں تھا مگر صبا کا رویہ اس کی اس سوچ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جیسے جیسے رات گزر رہی تھی، ویسے ویسے اس کی پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اگر صبح اٹھ کر بابا اور ڈیڈی کو یہ بات پتا چل گئی کہ صبا اپنے کمرے میں سوئی تھی تو وہ دونوں بہت زیادہ ڈسٹرب ہو جائیں گے۔ اس رشتے سے وہ دونوں کس قدر خوش تھے، وہ ان کی خوشیوں کو فکرات کی نذر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچانک ہی وہ کچھ سوچ کر سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے کمرے سے نکل کر وہ سیدھا صبا کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گیا اور آہستگی سے دروازہ واپس بند بھی کر دیا۔ وہ بیڈ کے بیچوں بیچ اوندھے منہ بالکل ساکت پڑی تھی۔ وہ اس کے پاس آیا اور بالکل آہستہ سے اسے آواز دی۔ وہ اس کی ایک کیا، دوسری اور تیسری پکار پر بھی یونہی ساکت پڑی رہی تھی۔ ارتضٰی کو یک دم ہی اس کی فکر لاحق ہوئی۔ وہ بے اختیار بیڈ پر بیٹھا اور کندھے

سے پکڑ کر اسے سیدھا کیا۔ وہ سو رہی تھی یا بے ہوش تھی، ایک نظر میں اسے اندازہ نہیں ہو سکا۔ بابا اور ڈیڈی سے ہٹ کر اب اس کی پریشانی کا رخ صبا کی طرف مڑ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ خواب میں بھی وہی منظر دیکھ رہی تھی جو ابھی چند گھنٹے پہلے اس نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ سرخ لباس، گہنوں اور پھولوں کی جگہ سفید کفن نے لے لی تھی۔ اس کمرے میں اب چاروں طرف خون تھا۔ وہ بہت زور سے چلائی تھی۔ بخار کی شدت کی وجہ سے اس سے آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں لیکن وہ آنکھیں کھولنا چاہتی تھی تاکہ اس بھیانک خواب سے چھٹکارا پا سکے۔ اسے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ کوئی بڑی آہستہ آواز میں اس کا نام لے رہا تھا، اس کے چہرے پر کسی کے بالکل ٹھنڈے ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔ اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ آنکھیں کھولنے پر نہ اسے کوئی پھول نظر آئے، نہ کوئی دلہن اور نہ ہی کوئی لاش اور خون۔ اس نے بہت طمانیت اور سکون کیا۔ شکر تھا کہ وہ اس ڈراؤنے خواب سے جلد بیدار ہو گئی تھی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو اب تم۔ بخار تو پہلے سے کم ہے۔" اس نے آواز کی طرف چونک کر دیکھا وہ اس کے بالکل قریب بیٹھا اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ بالکل ویسی ہی جیسی ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ یہ وہی تھا، اسے ابھی اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس نے فوراً ہی اسے دھکا دے کر اپنے پاس سے ہٹانا چاہا مگر وہ صرف اسے ہاتھ ہی لگا سکی۔ دھکا دینے جتنی طاقت اس کے جسم میں تھی ہی نہیں۔ بے بسی کے شدید احساس میں گھر کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"کچھ چاہیے صبا!" وہ اس کے ہاتھ لگانے پر یہی سمجھا کہ شاید اسے کچھ چاہیے۔

"آپ میرے کمرے سے چلے جائیں۔" اسے خوشی ہوئی، وہ کچھ اور نہیں کر سکتی، کم از کم بول تو سکتی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تمہیں بخار ہو رہا ہے۔" اس نے اسے بتانا چاہا۔

"مجھے جو بھی ہو رہا ہے، آپ یہاں سے جائیں۔" اس نے جواباً چلانے کی کوشش کی مگر زیادہ زور سے چلا نہیں سکی۔ اس نے اپنی آنکھیں اس طرح بند کی ہوئی تھیں جیسے اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ وہ ریشماں تھی، وہ اس کی آواز پہچان گئی تھی۔ وہ کچھ لے کر آئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں ارتضٰی سے کچھ بولی تھی۔

"ہاں یہ ٹرے یہاں ٹیبل پر رکھ دو۔" ارتضٰی نے اسے جواب دیا۔ ابھی شاید وہ واپس بھی نہیں گئی تھی کہ ایک دوسری آواز آئی۔ یہ ڈیڈی کی آواز تھی۔ ڈیڈی کی آواز سنتے ہی اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ اس کے بالکل قریب کھڑے بہت تشویش سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ارتضٰی انہیں بیٹھنے کے لیے جگہ دیتا خود اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا اس کے اٹھتے ہی وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ ارتضٰی بیڈ کے پاس ہی کھڑا انہیں اس کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ اس کی باتیں سنتے ہوئے دیکھ صبا کو رہے تھے، ان کی آنکھوں میں اس کے لیے بہت فکر تھی۔

"آپ صبا کو ناشتہ کروائیں ڈیڈی! میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" وہ ڈیڈی سے کہتے ہوئے کمرے سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے

کے بعد وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''طبیعت کیوں خراب کر لی بیٹا؟'' ٹرے سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر بیڈ پر رکھتے ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا۔ وہ جواباً خاموش رہی۔ وہ اب اس کے لیے سلائس پر مکھن لگا رہے تھے۔

''جیم بھی لگاؤں؟'' انہوں نے آہستگی سے پوچھا، اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ کل دوپہر اور رات کے کھانے میں اس نے صرف چند لقمے کھائے تھے اور اب اچانک ہی اسے بھوک کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے دودھ کا گلاس خالی کیا ہی تھا کہ بابا بھی کمرے میں آ گئے۔

''ہم لوگوں کو ڈرانے اور پریشان کرنے کے اہتمام ہو رہے ہیں۔'' انہوں نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہوتی زبردستی مسکرائی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بابا۔''

''ہاں۔ کتنی ٹھیک ہو، یہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔'' وہ بھی بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ بابا اور ڈیڈی دونوں کے چہروں پر اس کے لیے بہت ساری فکرمندی اور پریشانی تھی۔ وہ بظاہر اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے مگر ان کی آنکھوں سے فکر اور پریشانی جھلک رہی تھی۔

ارتضٰی دوبارہ کمرے میں آیا تو آفس کے لیے تیار ہو کر۔ ''میں آفس جا رہا ہوں بابا! آپ لوگ تو ہیں صبا کے پاس۔'' بابا نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی تو ان دونوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے اسے بھی خدا حافظ کہا۔

ڈیڈی مسلسل اس کے پاس بیٹھے رہے تھے۔ معاذ اسکول سے آ کر سیدھا اس کے پاس آ گیا۔ اس نے اسے لپٹا کر خوب پیار کیا۔ وہ اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے خوش ہو رہی تھی اور ڈیڈی اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد اس سے لپٹ کر سو گیا تھا۔ شام تک اس کی طبیعت کافی بہتر ہو چکی تھی۔

☆☆☆

رات کا کھانا ان سب نے حسب معمول ساتھ کھایا۔ وہ کھانے کی میز پر بالکل خاموش تھی۔ معاذ کی باتوں کا بھی ہوں، ہاں میں جواب دے رہی تھی۔ وہ محسوس کر سکتا تھا کہ یہ خاموشی بلکہ بیزاری صرف اور صرف اس کے لیے ہے، لیکن وہ انجان بنا، بابا کے ساتھ اپنی فیکٹری کے کچھ مسائل ڈسکس کرنے میں لگا ہوا تھا۔ کھانے کے فوراً بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ ڈیڈی اس کے کمرے میں آئے تھے اسے دوا کھلا کر اور پیار کر کے اپنے کمرے میں سونے چلے گئے تھے۔

وہ بیڈ پر خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ بے ساختہ چونکی۔

''آپ بغیر ناک کیے میرے کمرے میں کیوں آئے ہیں۔ آپ کے پاس اتنے میز بھی نہیں ہیں کہ کسی کے کمرے میں......'' وہ بہت غصے سے چیخی تھی مگر ارتضٰی نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر دروازہ واپس بند کیا اور اس کی بات کاٹتا ہوا بہت سکون سے بولا۔

''تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے، وہ ضرور کہو مگر آہستہ آہستہ آواز میں۔ تم چیخے بغیر بھی بولو گی تو میں تمہاری بات سن بھی لوں گا اور سمجھ بھی لوں گا۔''

وہ اب واپس اس کی طرف گھوم چکا تھا۔ بہت غصے میں اس نے بیڈ پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلایا۔ اس کا بیڈ پر بیٹھنے کا ارادہ دیکھ کر وہ اس کے بیٹھنے سے پہلے وہاں سے اٹھ گئی۔

''صبا! کیا ہم آرام سے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے۔'' اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اس رشتے سے پہلے بھی ہمارے درمیان بہت سارے رشتے تھے۔ کیا وہ سارے رشتے ختم ہو گئے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے۔ تم کس وجہ سے اتنی ٹینس ہو۔''

وہ بہت رسانیت سے اس سے مخاطب تھا۔ بیڈ پر بیٹھے ہوئے وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے کھڑی بہت غصے اور نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ سارے رشتے میں نے نہیں، آپ نے ختم کیے ہیں۔ آپ نے رکھا تھا یہ پرپوزل مما کے سامنے۔ اگر آپ یہ پرپوزل نہ رکھتے تو مما مجھے اس شادی کے لیے مجبور نہ کرتیں۔'' اس کے لہجے میں وہ تلخی، وہ کڑواہٹ تھی جو اس کے مزاج کا حصہ ہی نہیں تھی۔

''میری شادی کا ایشو اس طرح نہ اٹھتا اگر آپ نے خود کو مما کے سامنے پیش نہ کیا ہوتا اور اگر فرض کر لیں کہ اٹھتا بھی تو مما میرے لیے کہیں اور رشتہ ڈھونڈتیں۔ وہ آپ سے کبھی التجا نہ کرتیں۔ میری زندگی میں پیدا ہونے والی اس مصیبت کی وجہ آپ ہیں۔'' وہ اسی تلخی اور تنفر سے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں مان لیتا ہوں، ساری غلطی میری ہے لیکن تم یہ بھی تو سوچو کہ میری اس غلطی نے مما کو کتنا سکون دیا ہے۔ وہ اپنے منہ سے چاہے مجھ سے یہ بات نہ کہتیں مگر میں جانتا ہوں، وہ دل سے یہی چاہتی تھیں۔ پھر وہ دل کی بات زبان پر نہ لاتیں اور یہ خلش اپنے دل میں لیے ہی ہم لوگوں سے جدا ہو جاتیں۔ تمہیں اچھا نہیں لگتا یہ سوچ کر ہمارے اس رشتے نے مما کو کتنی بڑی خوشی دی ہے۔'' اس کا لہجہ ہمیشہ کی سی نرمی اور مٹھاس لیے ہوئے تھا۔ اس میں ذرا سا بھی غصہ اور ناراضی شامل نہیں تھی۔ وہ اس کی باتوں سے زیادہ اس کے لہجے پر مشتعل ہوئی۔

''یہ جو آپ میرے ساتھ بہت اچھے اور میٹھے بننے کی کوشش کرتے ہیں، بہت پولائٹ، بہت سوفٹ اسپوکن۔ مت بنا کریں، میرے سامنے اتنے اچھے۔ مجھے آپ کی اچھائیوں سے نفرت ہے۔ میری یہ بات آپ کان کھول کر سن لیں۔ مسٹر ارتضیٰ غضنفر! میں نے مما کی وجہ سے مجبوراً اس رشتے کے لیے ہامی بھری تھی لیکن میرا دل اس رشتے کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ مرتے دم تک نہیں، زندگی کی آخری سانس تک نہیں۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں، میں انکار نہیں کر سکتی۔ اب آپ میرے کمرے سے جا سکتے ہیں۔'' وہ اس پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈال کر اب دروازے کی طرف اشارہ کیے کھڑی تھی۔ گویا اسے باہر جانے کا راستہ بتا رہی ہو۔

''تم اس وقت بہت غصے میں ہو، ہم بعد میں بات کریں گے۔'' وہ جیسے کوئی فیصلہ کرتے ہوئے بیڈ پر سے اٹھا تھا۔

''آپ میرے ساتھ کبھی بھی بات کریں، میرا جواب ہمیشہ یہی ہوگا۔ میں کبھی بھی اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کروں گی۔''

''تمہاری علیحدگی کا فیصلہ ہم نے خوشی سے نہیں کیا تھا۔ بعض فیصلے کرتے وقت دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن پھر بھی ہمیں یہ فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ ایسا ہی فیصلہ وہ بھی تھا۔ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا تو ایسا میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔ اگر مجھے اس رشتے میں قبول کرنا تمہارے لیے مشکل

ہے تو میرے لیے بھی تمہیں اس بدلے ہوئے رشتے میں قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ میں نے کبھی تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھا۔ تم جانتی ہو، میں ثمن سے کتنی محبت کرتا تھا۔ اس کے بعد کسی دوسری عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا میرے پاس کوئی تصور ہی نہیں تھا اور دوسری بھی کوئی اور نہیں تم، مگر یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو مجھے ہم سب کی بہتری کے لیے کرنا پڑا۔ ہمارے اس گھر کے لیے، ہمارے والدین کے لیے، ان کی خوشیوں کے لیے۔'' وہ اس کے سامنے آ کر رک گیا تھا۔ ایک ایک لفظ اس نے بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔ یوں جیسے وہ ساری صورت حال اسے اچھی طرح سمجھانا چاہتا تھا۔

صبا کے چہرے پر موجود تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس پر اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس پر وہی سختی، وہی کھردرا پن اور وہی تلخی ابھی بھی موجود تھی۔ وہ اسی طرح دروازے کی سمت اشارہ کرتی اس کے باہر نکل جانے کی منتظر تھی۔ ارتضٰی کو ایسا لگا جیسے وہ کسی پتھر سے سر ٹکرا رہا ہے۔ وہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ارتضٰی کو اپنا مزید کچھ کہنا بالکل بے کار نظر آیا۔ وہ ہار ماننے والے انداز میں دروازے کی طرف چلا گیا۔ اسے کمرے سے نکلتا دیکھ کر وہ دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

وہ مرنا چاہتی تھی مگر کس طرح مرے؟ وہ زندگی کے پچھلے کئی سالوں سے اپنے آپ سے نفرت کرتی آ رہی تھی۔ مگر اب اپنے آپ سے یہ نفرت شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے نہ خود پر ترس آتا تھا، نہ خود سے ہمدردی ہوتی تھی۔ اسے بس خود سے نفرت ہوتی تھی۔ صرف اور صرف نفرت۔ پہلے سے بھی زیادہ شدید نفرت۔

☆☆☆

اسے یوں سب سے لاتعلقی اور بیگانگی کا رویہ اختیار کیے تقریباً ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ وہ سارا دن اپنے کمرے میں رہتی تھی۔ بابا اور ڈیڈی میں سے بھی کوئی اسے کھانے کے لیے بلانے آتا تو وہ سب کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کر دیتی۔ ریشماں کے ہاتھ اس کے کمرے میں کھانا بھجوایا جاتا، وہ کھانا کھا لیتی۔ ان کا خیال تھا چند دنوں تک ناراضی کا اظہار کرنے کے بعد خود نارمل ہو جائے گی مگر جب اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو ڈیڈی کی طرح بابا بھی اس بات کو سنجیدگی سے لینے پر مجبور ہو گئے۔ وہ اس کے پاس آئے، ہمیشہ کی طرح پیار بھرے لہجے میں وہ اسے سمجھانے لگے۔

''صبا! اس طرح کر کے تم ملیحہ کو تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اگر اس کی خوشی کی خاطر تم اس شادی کے لیے راضی ہوئی تھیں تو اب اس کی خوشی ہی کے لیے تمہیں اسے ماننا بھی ہوگا۔ تم نے اگر اپنی ماں کے لیے اپنے دل کی مرضی کے خلاف ایک فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اب اسے نبھاؤ بھی۔ ورنہ تمہارا ایثار اور نیکی ضائع ہو جائے گی۔'' وہ بے حسی سے بیٹھی انہیں بولتا سن رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔

''مجھے یاد ہے تم نے مجھ سے اس شادی کے لیے انکار کرتے ہوئے کیا کہا تھا۔ میں جانتا ہوں، تم ایسا نہیں چاہتی تھیں۔ تمہارے لیے ارتضٰی کو شوہر کی حیثیت میں قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ تبدیلی تمہارے لیے ناقابل قبول ہے۔ لیکن صبا! تم ارتضٰی کا بھی تو سوچو۔ تمہاری طرح اسے بھی تو یہ تبدیلی ڈسٹرب کر رہی ہوگی۔ اس نے بھی تو کبھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔ وہ اس تبدیلی کو قبول کر سکتا ہے تو تم کیوں نہیں۔ کوشش تو کرو بیٹا! میری بات مان کر دیکھو، کچھ وقت لگے گا، لیکن آہستہ آہستہ تم اس تبدیلی کو قبول کر لو گی۔ خود کو یوں سب سے الگ تھلگ نہ رکھو۔ ارتضٰی کے ساتھ وقت گزارو، باتیں کرو پہلے کی طرح۔ وہ تمہارا کزن بھی تو ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ انسان کے دل کو اللہ نے بڑا عجیب بنایا ہے، وہ

تبدیلیوں کو قبول کر لیتا ہے۔ وہ تمہارا بہنوئی کبھی تھا، اب نہیں ہے جب بہن نہیں رہی تو وہ رشتہ خود بخود ہی ختم ہو گیا۔'' انہوں نے بڑی بردباری اور متانت سے اسے قائل کرنا چاہا مگر وہ قائل ہونے کے موڈ میں تو ہوتی۔ وہ اسی لاتعلقی سے خاموش بیٹھی تھی۔ بابا نے خود کو بہت بے بس محسوس کیا تھا۔

ارتضیٰ، بابا اور ڈیڈی کی پریشانی دیکھ رہا تھا۔ ڈیڈی جو مما کے بعد سے بہت خاموش اور بجھے ہوئے رہنے لگے تھے۔ اچانک ہی وہ مایوس بھی نظر آنے لگے تھے۔ وہ بابا اور ڈیڈی کی وجہ سے آفس کے بعد شام کا پورا وقت گھر پر گزارنے لگا تھا، لیکن اس کی یہ تمام کوششیں بھی اس گھر کی خاموشی اور ویرانی کو دور نہیں کر پائی تھیں۔ اس گھر سے ماں کیا گئی تھی، اپنے ساتھ ساری رونقیں بھی لے گئی تھی۔ وہاں سے عورت کا وجود ہر روپ اور ہر رشتہ میں ختم ہوتا جا رہا تھا۔ وہاں اداسیوں اور ویرانیوں نے قدم جما لیے تھے۔ معاذ اس کے پاس جاتا تو وہ اسے جھڑک کر بھگا دیتی۔ وہ اس کی ڈانٹوں اور جھڑکیوں کے باوجود بھی اس کے پاس جانا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بچہ ماں کی ڈانٹ اور مار پر روتا اس کی گود میں منہ چھپا کر ہے۔ وہ اس کے لیے اس کی ماں کی طرح ہی تھی۔ صرف ایک سال کی عمر میں اس سے سگی ماں چھن گئی تھی۔ ماں کے بعد وہ دوسرا لمس جو بالکل ماں جیسا ہی لگتا تھا، وہ اسی کا تھا۔ وہ اس سے خفا تھا، اس کے رویے پر اس سے بدظن تھا، لیکن پھر بھی وہ اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

ارتضیٰ آفس کے کام سے لاہور اور اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ وہاں سے دو دن بعد اس کی واپسی ہوئی تو اسے بابا کی زبانی ڈیڈی کی طبیعت کے بارے میں پتا چلا۔ ان کا بلڈ پریشر بہت بڑھا ہوا تھا۔ بابا ان کی طرف سے فکرمند تھے۔ ڈاکٹر کے پاس جانے اور دوا لینے سے بظاہر ان کا بی پی نارمل ہو گیا تھا۔ مگر جو پریشانی انہیں لاحق تھی، ان کے ساتھ اس کا زیادہ دیر تک نارمل رہنا ممکن نہیں تھا۔ ارتضیٰ ان کی پریشانی اور بیماری کی وجہ سمجھتا تھا۔ پے در پے غموں نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔

کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ روزانہ کی طرح صبا کے کمرے میں گئے تھے۔ ارتضیٰ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا رہا تھا جب اس نے ڈیڈی کو صبا کے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ڈیڈی صبا کے پاس سے آ جائیں پھر وہ ان کے پاس آ جائے گا۔ وہ ان کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ کرنا چاہتا تھا۔

بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر سے وہ کتاب اٹھائی جو پچھلے دس بارہ دنوں سے اس کے زیر مطالعہ تھی۔ اسے رات میں کچھ نہ کچھ پڑھ کر سونے کی عادت تھی اور یہ کتاب آج کل اس کی بیڈ بک بنی ہوئی تھی۔ ابھی اس نے بمشکل ایک پیراگراف ہی پڑھا تھا کہ اسے صبا کی آواز آئی۔ وہ زور سے چلائی تھی۔ ارتضیٰ کتاب بیڈ پر رکھتے ہوئے گھبرا کر اٹھا۔ اگر اس نے ابو سے کچھ الٹا سیدھا بول دیا تو ان کی طبیعت فی الحال ایسی نہیں ہے کہ وہ اسے برداشت کر سکیں۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے میں آیا تھا۔

''جسے دیکھو مجھے سمجھانے اور نصیحتیں کرنے چلا آتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، آپ لوگ مجھ سے آخر چاہتے کیا ہیں؟'' وہ بہت چڑچڑے انداز میں بڑی تلخی سے بول رہی تھی۔ ڈیڈی بیڈ پر بیٹھے تھے اور وہ سامنے دیوار کے پاس کھڑی تھی۔ ڈیڈی نے اس سے کیا کہا ہوگا، وہ نہیں جانتا تھا، لیکن جواب میں جو کچھ وہ بول رہی تھی، اسے وہ سن رہا تھا۔ اسے کمرے میں آتا دیکھ کر وہ ذرا بھی نہیں چونکی تھی۔

''میری شادی آپ لوگوں نے اپنی پسند سے کی تھی۔ جہاں آپ لوگوں نے کہا، میں نے شادی کروالی۔ آپ لوگوں نے میرے لیے صحیح شخص کا انتخاب نہیں کیا۔ یہ غلطی آپ لوگوں کی تھی، میرا اس میں کیا قصور تھا، لیکن اس کی سزا مجھے ملی۔'' اس کے لہجے کی گستاخی نے ارتضیٰ کو خون کھولا دیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا اور بے اختیار اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔

''تم تمیز تہذیب سب بھول چکی ہو۔ تمہیں اتنا لحاظ نہیں کہ اس وقت تم اپنے باپ سے مخاطب ہو۔'' وہ اتنی زور دے دھاڑا تھا کہ اپنے کمرے میں سونے کے لیے لیٹے ہوئے بابا بھی چونک گئے تھے۔ وہ تھپڑ لگنے پر ایک دم خاموش ہوگئی تھی۔ اپنے بائیں گال پر ہاتھ رکھے وہ سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔ ڈیڈی بیڈ پر سے یک لخت اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے نہ ارتضیٰ کو کچھ کہا اور نہ صبا کو۔ وہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''کیا ہوا ہے شفیق!'' بابا بوکھلائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

''کچھ نہیں۔'' وہ مختصراً جواب دے کر کمرے سے نکل گئے۔ انہوں نے نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں پہلے ڈیڈی کو دیکھا اور پھر ارتضیٰ اور صبا کو۔

''صبا! اگر ڈیڈی کو کچھ ہوا ناں تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ اسے وارننگ دیتا دروازے کی طرف بڑھا۔ بابا اس کی بات سن کر اس سے بھی پہلے کمرے سے نکل کر ڈیڈی کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ ارتضیٰ بھی ان کے پیچھے پیچھے ڈیڈی کے کمرے میں آیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' ان دونوں کو متفکر دیکھ کر وہ یقین دلانے کے لیے مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ اس کی فکر کیوں کرتے ہیں ڈیڈی! اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں، آپ اس کے لیے خود کو بیمار مت کریں پلیز۔'' وہ ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔ وہ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے مسلسل مسکرا رہے تھے۔ بہت دیر تک وہ اور بابا وہیں بیٹھے ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے۔ صبا کے بارے میں بات کرنے کے علاوہ وہ لوگ باقی ہر موضوع پر بات کر رہے تھے۔

''ارتضیٰ! تم جاؤ، رات کافی ہوگئی ہے۔ میں ہوں شفیق کے پاس۔ ہم دونوں بھائی ابھی جاگ کر بہت ساری باتیں کریں گے۔'' بابا نے گھڑی میں ایک بجتا دیکھ کر اسے سونے کے لیے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے ان دونوں کو شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل آیا۔ بجائے اپنے کمرے میں جانے کے وہ لان میں آگیا تھا وہ بہت مضطرب تھا، یونہی لان میں بے چین پھرتے اسے دو ڈھائی گھنٹے گزر گئے تھے مگر اس کی بے چینی ختم نہیں ہوئی تھی۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں ایک زوردار تھپڑ ماروں تو تم جواب میں کیا کرو گی؟'

''آپ مجھے کبھی مار ہی نہیں سکتے۔''

''بھئی فرض کرلو۔''

''مجھے بہت دکھ ہوگا، میں رووں گی۔''

''اوہ میرے خدا۔'' وہ اچانک ہی اپنا سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے صبا کو تھپڑ مارا ہے۔ اس کے یقین کو بے یقین کیا ہے۔ کتنا یقین تھا اسے اس بات پر کہ وہ اسے کبھی مار نہیں سکتا۔ وہ اسے کبھی کوئی دکھ نہیں دے سکتا اور آج وہ اسے دکھ دے آیا تھا۔

''مجھے بہت دکھ ہوگا، میں رودُوں گی۔'' کیا اس وقت وہ رو نہیں رہی ہوگی؟ وہ ایک دم ہی کرسی پر اٹھ گیا اور تیزی سے درمیانی راستہ عبور کر کے گھر کے اندر آگیا۔ اس کا رخ صبا کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ جس دیوار کے ساتھ اس وقت کھڑی ہوئی تھی، اب اسی سے کمر ٹکائے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ وہ اس کے پاس آگیا، کارپٹ پر وہ اس کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''آئم سوری صبا!'' اس نے اس کے سر پر ہلکے سے ہاتھ رکھا۔ اسے یہ بات یاد نہیں آ رہی تھی کہ سوری اسے نہیں، صبا کو بولنا چاہیے۔ اپنے پچھلے تمام رویوں پر، اس گھر کے ہر فرد سے۔ خاص طور پر ڈیڈی سے۔

''مجھے تمہارے ساتھ اس طرح مس بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ گھٹنوں پر سے اس کا سر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میں نے بہت غلط حرکت کی ہے۔ اپنی اس بدتمیزی کی میری پاس کوئی وجہ نہیں ہے۔'' وہ رو نہیں رہی تھی، دکھ بھی اس کی آنکھوں میں پتا نہیں تھا کہ نہیں لیکن وہ اس کے بائیں گال پر سرخی تو دیکھ رہا تھا۔ اسے خود پر نئے سرے سے غصہ آیا۔

تھوڑی دیر یونہی اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بالکل اس کی طرح دیوار سے ٹیک لگا کر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''صبا! تمہیں پتا ہے، ہمارے ماں باپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بہترین انعام ہوتے ہیں۔ تم نے ماں کھوئی ہے، بہت چاہنے والی ماں۔ کیا تم اس بات کا حوصلہ رکھتی ہو کہ باپ کو بھی کھو دو۔ باپ جیسا پیار کرنے والے بابا کو کھو دو۔ مجھے اب بہت برے برے خیالات آنے لگے ہیں۔ اپنے اتنے پیاروں کو جس طرح آناً فاناً رخصت ہوتے دیکھا ہے نا صبا! اس سے میں بہت ڈر گیا ہوں۔ پہلے ثمن پھر اماں اور اب مما۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے صبا! کیا تمہیں نہیں لگتا؟ ہمارے لیے دعائیں کرنے والے سب لوگ آہستہ آہستہ رخصت ہوتے چلے جا رہے ہیں صبا! یہ محبت انمول ہے۔ ہم ان لوگوں میں سے کیوں بنیں جو والدین کی قدر و منزلت ان کی زندگی میں نہیں پہچانتے، ان کے مرنے کے بعد پہچانتے ہیں۔ بعد میں پچھتانے سے کیا حاصل۔ والدین سے محبت کرنی ہے، ان کی عزت کرنی ہے، ان کی قدر کرنی ہے تو ان کی زندگی میں کرو۔ صبا! ہمارے پاس گنوانے کے لیے بہت کچھ اب بچا ہی نہیں ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے، کہیں یہ بے لوث اور انمول چاہت ہم سے چھن نہ جائے۔ ہمارا کوئی رویہ ایسا نہ ہو جو اس طرح ان کا دل دکھائے کہ وہ دنیا ہی سے منہ موڑ جائیں۔'' وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی ہلکی تھی جیسے وہ سرگوشی کر رہا ہو۔ جملے کے اختتام پر جو اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا تھا، اس پر اس نے ایک دم چونک کر کارپٹ سے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ وہی چھوٹی سی ضدی سی صبا تھی اور وہ وہی میچور سا ارتضیٰ۔ درمیان کے تمام سال جیسے کہیں غائب ہو گئے تھے۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

'تم اس رشتے کو تسلیم نہیں کرتیں۔ میں اسے ماننے کے لیے تمہیں کبھی مجبور بھی نہیں کروں گا، لیکن صبا! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ بات صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے۔ تمہارے لیے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ میں تمہاری ناپسندیدگی سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ کیا تم بابا اور ڈیڈی کی خاطر ان کی خوشی کے لیے، ان کی صحت اور ان کی سلامتی کے لیے انہیں یہ تاثر نہیں دے سکتیں کہ تم نے اس شادی کو قبول کر لیا ہے۔ ہم یہ راز کیا صرف خود تک محدود نہیں رکھ سکتے؟'' وہ دوبارہ اسی ہلکی آواز میں بول رہا تھا۔ اس نے صبا پر سے نظریں ہٹالی تھیں لیکن وہ

اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''صبا! بابا اور ڈیڈی مجھے بہت عزیز ہیں، تمہیں بھی ہیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا صبا! تو ہم کیا کریں گے؟'' اس کے چہرے پر اداسی اور فکر مندی چھائی ہوئی تھی۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ ان دونوں کے درمیان آیا تھا۔ دیوار پر لگا کیلنڈر شاید ہوا سے ہلا تھا، اس کے ہلنے پر وہ دونوں چونکے تھے۔ گھڑی صبح کے ساڑھے چار بجا رہی تھی۔ وہ بغیر کچھ کہے اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ اس نے صبا سے اپنی کسی بات کا جواب نہیں مانگا تھا۔ اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ اس کی بات سے اتفاق کرتی ہے یا نہیں، لیکن اسے جواب کا انتظار تو تھا اور یہ انتظار زیادہ لمبا بھی نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

بابا نے روزانہ کی طرح ریشماں سے اسے ناشتے کے لیے بلوایا تھا، وہ منع کر دیا کرتی تھی مگر وہ اسے بلاناغہ ترک نہیں کرتے تھے۔ حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساسات سے وہ اس وقت دوچار ہوئے جب ان کے بلانے پر وہ بہت ہچکچائے ہوئے انداز میں ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔ کسی کی بھی طرف دیکھے بغیر اس نے سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر شرمندگی اور ندامت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ نہ بابا کی طرف دیکھ رہی تھی اور نہ ڈیڈی کی طرف۔ بابا اس کی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اس طرح ظاہر کرنے لگے جیسے ان دنوں میں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''آج تم بھی ہمارے ساتھ صحیح سے ناشتہ کرو صبا! خالی دودھ میں بھی کوئی مزا ہے۔'' انہوں نے اس کے سامنے آملیٹ کی پلیٹ رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے پلیٹ اپنے سامنے کر لی اور آملیٹ کھانے لگی۔ ڈیڈی گاہے گاہے اس کی طرف دیکھ تو ضرور رہے تھے، لیکن انہوں نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ چھٹی کا دن تھا، اس لیے نہ بابا اور ارتضٰی کو آفس جانے کی فکر تھی اور نہ معاذ کو اسکول کی ٹینشن۔ ناشتہ کرتے ہوئے اخبار سامنے پھیلائے ارتضٰی، معاذ کو اخبار کے اسپورٹس کے صفحے میں سے اس کی پسند کی خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا۔ وہ اپنے پسندیدہ کھلاڑیوں کی تصویریں دیکھتا ہوا ان کے متعلق دی گئی خبر سننا چاہتا تھا۔ ارتضٰی دل ہی دل میں اصل جملہ پڑھتے ہوئے اسے آسان لفظوں میں ایسا کہ وہ اسے سمجھ سکے، بناتے ہوئے سنانے میں مصروف تھا۔ ارتضٰی اسے دیکھ کر کسی قسم کی حیرت یا خوشی کا اظہار کیے بغیر معاذ کے ساتھ مصروف رہا۔ بابا البتہ صبا کی طرف پوری طرح متوجہ تھے۔ متوجہ تو ڈیڈی بھی تھے، لیکن وہ بول کچھ نہیں رہے تھے۔

''کیا خیال ہے آپ سب لوگوں کا، آج کہیں گھومنے نہ چلیں۔'' ناشتہ ختم کر کے سب اٹھنے والے تھے جب ارتضٰی نے بیک وقت سب کو مخاطب کیا۔

''چلیں پاپا!'' سب سے پہلے جواب معاذ کو ہی دینا چاہیے تھا اور اس نے دیا بھی تھا۔

''کیا خیال ہے تمہارا صبا! موڈ ہے تمہارا چلنے کا؟'' ارتضٰی نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔ اپنی اسی ٹون میں جس میں وہ اس سے بات کیا کرتا تھا، اس نے جواباً سر ہلا دیا تھا۔ بابا کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ ایک ہی رات میں کایا پلٹ ہو گئی، وہ حیران تھے۔ رات میں صبا نے باپ سے کتنی بدتمیزی کی تھی، بابا کو وہ بات اچھی طرح یاد تھی۔ معاذ اور صبا کی طرح بابا بھی جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے، لیکن ڈیڈی کا جانے کا موڈ نہیں تھا۔ وہ

تفریح کے نام سے بیزار نظر آ رہے تھے۔
''تم لوگ جاؤ ارتضٰی! میرا موڈ نہیں ہے۔'' وہ منع کرتے ہوئے کرسی پر سے اٹھنے لگے تو وہ آہستہ آواز میں جھجکتے ہوئے بولی۔
''ڈیڈی! آپ بھی چلیں پلیز۔'' اس کی نظریں ٹیبل پر جمی تھیں، لیکن وہ مخاطب ان سے تھی۔
''اب تو چلو اور کتنی منتیں کرواؤ گے۔'' بابا نے انہیں مصنوعی خفگی سے گھورا۔ ان کی آنکھوں میں اشارہ تھا کہ وہ پہلے ہی بہت شرمندہ نظر آ رہی ہے، اسے مزید شرمندہ مت کرو۔ ڈیڈی ان کی بات مانتے ہوئے جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے، لیکن ان کا جانے کا دل ابھی بھی نہیں چاہ رہا تھا۔
صبا کی رات کی باتوں سے انہیں سخت تکلیف پہنچی تھی۔ کیا وہ اب اسے بٹھا کر یہ بتائیں کہ انہیں اس سے بہت محبت ہے، اپنی جان سے بھی زیادہ۔ اپنی جان کے بدلے بھی اگر انہیں اس کے لیے خوشیاں خریدنی پڑ جائیں تو وہ خرید لائیں گے۔
ارتضٰی اور معاذ جلدی جلدی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ معاذ نے بھاگتے دوڑتے اپنا بیٹ، بال، فٹ بال اور دیگر کھیلنے کا سامان گاڑی میں رکھا تھا۔ وہ بے تحاشہ خوش تھا۔ وہ سب گاڑی میں بیٹھے تو اسے گاڑی میں فاسٹ میوزک چاہیے تھا۔
''تھوڑی دیر رہیں گے سمندر پر پھر اس کے بعد ہم لوگ کسی اچھی سی جگہ پر لنچ کرنے جائیں گے۔ تمہیں بتا رہا ہوں معاذ! جب واپس چلنے کو کہوں تو فوراً مان جانا۔'' ارتضٰی نے کیسٹ لگاتے ہوئے اسے وارننگ دی تو اس نے جھٹ گردن ہلا دی۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر معاذ کے برابر میں بیٹھی تھی۔ وہ چہرے پر حیرت کا بہت واضح تاثر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا، لیکن وہ اس سے بات کیے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا۔
''آپ ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلیں گی؟''
''لڑکیاں کرکٹ نہیں کھیلتیں۔ تم بابا لوگوں کے ساتھ کھیلنا، میں تمہیں کھیلتے ہوئے دیکھوں گی۔'' اس نے بغیر جھڑکے اس کی بات کا جواب دیا۔ اگرچہ لہجے میں وہ شوخی اور وہ شرارت نہیں تھی جو اس سے بات کرتے وقت خود بخود ہی پیدا ہو جایا کرتی تھی لیکن سختی اور کرختگی بھی نہیں تھی۔
وہ لوگ ساحل پر آ گئے تھے۔ بابا، ارتضٰی اور معاذ کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھے۔ جتنی تیزی سے معاذ کے موڈز تبدیل ہو رہے تھے، اتنی تیزی سے ان کے کھیل بھی تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ اسے اتنی سی دیر میں ڈھیر سارے کھیل کھیلنے تھے۔ ڈیڈی، بابا اور معاذ کے بلانے پر بھی کھیلنے کے لیے نہیں اٹھے تھے۔
''میں اور صبا تماشائی ہیں۔'' انہوں نے معاذ سے کہا۔ وہ ان لوگوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور وہ ان کے برابر میں بیٹھی خود ان کو۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ان سے معاف مانگنے کی۔ وہ بس خاموشی سے انہیں تکے جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ رشتہ بہت انمول اور بہت قیمتی ہے۔ اگر ایک بار کھو جائے تو پھر دنیا کی بھیڑ میں دوبارہ کبھی ملتا نہیں ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہے تھے مگر پھر بھی اس کے احساسات سے بخوبی آگاہ تھے۔ باپ تھے اس کے، اس کی شرمندگی اور آنکھوں کی التجا بغیر دیکھے بھی محسوس کر سکتے تھے۔ وہ اس انتظار میں بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے کہ وہ معافی مانگے گی تو میں تب ہی معاف کروں گی۔ بغیر کچھ کہے انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کے اس طرح کرنے سے اس کی ہمت بندھی تھی۔

''ڈیڈی! اگر میں آپ سے معافی مانگوں تو آپ مجھے معاف کر دیں گے؟''

''میں تمہیں بغیر معافی مانگے بھی معاف کر دوں گا۔ کر دوں گا کیا، کر دیا ہے۔'' وہ جواباً سنجیدگی سے بولے۔

''میں تم سے ناراض تھا بھی نہیں صبا! بس مجھے دکھ ہوا تھا تمہاری باتوں سے لیکن اب وہ بھی ختم ہو گیا ہے۔'' اب کی بار وہ ہلکا سا مسکرائے بھی۔

''تمہیں کیسا لگ رہا ہے صبا! سب کے ساتھ آنا، گھومنا، انجوائے کرنا۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے ڈیڈی!'' وہ بھی مسکرائی۔

''مجھے بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے، ہماری زندگیوں کی اداسی اور مایوسی کی جگہ اچانک ہی خوشی اور امید نے لے لی ہے۔'' مما کے بعد وہ کتنے تنہا ہو گئے تھے، صبا اندازہ کر سکتی تھی۔

ارتضیٰ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے واپسی کا اعلان کیا تو معاذ کو وعدہ کر لینے کی وجہ سے بغیر منہ بنائے اور روئے واپسی کے لیے ماننا پڑا۔ ورنہ دل تو ابھی بھی نہیں چاہ رہا تھا واپس جانے کو۔ بابا کا کہنا تھا۔ ''اب یہ حلیے کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں جانے والے نہیں رہے، اس لیے لنچ گھر پر ہی جا کر کیا جائے۔'' ارتضیٰ نے راستے میں گاڑی روک کر برگرز اور بروسٹ وغیرہ لے لیے تھے۔ گھر آ کر نہانے اور کپڑے بدلنے کے فوراً بعد ہی سب کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ وہ بہت زیادہ نہیں بول رہی تھی، لیکن وہ سب کے ساتھ شریک تھی۔ اسے خود سے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ان سب کے چہروں کا یہ اطمینان اور یہ خوشی اس کے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔

لنچ کے بعد بھی وہ بابا اور ڈیڈی کے ساتھ بیٹھی رہی۔ ارتضیٰ اپنے کمرے میں غالباً سونے کے لیے چلا گیا تھا جب کہ معاذ اپنی کھیلوں اور شرارتوں میں مصروف تھا۔ وہ دونوں پچھلے تمام دنوں کی کسی بات کا حوالہ دیے بغیر اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کے موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہ بول کم رہی تھی، سن زیادہ رہی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد وہ، ارتضیٰ اور بابا کے سونے کے لیے چلے جانے کے بعد بھی ڈیڈی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی رہی۔ اس نے اپنے اور ان کے لیے چائے بنائی۔ چائے پی کر جب وہ اپنے کمرے میں جانے کے ارادے سے اٹھے تو وہ بھی ان کے ساتھ اٹھ گئی۔ وہ دونوں ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آئے۔ ڈیڈی کا کمرہ سب سے پہلے اور بالکل سامنے تھا۔ وہ اسے پیار کر کے شب بخیر کہتے اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے لگے تو انہیں حیرت کا شدید جھٹکا تھا وہ دروازہ کھولتے ہوئے یونہی بے دھیانی میں اسے دیکھ رہے تھے کہ اس کو اپنے کمرے کے بجائے ارتضیٰ کے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر انہیں چونک جانا پڑا۔ وہ دروازے پر ہاتھ رکھے انتہائی بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بہت دیر بعد جب وہ خود کو یقین دلانے میں کامیاب ہوئے تو انہوں نے اپنے دل میں ایسی خوشی پیدا ہوتی پائی جو بہت عرصہ سے دل سے روٹھی ہوئی تھی۔ ارتضیٰ نے ایسا اس سے کیا کہا تھا جو وہ ایکا ایکی بدل گئی، وہ نہیں جانتے تھے لیکن اتنا تو جانتے تھے کہ زندگی میں سب کچھ اگر ٹھیک نہیں بھی ہوا ہے تو ٹھیک ہونا شروع ضرور ہو گیا ہے۔

☆☆☆

وہ دروزہ پر دستک دیے بغیر اندر آنے پر سخت شرمندہ تھی۔ ارتضٰی نے دروازہ کھلنے کی آواز پر کتاب پر سے نظریں ہٹا کر فوراً سامنے دیکھا تھا۔ وہ دروازے کے پاس ہی رک گئی تھی۔ اس نے اپنے قدم مزید آگے نہیں بڑھائے تھے۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی اور نروس لگ رہی تھی۔ وہ اس کی گھبراہٹ اور شرمندگی فوراً محسوس کر گیا۔

''آؤ صبا! بیٹھو۔'' اس کے چہرے پر بہت خوشگوار سی دوستانہ اور خیر مقدمی مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کے کہنے کے باوجود آگے نہیں بڑھی۔ وہ نہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور نہ کمرے کی طرف۔ وہ سر جھکا کر اپنے پیروں کو گھور رہی تھی۔

''بیٹھ جاؤ صبا!'' اس نے دوبارہ بڑی نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کی پریشانی اور گھبراہٹ سمجھ سکتا تھا۔ اسے اس کے ہاتھوں کی لرزش بھی بہت واضح نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑے ہوئے تھے، لیکن ان کی وہ خفیف سی کپکپاہٹ اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ اسے اس الجھن اور پریشانی سے نکالنے کے لیے مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کہاں پر سوؤ گی تم۔ ایسا کرو تم بیڈ پر سو جاؤ، میں صوفے پر سو جاتا ہوں۔ کل تک پھر خوب تفصیلی غور و فکر کر کے میں اس مسئلے کا کوئی مستقل حل تلاش کر لوں گا۔'' یہ جیسے کوئی بہت عام سی سچویشن تھی اور وہ اسے بڑے ہلکے پھلکے اور پرسکون انداز میں لے رہا تھا۔

''میں آپ کی اسٹڈی میں سو سکتی ہوں؟'' اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھا۔ اس نے ایک بار پھر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''اسٹڈی میں......؟ لیکن......'' اسے فوراً ہی اس بات کا خیال آ گیا تھا کہ اسے اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں کرنا۔

''ٹھیک ہے، پھر یوں کر لیتے ہیں کہ اسٹڈی میں، میں سو جاتا ہوں۔ تم کمرے میں سو جاؤ۔'' وہ کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔

''نہیں، اسٹڈی میں، میں سوؤں گی۔'' اس کے لہجے میں اچانک ہی ضد سی پیدا ہو گئی تھی۔

''لیکن تم وہاں پر کیسے سوؤ گی صبا! وہاں سونے کی جگہ کہاں ہے اور پھر ویسے بھی یہ بہت بری بات ہے کہ میں یہاں اطمینان سے بیڈ پر سوؤں اور تم اسٹڈی میں بے آرام رہو۔'' یہ سوچ لینے کے باوجود کہ اسے صبا کی کسی بات پر اعتراض نہیں کرنا، وہ اس بات پر خود کو اعتراض کرنے سے روک نہیں پایا۔

''مجھے کوئی بے آرامی نہیں ہو گی۔'' وہ بے لچک اور دوٹوک انداز میں بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے جیسے تم خوش۔'' وہ بحث ترک کر کے ہار ماننے والے انداز میں بولا۔ اس نے اسٹڈی کی طرف قدم بڑھائے تو وہ بے ساختہ اسے آواز دینے پر مجبور ہوا۔

''یہ تو لے جاؤ۔'' اس نے بیڈ سے تکیہ اور چادر اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے خاموشی سے وہ دونوں چیزیں لے لی تھیں اور پھر مزید ایک سیکنڈ بھی وہاں رکے بغیر کمرے سے ملحق اسٹڈی میں آ گئی۔ یہ ارتضٰی کی ذاتی اسٹڈی تھی۔ اس کا ایک دروازہ اس کے کمرے میں کھلتا تھا اور

ایک باہر کوریڈور میں۔ وہ بہت سالوں میں یہاں آئی تھی۔ یہاں کا پورا نقشہ اسے بدلا ہوا نظر آیا۔ آخری بار شاید وہ اسے یہاں پر کافی دینے آئی تھی۔ اس وقت جب ثمن اور ارتضٰی کی منگنی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اسٹڈی کے بیچوں بیچ کارپٹ پر تکیہ اور چادر رکھ کر وہ لیٹ گئی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی، لیکن وہ خود کو یہ بات یاد دلا کر کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے اس اقدام نے ڈیڈی کو کس قدر خوشی دی ہے، نیند کو بلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو تھوڑی دیر وہ یونہی لیٹی اسٹڈی کی دیواروں اور چھت کو گھورتی رہی۔ وہ عجیب سے احساسات سے دوچار ہو رہی تھی۔ اس تبدیلی کو قبول کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ وہ تکیہ اور چادر اٹھا کر اسٹڈی سے نکل کر کمرے میں آئی تو کمرہ خالی پڑا تھا۔ اسے وہاں سے ارتضٰی کی غیر موجودگی بڑی اچھی لگی۔ باہر آتے ہی یوں لگا جیسے اسے کسی قید سے رہائی ملی ہے۔ بابا اور ڈیڈی لاؤنج میں بیٹھے اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے آپس میں مختلف خبروں پر تبادلہ خیال بھی کر رہے تھے وہ ان دونوں کو سلام کرتے ہوئے کچن میں آ گئی۔ آج بہت دنوں بعد بلکہ ایک طویل عرصہ بعد اس کا اپنے گھر والوں کے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنانے کا دل چاہ رہا تھا۔ ریشماں اسے کچن میں آتے اور پھرتی پھرتی سے کام کرتے دیکھ کر بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔

''آج گھر میں بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بڑی رونق لگ رہی ہے۔'' وہ کچھ جھجکتے ہوئے اپنے دل کی بات اس سے کہہ گئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے ساتھ لگائے ناشتے کی تیاری میں مصروف رہی۔ ریشماں سے ناشتہ لگواتے ہوئے اس نے ندیم سے سب کو بلا کر لانے کے لیے کہا۔ وہ کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں سب آ چکے تھے۔

''آج تو کچن سے خوشبوئیں ہی الگ طرح کی آ رہی تھیں۔'' بابا اسے دیکھ کر شوخی سے بولے۔

''آج ناشتہ میں نے بنایا ہے۔'' وہ جواباً مسکراتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''تم نہ بھی بتاتیں، تب بھی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے مجھے صرف خوشبو ہی سے پتا چل گیا تھا کہ آج کچن کو کس نے رونق بخشی ہوئی ہے۔'' وہ شرارتی موڈ میں تھا۔

''صبا کے پکائے ہوئے کھانوں میں کچھ الگ خوشبو ہوتی ہے بابا!'' ارتضٰی نے اخبار سے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''صرف صبا کے کھانوں میں نہیں بلکہ ہر بیٹی کے، ماں کے، بہن کے، بیوی کے کھانوں کی خوشبو ایسی ہی ہوتی ہے یہ خوشبو تو رشتوں کی ہے۔ ان کی تیاری میں محنت کے ساتھ ساتھ محبت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ خوشبو محبت کی خوشبو ہے۔'' انہوں نے پیار بھری نگاہ صبا پر ڈالی۔

''بابا! آپ نے صبح صبح ادبی قسم کی گفتگو کرنا شروع کر دی ہے۔ بائی دا وے بابا! جن کے گھروں کی خواتین پھوہڑ ہوتی ہیں، کیا ان کے کچن میں سے بھی محبت کی یہی خوشبو آتی ہے؟'' ارتضٰی، بابا کو چھیڑ رہا تھا۔ ڈیڈی اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔ بابا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر ارتضٰی سب سے پہلے ڈریسنگ روم میں آیا تھا۔ اس کمرے کے کونے کونے میں ثمن کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ اس

کے کپڑے، اس کے میک اپ کا سامان، اس کی جیولری اور دیگر بہت سی اشیاء۔ ثمن کی استعمال کی ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو بھی اس نے کبھی یہاں سے ہٹانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وارڈروب کھول کر اس نے اس میں سے ثمن کے سب کپڑے باہر نکال لئے تھے۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے دل کو بہت تکلیف ہو رہی تھی، لیکن اسے ثمن کے سامنے کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ وہ جانتی ہے یہ بات کہ ارتضیٰ ایسا ان سب لوگوں کی خاطر کر رہا ہے، جن سے خود ثمن کو بھی بہت پیار تھا۔ مما، ڈیڈی، بابا، صبا، ظفر اور معاذ۔ اس نے وہاں صبا کے کپڑوں کے لیے جگہ کر دی تھی۔ ریشماں کو بلا کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر ثمن کے میک اپ کا سب سامان ہٹوا دیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے گیسٹ روم میں رکھا ہوا صوفہ کم بیڈ اپنی اسٹڈی میں لا کر رکھ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ آفس کے لیے تیار ہونے لگا۔ لنچ ٹائم ہو چکا تھا لیکن اس کا کھانے کے لیے گھر پر رکنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ صرف دس منٹ میں وہ تیار ہو کر پورچ میں آ گیا۔

''صبا کو بتا دینا، میں آفس چلا گیا ہوں۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے ندیم سے کہا۔

☆☆☆

معاذ اسکول سے آ کر سیدھا اس کے پاس آ گیا۔ بابا اور ڈیڈی گھر پر نہیں تھے، اسی لیے وہ اپنے کمرے میں تھی۔ معاذ نے حسب عادت سب سے پہلے اسے اپنے اسٹارز دکھائے پھر اس کے بعد آج میوزک کی کلاس میں کیا کیا ہوا، سنانا شروع ہو گیا۔ وہ اگر بہت زیادہ دلچسپی لے کر اس کی بات نہیں سن رہی تھی تو جھنجھلا بھی نہیں تھا۔

''خالہ جانی'' آپ میری ماما بن گئی ہیں نا۔'' معاذ کے سوال پر اسے کرنٹ سا لگا۔ وہ پوری کی پوری چونک گئی۔

''تم سے کس نے کہا معاذ!'' اس کے منہ سے بہت مری ہوئی آواز نکلی۔

''مجھے ظفر ماموں نے بتایا تھا اور بابا نے بھی۔'' اس نے سادگی اور معصومیت سے جواب دیا۔

''معاذ! تمہاری ماما ثمن ہے۔ تم نے دیکھی ہیں ناں ان کی تصویریں اور مووِیز۔'' بجائے غصے سے جواب دینے کے وہ اسے نرمی سے بتانے لگی۔

''ہاں وہ تو ہیں لیکن انہیں اللہ میاں نے اپنے پاس جو بلا لیا ہے۔'' اس نے جھٹ جواب دیا۔ ''آپ کی پاپا کے ساتھ شادی ہو گئی ہے نا؟'' وہ اس سے بھی زیادہ بڑے بڑے سوال اور مشکل سوالات کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اکیسویں صدی کے اس بچے سے وہ کسی بھی سوال کی توقع کر سکتی تھی۔ وہ اسے جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ اسے اقرار میں گردن ہلانی پڑی۔

''میں آپ کو ماما بولا کروں؟'' وہ اپنے اصل سوال کی طرف آ گیا۔

''نہیں۔'' اب کی بار اس کے جواب میں سختی شامل ہو گئی تھی۔ ''اسکول سے آ کر سب سے پہلے منہ ہاتھ دھو کر یونیفارم بدلنا چاہئے، باقی ساری باتیں اس کے بعد ہونی چاہئیں۔ جاؤ، جا کر انیتا آنٹی سے منہ ہاتھ دھلوا کر یونیفارم بدلو'' وہ اس کے لہجے میں موجود سختی اور بیگانگی پر بددل اور مایوس سا وہاں سے اٹھ گیا۔

''مما! معاذ مجھ سے ڈانٹیں کھانے کے لیے تنہا رہ گیا ہے۔ ثمن بھی نہیں ہے، آپ بھی نہیں ہیں۔ میں اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس نہیں ہوں۔ وہ گورنس کے رحم و کرم پر رہ گیا ہے۔'' اسے اس وقت کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ صوفے پر یونہی بیٹھی رہتی۔ اگر بابا اور ڈیڈی اندر نہ آ گئے ہوتے تو۔ انہیں دیکھ کر اسے مسکرانا پڑا۔

''کچھ پریشان لگ رہی ہو بیٹا!'' ڈیڈی نے پتا نہیں کیسے اس کی پریشانی محسوس کر لی۔

''معاذ کی شاپنگ کرنی ہے ڈیڈی! اس کے پچھلے سیزن کے سب کپڑے چھوٹے ہو گئے ہیں۔'' وہ انہیں سنجیدگی سے بتانے لگی تو بابا مسکراتے ہوئے بولے۔

''اتنی سی بات پر پریشان ہے میری بیٹی! چلو ابھی چلے چلتے ہیں معاذ کے لیے کپڑے خریدنے۔''

''آپ ابھی تھکے ہوئے آئے ہیں۔'' اس نے انکار تو کیا لیکن اس میں زیادہ شدت نہیں تھی۔ یعنی اسے ان کی تھکن کی فکر بھی تھی اور وہ جانا بھی چاہتی تھی۔

''تھکن کا کیا ہے، ابھی ایک کپ چائے کا پیوں گا اور بالکل فریش ہو جاؤں گا۔'' وہ کھل کر مسکرائے۔ بابا اور ڈیڈی لباس بدل کر دوبارہ لاونج میں آئے تو اتنی دیر میں وہ ان کے لیے چائے بنا چکی تھی۔ وہ دونوں اس کے رویے میں پیدا ہوتی مثبت تبدیلیوں پر بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ بابا نے آفس میں موقع ملتے ہی ارتضٰی سے وہ جادوئی اسم بھی پوچھا تھا جو اس نے صبا پر پڑھ کر پھونکا تھا۔ اس کے شرارتی انداز پر اس نے مسکراتے ہوئے انہیں بتانے سے انکار کر دیا تھا۔

معاذ لان میں کھیل کر اندر آ چکا تھا۔ اس نے شاپنگ پر جانے کا سنا تو خود بھی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ اب بابا کے چائے ختم کر لینے کا منتظر تھا۔ ارتضٰی گھر واپس آیا تو بجائے اپنے کمرے میں جانے کے لاونج میں سب لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ارتضٰی صحیح ٹائم پر آ گیا ہے۔ اب میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم تینوں چلے جاؤ۔'' بابا چائے کا کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اس سے بولے۔ اسے بابا کی اس بات سے سخت کوفت ہوئی۔ خود پر بھی غصہ آیا کہ بابا کے سامنے یہ مسئلہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کسی سے کچھ کہے بغیر وہ کل دن میں ڈرائیور کے ساتھ جا کر بھی تو شاپنگ کر سکتی تھی۔

''کہاں جانا ہے؟'' ارتضٰی نے بابا کی بات سننے کے بعد یہ سوال اس سے پوچھا۔

''معاذ کی شاپنگ کرنی ہے صبا کو۔'' اس سے پہلے جواب بابا ہی نے دے دیا۔

''چلو۔'' وہ فوراً اٹھ گیا تھا۔

''چائے وائے پی لو، تھوڑا استا لو۔'' بابا کے کہنے پر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''چائے ابھی آفس سے اٹھنے سے تھوڑی دیر پہلے پی تھی، اب موڈ نہیں ہے۔'' وہ اب کسی بھی طرح جانے سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے جانے کے لیے اٹھنا ہی پڑا۔ معاذ ان دونوں سے بھی پہلے بھاگتا ہوا پورچ میں چلا گیا تھا۔ وہ ثمن سے شادی کے بعد بھی بے شمار مرتبہ اس کے ساتھ

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ کبھی وہاں بیٹھنا اسے برا نہیں لگا تھا۔ آج اس سیٹ کا دروازہ ہی اس نے بڑی دقتوں سے کھولا۔ ارتضٰی، اگنیشن میں چابی گھماتا گاڑی میں اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔ وہ وہاں بیٹھی تو اسے ارتضٰی سے، معاذ سے، اپنے آپ سے، دنیا کی ہر چیز سے نفرت ہونے لگی۔ شاپنگ کے لیے اس کا سارا شوق یک دم ہی ختم ہو گیا تھا۔ ارتضٰی اس سے دو مرتبہ یہ بات پوچھ چکا تھا کہ کہاں چلنا ہے اور وہ جیسے اس کی آواز ہی نہیں سن رہی تھی۔

''ہالہ جانی! پاپا آپ سے بول رہے ہیں؟'' معاذ پیچھے سے زور سے چلایا تو وہ چونکی۔ ارتضٰی نے اپنا سوال دہرایا۔

''کہیں بھی۔'' وہ بے دلی سے بولی۔ ارتضٰی نے اس سے مزید کچھ بھی نہیں پوچھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ بازار آ کر بھی اس کی بیزاری اور لاتعلقی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ارتضٰی خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

''بس کریں، اب میں بور ہو گیا۔'' اس کی شاپنگ ختم نہ ہوتی دیکھ کر معاذ نے کہا۔ اسے اب کپڑوں اور جوتوں کی دکانوں میں مزید کشش نظر نہیں آ رہی تھی۔ معاذ کی وجہ سے اس نے مزید خریداری کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ارتضٰی کو گاڑی کی طرف جاتا دیکھ کر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ایک دکان کی طرف لے جانے لگا۔

''مجھے کریون اسٹکس چاہئیں۔'' وہ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنی مطلوبہ دکان پر لے آیا۔ وہ دونوں اس کے ساتھ وہاں آ گئے تھے۔ وہاں آ کر وہ مزید چیزیں خریدنے کے لیے بے قرار ہوا تھا۔ اسے پوسٹر کلرز بھی چاہئے تھے۔ رنگین پینسلز بھی چاہئے تھیں۔ واٹر کلرز بھی چاہئے تھے۔ ارتضٰی وہ سب چیزیں خرید رہا تھا۔ معاذ اس کی خریداری پر پہلے والی خریداری کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوش تھا۔ اس نے وہاں سے الم غلم ڈھیر ساری چیزیں خریدی تھیں۔

''صبا! معاذ کا یہ شوق بالکل تمہارے جیسا نہیں ہے۔'' دکان سے باہر نکلتے ہوئے وہ بے ساختہ بولا۔ اسے صبا کے لیے ایسی بہت سی چیزیں خریدنا اچانک ہی یاد آ گیا تھا۔ اسے بھی تو معاذ کی طرح ہی کا شوق تھا۔ رنگ برنگے پین، پنسلیں، مارکرز، کریونز اور کلرنگ پینسلز جمع کرنے کا۔ وہ جواباً چپ رہی۔

معاذ کو آئس کریم کھلا کر وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے۔ ڈیڈی فون پر کسی سے بات کر رہے تھے اور بابا وہیں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں نے ان تینوں کو اندر آتے ہوئے بڑے غور سے دیکھا۔ کتنے اچھے لگ رہے تھے وہ لوگ ایک ساتھ آتے ہوئے۔

معاذ ان کے کہنے سے بھی پہلے شاپنگ بیگ میں سے انہیں اپنی خریداری دکھا رہا تھا۔ اپنے کلرز اور پینسلز وغیرہ۔ بابا اس کی سب چیزیں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ڈیڈی بھی فون بند کر کے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ بابا کا شوق دیکھتے ہوئے انہیں معاذ کے لیے خریدے گئے کپڑے دکھانے لگی۔

''اور تم نے کیا خریدا؟'' وہ سب کچھ دکھا کر کپڑے واپس ڈبوں اور تھیلوں میں رکھنے لگی تو بابا نے فوراً پوچھا۔

''میں نے؟'' وہ اپنی طرف اشارہ کر کے حیران ہوئی۔

''مجھے اپنے لیے تو کچھ بھی نہیں خریدنا تھا بابا!'' اس کا جواب سن کر انہوں نے ارتضٰی کی طرف خفگی سے دیکھا۔

''تم نے صبا کو شاپنگ نہیں کرائی۔''

''اس نے کہا ہی نہیں۔'' وہ بابا کی خفگی پر شرمندہ ہوا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ پر جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ گاڑی تک میں نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ اس کی کرائی ہوئی شاپنگ کو وہ کس طرح قبول کرسکتی تھی۔

''بھئی واہ، کیا بات ہے۔'' وہ ارتضٰی کے جواب پر مزید خفا ہوئے۔

''اس نے کہا نہیں، اس لیے تم نے اس کے لیے کچھ خریدا نہیں۔ وہ اپنے لیے کب کچھ بولتی ہے۔ میری بیٹی معصوم اور سیدھی سادی ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم اس کی سادگی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔''

''آپ خفا تو مت ہوں۔ اچھا میں صبا کو کل ساتھ لے جا کر ڈھیر ساری شاپنگ کراؤں گا۔'' وہ ان کا غصہ ختم کرنے کے لیے فوراً وعدہ کرنے لگا۔

''میرے کہنے سے ناں۔ خود سے تو تمہیں خیال نہیں آیا۔'' وہ ہنوز برہم تھے۔ وہ بغیر برا مانے بابا سے سوری کہنے لگا تھا۔ وہ معاذ کی چیزیں واپس تھیلوں میں ڈالتے ہوئے یہ گفتگو سن رہی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد ارتضٰی کمرے میں جلدی چلا گیا۔ وہ بہت دیر بعد کمرے میں آئی تھی۔ وہ بیڈ پر نیم دراز ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ بالکل نہیں چونکا۔ اس کی نظریں اسی طرح اسکرین پر مرکوز تھیں۔ اس نے نہ ٹی وی پر سے نظریں ہٹائی تھیں اور نہ اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ اسی طرح مووی دیکھنے میں مگن رہا۔ وہ خود بھی وہاں ایک سیکنڈ رکے بغیر تیزی سے اسٹڈی میں چلی تھی۔ اس نے اسٹڈی میں پیدا ہوئی تبدیلی کو بغور دیکھا۔ اسے کارپٹ پر لیٹنے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اب یہ سہولت فراہم کی گئی تو اسے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

دوسرے دن شام میں آفس سے آکر وہ اس سے پوچھنے لگا۔ ''چلنا ہے شاپنگ کے لیے؟'' وہ معاذ کو ہوم ورک کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے فوراً انکار میں گردن ہلا دی تھی۔

''دیکھ لیں بابا آپ! میں اس سے شاپنگ کے لیے کہہ رہا ہوں، یہ منع کر رہی ہے پھر آپ مجھے کچھ مت کہیے گا۔'' اس نے کچھ فاصلے پر بیٹھے بابا سے باآواز بلند شکایتی لہجے میں کہا۔ وہ ڈیڈی کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے اس کی شکایت پر انہوں نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''اب نہیں ہے اس کا موڈ تو کیا وہ زبردستی جائے۔'' انہوں نے پھر صبا کی طرف داری کی۔ ارتضٰی بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''ویسے صبا! منع کر کے تم اچھا نہیں کر رہی ہو۔ یہی تو موقع تھا اس کی جیب خالی کروانے کا اور دیکھنا، اب یہ جلدی جلدی بلکہ روزانہ تم سے شاپنگ پر جانے کے لیے کہا کرے گا یہ سوچ کر کہ صبا نے تو انکار ہی کر دینا ہے۔'' وہ اب صبا سے مخاطب تھے۔ ڈیڈی بھی ان کے شرارتی انداز پر ہنسنے لگے تھے۔

''بے فکر رہیں بابا! میں اگلی بار انکار نہیں کروں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انہیں یقین دلایا۔ ارتضٰی ان سب کو گفتگو کرتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اپنے گھر کا یہ ماحول کتنا اچھا اور مانوس سا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

زندگی میں بظاہر سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ بابا اور ڈیڈی کے سامنے وہ دونوں آپس میں بہت باتیں کرتے تھے۔ بالکل پہلے والے انداز میں اور کمرے میں آ کر وہ ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی اجنبی ہو جایا کرتے تھے۔

ارتضٰی کو اپنے کسی دوست کے ہاں ڈنر پر جانا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پر اس نے سرسری سے انداز میں اس بات کا ذکر کیا۔

''تم صبا کو اپنے ساتھ کسی ڈنر اور پارٹی میں نہیں لے کر جاتے۔'' بابا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اس سے بولے۔

''اس کا موڈ ہی نہیں ہوتا جانے کا، اس لیے میں پوچھتا بھی نہیں۔'' اس نے اتنے اعتماد سے جھوٹ بولا جیسے یہ موضوع بڑی تفصیل کے ساتھ اس کے اور صبا کے درمیان زیر بحث آ چکا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کی پاس آنے والے اکثر دعوت ناموں میں دوبارہ سے مسز ارتضٰی غضنفر کا اضافہ ہو چکا تھا اس کے قریبی دوستوں کے علاوہ کاروباری حوالے سے ملنے والے انویٹیشنز میں بھی اس کے ساتھ ساتھ اس کی مسز کا بلاوا بھی ایک دفعہ پھر آنے لگا تھا۔

''صبا! یہ لوگوں سے میل جول سے بیزاری اور دنیا سے کٹ کر رہنے والا رویہ بالکل اچھا نہیں ہے بیٹا۔'' بابا اب اس سے مخاطب تھے۔ وہ خاموشی سے ان کی نصیحت سن رہی تھی۔ ''بزنس ڈنرز اور پارٹیز میں چاہے یہ نہ جائے لیکن تم اپنے دوستوں کے ہاں تو اسے لے جایا کرو۔ نہیں جاتی تو زبردستی لے کر جاؤ۔ تمہیں شوہروں والا رعب جمانا بھی نہیں آتا۔'' وہ جیسے ارتضٰی کو اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کے لیے اکسا رہے تھے۔

''بابا! آپ میرے خلاف بول رہے ہیں۔'' اس نے بابا کی طرف افسوس سے دیکھا۔

''ایسی حرکتیں کرو گی تو تمہارے خلاف بولنا پڑے گا۔ ذرا دیکھو، کیا حالت بنائی ہوئی ہے اپنی۔ نہ کپڑوں کا خیال، نہ میک اپ، نہ بجنا سنورنا، نہ جیولری۔ گھر سے نکلو گی، تب ہی تمہارا حلیہ بھی صحیح ہو گا۔ سارا دن گھر پر رہتی ہو۔ نہ کہیں جاتی ہو۔ نہ کسی سے ملتی ہو۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ناراضی سے بولے۔

''بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں صبا! تم نے اپنی سوشل لائف بالکل ختم کر دی ہے۔ ذرا بھی سوشل نہیں رہی ہو تم۔ نہ فیملی میں کہیں جاتی ہو نہ اپنی فرینڈز میں۔ تمہاری دوست خود ہی بھولے بھٹکے فون کر لیں تو بات کر لو گی۔ خود سے تو میرا خیال ہے تم نے عرصہ سے کسی دوست کو فون نہیں کیا۔ یہ یک طرفہ کارروائی بھی کب تک چلے گی۔ آخر کار ایک روز تنگ آ کر وہ لوگ تمہیں فون کرنا بھی چھوڑ دیں گے۔''

ڈیڈی بھی بابا کی حمایت بولے تھے۔ ارتضٰی خاموشی سے چائے پیتے ہوئے صبا کو کی جانے والی نصیحتیں سن رہا تھا۔

''صبا آج تمہارے ساتھ جائے گی ارتضٰی!'' بابا، ارتضٰی سے حکمیہ انداز میں بولے۔ وہ اب مزید کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی، اس لیے خاموش ہو گئی تھی۔

اس کی تیاری کسی پارٹی یا ڈنر میں جانے والی تیاری نہیں تھی۔ اس نے نہ میک اپ کیا تھا اور نہ کسی قسم کی جیولری پہنی تھی۔ صرف بابا کے پہنائے ہوئے کنگن جو اس نے اتارے ہی نہیں تھے وہ پہنے ہوئے تھے اور گلے میں چین جو ہمیشہ ہی سے اس نے پہنی ہوئی تھی۔

معاذ گھر پر بابا اور ڈیڈی کے پاس رک گیا تھا۔ صرف وہ دونوں جا رہے تھے۔ ارتضٰی نے گاڑی ریورس کر کے جیسے ہی گھر سے باہر نکالی، وہ

اس کی طرف دیکھے بغیر سپاٹ سے انداز میں بولی۔

''مجھے ڈنر میں نہیں جانا۔ آپ مجھے میری فرینڈ کے گھر ڈراپ کر دیں۔ واپسی میں مجھے وہیں سے پک کر لیجئے گا۔''

''وہاں بہت اچھی گیدرنگ ہوگی صبا! تم انجوائے کروگی۔'' وہ اس کی بات پر حیران ہوئے بغیر متانت سے سمجھانے لگا۔

''آپ نے کہا تھا، آپ مجھے کسی بات کے لیے مجبور نہیں کریں گے۔'' بہت تلخ لہجے میں وہ اس کی بات اسے یاد دلانے لگی۔

''ایڈریس بتاؤ اپنی فرینڈ کے گھر کا۔'' اس نے مزید بحث کیے بغیر فوراً ہی بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ پھر اسی خاموشی سے ارتضٰی نے اسے اس کی دوست کے گھر اتار دیا تھا۔

صبا کی یہ حرکت اسے بہت بچکانہ اور امیچور لگ رہی تھی اور صرف یہی حرکت ہی نہیں، اسے صبا کے بہت سے رویے امیچور لگا کرتے تھے۔ اس میں امیچوریٹی کی کمی تھی۔ لیکن اب اسے کچھ سمجھانے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ وہ خود اپنے رویے میں تبدیلی لے آئے تو لے آئے ارتضٰی اسے واقعی کسی بات کے لیے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

معاذ کی فرمائش پر وہ اس کے لیے چکن پاستا بنا رہی تھی اور وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے کچن میں اس کے پاس کھڑا تھا اور کچھ نہ کچھ بولے جا رہا تھا۔

''پنیر ضرور ڈالیے گا۔''

''مرچیں بالکل نہیں۔''

''آپ بھی میرے ساتھ کھائیے گا۔''

''معاذ! میں ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ جب بن جائے گا، میں تمہیں بلا لوں گی۔''

اس کے الفاظ اتنے سخت نہیں تھے، لیکن اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔ وہ اس کے انداز پر سہم کر فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اس کے غصے سے ڈر لگا تھا۔ وہ کچن سے نہیں گیا، بلکہ دروازہ سے ٹیک لگائے خاموشی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آنے لگے تھے۔ مگر وہ انہیں روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے سب نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی وہ بے حس سے انداز میں کام کیے جا رہی تھی۔ غصے اور جھنجلاہٹ میں کام کرتے ہوئے شاید بے دھیانی کے سبب چھری سے اس کی انگلی پر کٹ لگا تھا۔ اس نے چھری پلیٹ میں رکھتے ہوئے اپنی انگلی کو دیکھا۔ درمیان والی انگلی سے ایک دم ہی خون نکلنے لگا تھا۔

معاذ بہت گھبرایا ہوا تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔ وہ اس کے آنے کو نظر انداز کر کے سنک کے آگے انگلی کر کے خوب تیز ٹھنڈے پانی سے اپنی انگلی دھونے لگی۔

''آپ کے خون نکل رہا ہے ہالہ جانی۔'' وہ اس کے پاس کھڑا اچک اچک کر اس کی انگلی کو دیکھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ وہ بغیر کوئی جواب

دیے اپنی انگلی پانی سے دھوتی رہی۔ وہ بھاگتا ہوا کچن سے نکل کر پتا نہیں کہاں گیا تھا۔ وہ سنک کے آگے سے ہٹتے ہوئے اس زخم پر ابھی بینڈ ایج لگانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ وہ فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر کچن میں واپس آ گیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ لاؤنج میں الماری کے اندر اتنا اوپر رکھا ہوا تھا۔ وہاں معاذ کا ہاتھ کیسے گیا۔ ندیم گھر پر نہیں تھا، ریشماں اپنے کوارٹر میں تھی۔ یقیناً وہ خود کسی نہ کسی طرح اوپر چڑھا تھا تاکہ فرسٹ ایڈ باکس نکال سکے۔ اگر وہ وہاں سے گر جاتا پھر؟ اتنا بھاری سا فرسٹ ایڈ باکس، اتنی اونچائی اور وہ چھوٹا سا بچہ۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا، فرسٹ ایڈ باکس زمین پر رکھ کر معاذ نے اسے جلدی سے کھولا اور پھر اپنی سمجھ کے حساب سے اس میں سے ایک مرہم نکالا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے سامنے زمین پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے خود ہی اپنی انگلی اس کے سامنے کر دی۔ وہ اس کے زخم پر بڑے نرم اور ملائم سے انداز میں مرہم لگا رہا تھا۔

''آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''پہلے ہو رہی تھی۔ اب نہیں ہو رہی۔ تم نے آئنٹمنٹ لگایا ہے ناں۔ اس سے ساری تکلیف ختم ہو گئی۔'' وہ بہت مطمئن ہو کر فخریہ انداز میں مسکرایا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب بڑے غلط سلط انداز میں اس کی انگلی پر بینڈ ایج کر رہا تھا۔

''تمہارے لیے آئنٹمنٹ لینے جا رہی ہوں۔ حد ہے بے نیازی کی۔ اتنی گہری چوٹ ہے اور محترمہ سکون سے پھر رہی ہیں۔'' اس کے کانوں کے پاس ایک بہت سکون سے پھر رہی ہیں۔'' اس کے کانوں کے پاس ایک بہت مانوس سی سرگوشی ہوئی۔ اس نے بے ساختہ معاذ کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح پیار کر رہی تھی۔ وہ اس کے سینے سے لگا بری طرح حیران ہو رہا تھا۔ اتنی ناراضی کے بعد اچانک اتنا پیار؟

''معاذ! تم اس دنیا کے سب سے پیارے بچے ہو۔ تم بالکل اپنی ماما جیسے ہو۔ تم بالکل ثمن جیسے ہو معاذ!'' چھوٹی چھوٹی عادتیں چاہے اس نے صبا کی لے لی ہوں۔ لیکن وہ مزاج میں پورا کا پورا ثمن جیسا تھا۔ ہو بہو اسی جیسا، شکل اگر اس نے باپ کی لی تھی تو مزاج ماں کا۔ وہ پہلی مرتبہ اس بات سے آگاہ ہوئی تھی کہ ثمن کا بیٹا بالکل اسی جیسا ہے۔

''میری ماما بہت اچھی تھیں ہالہ جانی؟'' وہ اس کی بات سن کر بے اختیار پوچھ بیٹھا تھا۔

''ہاں، وہ بہت اچھی تھی۔ وہ اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی تھی۔ وہ بالکل تمہارے جیسی تھی معاذ!'' اس نے کبھی ثمن کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی، آج اس کے بیٹے سے کر رہی تھی۔

''وہ بالکل شہزادیوں جیسی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں دیکھ کر زندگی سے پیار ہو جایا کرتا ہے۔ جن سے مل کر خلوص، محبت، چاہت سب پر ایمان لانے کو دل چاہنے لگا ہے۔'' وہ اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ لیکن اسے اس کا یوں والہانہ انداز میں پیار کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد آج وہ اسے اس طرح پیار کر رہی تھی۔ وہ اب اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھی، اس نے اسے جھڑکنا اور ڈانٹنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے پیار کرنے کا انداز نہیں رہا تھا، جس کا معاذ عادی تھا۔ جس کی وہ اس سے توقع کیا کرتا تھا۔ پھر وہ وہاں سے اٹھی، اس نے جلدی جلدی پاستا تیار کیا۔ پاستا پلیٹ میں نکال کر وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ کچن ٹیبل کے آگے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھلا رہی تھی۔ وہ اس

کے ہاتھ سے کھانے پر بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اسے پاستا کھلا کر وہ اپنے ساتھ کمرے میں لے آئی۔

''آج تم میرے ساتھ سو جاؤ۔'' اس کے کہے بغیر اس نے خود اسے اپنے قریب لٹا لیا۔ وہ اس کے ہاتھ پر سر رکھ کر خاموشی سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔ وہ اسے کہانی سنا رہی تھی۔ اس جنگل کی جس میں سب جانور مل جل کر رہتے تھے، اس سے کہانی سنتے معاذ کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔

''باقی کہانی کل سناؤں گی۔ اب تم سو جاؤ۔'' اس نے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''اب میں آپ کو ماما بولوں گا تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گی۔؟'' اس نے اپنی آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے پوچھا۔ سونے سے پہلے شاید وہ اس سے یہ عدہ لے لینا چاہتا تھا۔ اس خوف سے کہ کہیں شام میں اس کا موڈ دوبارہ پہلے جیسا نہ ہو جائے۔

''تمہارا جو دل چاہے، تم مجھے بولو۔'' وہ دو تین منٹوں ہی میں گہری نیند سو گیا۔ وہ اپنے بالکل پاس لیٹے معاذ کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔

''تم میں کیا ہے صبا! میں تم سے کچھ بھی چھپا ہی نہیں پاتی۔ میرا دل خود بخود تمہاری طرف کھنچتا ہے۔'' اس کے کان ایک پیار بھری آواز کو سن رہے تھے۔

''تمہاری ماں بھی تمہاری طرح مجھ سے پیار کرتی تھی معاذ! تم اسی کے وجود کا تو حصہ ہو۔ تم بالکل اسی کی طرح مجھ سے پیار کرتے ہو معاذ! میں ڈانٹوں، جھڑکوں، اپنے پاس سے ہٹاؤں۔ بری طرح پیش آؤں، تم پھر بھی میری طرف بھاگ کر آتے ہو۔ وہ بھی ایسا ہی کرتی تھی۔ وہ اپنے پیار کے صلے میں مجھ سے کچھ نہیں مانگتی تھی۔ یہ بھی نہیں کہتی تھی کہ صبا تم بھی مجھ سے ایسا ہی پیار کرو۔ میں نے اس کے پیار کی قدر نہیں کی، معاذ......لیکن میں تمہارے پیار کی قدر ضرور کروں گی۔ کیا ضروری ہے کہ صبا ہر محبت کے بچھڑ جانے کے بعد ہی اس کی قدر کرے۔ تم جس نام سے چاہے مجھے بلا لو معاذ۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ میں تمہارے پیار کے آگے ہار گئی ہوں معاذ۔ اور ساری زندگی میں اس پیار کے آگے ہارنا ہی چاہتی ہوں۔''

وہ معاذ کے لیے سراپا محبت بن گئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح اس پر چاہت لٹانے لگی تھی، بلکہ شاید پہلے سے بھی زیادہ، معاذ اگر اسے ماما بول کر خوش ہوتا تھا تو بابا اور ڈیڈی بھی اس کے منہ سے صبا کے لیے یہ لفظ سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔

☆☆☆

معاذ کے اسکول میں سالانہ فنکشن تھا۔

''میں ڈرامہ میں بھی ہوں اور تقریر بھی کروں گا۔ ٹیچر نے کہا پرنس تو بس معاذ بنے گا۔'' کھانے کی میز پر اس نے گردن اونچی کر کے بتایا تھا۔ وہ سب ہی اس کے انداز پر ہنس پڑے تھے۔

''پھر تو اب تمہیں پرنس معاذ کہنا پڑا کرے گا۔'' ڈیڈی ہنستے ہوئے بولے۔ اس نے گردن ہلا دی تھی۔ جتنے دن اس فنکشن کی تیاریاں اس کے اسکول میں ہوتی رہیں۔ وہ گھر والوں سے صبح شام اسی کے بارے میں کچھ نہ کچھ باتیں کرتا رہا۔

وہ ارتضٰی اور صبا سے وعدہ لے چکا تھا کہ وہ دونوں فنکشن میں آئیں گے، صبا کے وعدہ کر لینے کے باوجود اسے جیسے بے اعتباری سی تھی وہ ہر روز اس سے نئے سرے سے وعدہ لیتا تھا۔

''آپ بہت اچھا ڈریس پہن کر آیئے گا، لپ اسٹک بھی لگایئے گا اور بال بھی کھولیے گا۔''اس کی اس معصومانہ سی فرمائش پر وہ ہنس پڑی تھی۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میک اپ کر کے آنا ہے۔

''آپ ویسے بال بنایئے گا جیسے آپ نے پاپا اور مما کی شادی پر بنائے تھے۔''

اس نے ثمن اور ارتضٰی کی شادی کی تصویریں اور مووی اتنی بار دیکھی ہوئی تھی کہ اسے شادی کے دن کی گھر کے ہر فرد کی تیاری حفظ تھی۔

''معاذ! وہاں پر کوئی مجھے دیکھنے کے لیے نہیں آئے گا۔''اس کے منہ سے تیاری، کپڑوں اور میک اپ کی گردان سنتے سنتے وہ آخر کار کہہ بیٹھی تھی۔

''میں آپ کو اپنے فرینڈ سے ملواؤں گا اور اپنے سب ٹیچرز سے بھی۔''اس نے اس کی عقل پر افسوس کیا۔

''اگر میں اچھی طرح تیار ہو کر نہیں گئی تو تمہاری انسلٹ ہو جائے گی۔ اپنے فرینڈز کے سامنے۔''اسے دوبارہ ہنسی آئی تھی۔ اس کی بات کو ہنسی میں اڑانے اور ذرا سی بھی سنجیدگی سے نہ لینے کے باوجود وہ جب فنکشن میں جانے کے لیے تیار ہونے لگی تو اس نے وہ سب کچھ کیا جو وہ اس سے چاہتا تھا۔ وہ جو اس نے اسے سمجھایا تھا، وہ بھی اور وہ جو اسے سمجھا نہیں پایا تھا وہ بھی۔ سرخ رنگ کی بہت خوب صورت شلوار قمیص اور کپڑوں سے مناسبت رکھتی ہوئی نفیس سی جیولری پہنی تھی اور میک اپ کیا تھا۔

اسے میک اپ کے بعد اپنا چہرہ خود ہی اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔ بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کر برش کرنے کے بعد اس نے انہیں کھلا چھوڑ دیا تھا۔ دوپٹہ شانوں پر سلیقے سے پھیلا کر وہ پوری طرح تیار تھی۔ اسے معاذ کی خوشی کا سوچ کر خوشی ہو رہی تھی۔ وہ اسے اس طرح تیار دیکھ کر کس قدر خوش ہوگا۔ صبح اسکول جاتے جاتے بھی وہ اس سے کتنے سارے وعدے لے کر گیا تھا۔

☆☆☆

ایک میٹنگ سے فارغ ہو کر وہ ابھی ابھی اپنے آفس میں آیا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر صبا کا میسج آیا۔''معاذ کے اسکول جانا ہے۔'' بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ اسے ایسے یاد دلا رہی تھی جیسے اسے اس کے بھول جانے کا خدشہ تھا۔ وہ صبا کے ساتھ طے کیے ہوئے وقت سے پہلے ہی گھر آ گیا تو یہ دیکھ کر ذرا بھی حیران نہیں ہوا کہ وہ تیار بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہے لیکن اس کی تیاری پر ضرور حیران ہوا تھا۔ معاذ کا اس کی تیاری کے بارے میں راگ ضرور اس کے کانوں میں پڑا تھا، لیکن اسے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی بات مان بھی لے گی۔ اسے صبا کے اندر پیدا ہوئی یہ تبدیلی بہت اچھی لگی۔ وہ آہستہ آہستہ زندگی کی طرف واپس آتی نظر آ رہی تھی۔ اور اسے خوش دیکھنا ارتضٰی کو ہمیشہ اچھا لگا تھا۔

فنکشن بھی شاندار تھا اور معاذ کی پرفارمنس بھی توقع کے عین مطابق شاندار تھی۔ اسٹیج پر آتے ہی اس نے اتنے لوگوں کے ہجوم میں بھی ارتضٰی اور صبا کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خوشی ہی خوشی بکھر گئی تھی۔ معاذ کی زبردست پرفارمنس پر اس کے لیے زوردار تالیاں بجی تھیں اور اس کے لیے بجنے والی وہ تالیاں اسے اپنے لیے لگ رہی تھی جیسے اسے سراہا جا رہا ہو۔ فنکشن کے اختتام پر سال بھر غیر معمولی کارکردگی دکھانے والے بچوں میں انعامات، شیلڈز اور ٹرافیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ اور ان انعامات کو پانے والے آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹس میں وہ بھی شامل

تھا۔ معاذ کے چہرے پر کھلتی خوشی ان دونوں ہی کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ فنکشن کے بعد وہ اسے اپنے ٹیچرز اور دوستوں سے ملوانے لگا۔ وہ جیسے اس کا سب سے قیمتی میڈل تھی۔ جسے وہ فخریہ ایک ایک سے ملوا رہا تھا۔

''یہ میری ماما ہیں؟'' ارتضٰی دور کھڑا اسے صبا کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر مختلف لوگوں کے پاس لے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کا بیٹا آج بہت خوش تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ واپسی میں گھر جانے کے بجائے وہ اسے شاپنگ سینٹر لے آیا تھا۔

''تم اپنا گفٹ ابھی لے لو۔ جو دل چاہے خریدلو۔'' اس نے بڑی فیاضی سے بیٹے سے کہا۔ اس نے آج معاذ کو خوشی دی تھی۔ ارتضٰی کے ساتھ فنکشن میں آکر، اس کی مرضی کے مطابق تیار ہو کر۔ اس سب کے باوجود بھی وہ صحیح سے خوش نہیں ہو پا رہی تھی۔ معاذ نے آج جتنے بھی لوگوں سے اسی اپنی ماں کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا وہ ان سب سے ملی تھی۔ بہت اچھی طرح بات چیت بھی کی تھی۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے اس کے دل پر کیا گزری تھی یہ صرف وہی سمجھ سکتی تھی۔ اسے ان تمام لمحوں میں خود سے شرم آئی تھی۔ وہ جگہ کسی اور کی تھی۔ وہاں اسی کو ہونا چاہئے تھا۔ اس جگہ پر وہی بجتی تھی۔ ارتضٰی صحیح جگہ پر تھا، معاذ صحیح جگہ پر تھا صرف وہ غلط جگہ پر تھی۔ لیکن وہ اس معصوم سے بچے کا کیا کرتی؟ وہ معاذ کی خوشی کی خاطر مسکرانے پر مجبور تھی۔ وہ ان دونوں کے ساتھ دوکانوں میں پھر بھی رہی تھی۔ معاذ جو چیزیں پسند کر رہا تھا، ان کے بارے میں اپنے کمنٹس بھی دے رہی تھی لیکن اندر سے اس کا دل ایسا ہو رہا تھا جیسے دھڑکنا ہی نہ چاہتا ہو۔ وہ لوگ ابھی شاپنگ کر ہی رہے تھے کہ ارتضٰی کے موبائل پر ڈیڈی کی کال آئی۔ انہوں نے آفس سے فون کیا تھا۔ وہ معاذ کے اور اس کی کارکردگی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وہ جواباً مسکراتے ہوئے انہیں مختصر الفظوں میں سب کچھ بتانے لگا۔

''بس پھر تم شاپنگ کر کے سیدھے گھر آجاؤ۔ میں اور بھائی بھی گھر آرہے ہیں، معاذ کی کامیابی سب مل کر سیلیبریٹ کریں گے۔'' انہوں نے ارتضٰی سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

وہ لوگ گھر پہنچے تو بابا اور ڈیڈی وہاں پہلے سے موجود تھے، کیک، آئس کریم، پیزا، مٹھائی اور بھی بہت سی معاذ کی پسند کی کھانے پینے کی چیزیں میز پر سجا کر وہ ان لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔ معاذ کی ٹرافی اور سرٹیفکیٹس کو ان دونوں نے بڑی محبت سے دیکھا۔

''دیکھنا ارتضٰی! تمہارا بیٹا تم سے بھی آگے جائے گا۔'' ڈیڈی نے ارتضٰی سے یہ سن کر کہ معاذ نے اتنے سارے لوگوں کے سامنے حد درجہ اعتماد کے ساتھ تقریر کی ہے، یہ کمنٹس دیے تھے۔

''میں چاہتا ہوں ڈیڈی کہ یہ زندگی کے ہر میدان میں مجھے پیچھے چھوڑ دے۔ اسے اپنے سے آگے بلکہ بہت زیادہ آگے دیکھنے کی دعا کرتا ہوں میں۔'' ارتضٰی نے برملا اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ بابا، بھائی اور بیٹے کی گفتگو سے زیادہ اسے دیکھنے میں دلچسپی لے رہا تھے۔ انہیں صبا کو دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''معاذ! جاؤ جا کر صبا کو تو بلا کر لاؤ۔'' معاذ سے یہ بات کہتے وقت ان کے لبوں پر بڑی شریری مسکراہٹ تھی۔ معاذ ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔

''ماما یہ بیٹھی تو ہیں۔'' اس نے معصومیت سے انہیں بتانے کی کوشش کی۔ ارتضٰی اور ڈیڈی ان کی شرارت پر مسکرا رہے تھے۔ جب کہ وہ ایک دم ہی جھینپ سی گئی تھی۔

''یہ صبا ہے ارے ہاں واقعی۔ صبا! تم اتنی خوب صورت ہو یہ بات آج مجھے پہلی دفعہ پتا چلی ہے۔'' انہوں نے مصنوعی حیرت اور ستائش کا تاثر دیا۔

''شفیق! تمہاری اس بگڑی ہوئی بیٹی کو میرا پوتا ہی ٹھیک کرے گا۔'' وہ ڈیڈی سے بولے۔

''بابا! میں بگڑی ہوئی بیٹی ہوں۔'' اس نے روٹھے لہجے میں کہا۔

''آپ تو کہتے ہیں صبا! میری بہت پیاری اور اچھی بیٹی ہے۔'' اس نے انہیں خفگی سے یاد دلایا۔

''پیاری اور اچھی بیٹی بابا کی بات اتنی جلدی اور آسانی سے جو نہیں مانتی، جتنی آسانی سے معاذ کی مان لیتی ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولے۔ وہ سب ساتھ بیٹھ کر کھاتے اور باتیں کرتے ہوئے معاذ کی پہلی پہلی کامیابی کا جشن منا رہے تھے۔

☆☆☆

ارتضیٰ لاہور جا رہا تھا۔ اس کا لاہور جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مہینے ڈیڑھ مہینے میں اس کا وہاں کا چکر لگا ہی کرتا تھا بلکہ کبھی کبھار کسی ضروری کام کی وجہ سے اس سے بھی جلدی وہاں جانا پڑ جایا کرتا تھا۔ اب کی بار یہ جانا غیر معمولی واقعہ یوں بن گیا تھا کہ معاذ کے اسکول کی چھٹیاں تھیں اور وہ ارتضیٰ کے ساتھ وہاں جانا چاہتا تھا۔ معاذ کے جانے کا مطلب تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ اکیلا ارتضیٰ کے ساتھ چلا جاتا۔ ارتضیٰ وہاں کام سے جا رہا تھا۔ معاذ اس کے بغیر گھر پر اکیلا کیسے رہ سکتا تھا۔

''تم گھر پر اکیلے کیسے رہو گے معاذ! پاپا تو آفس میں بزی ہو جائیں گے۔''

وہ اسے سمجھانے کے جتن کر رہی تھی۔

''میں اکیلا تھوڑی ہوں گا۔ آپ بھی تو ہوں گی۔'' اس نے بڑے اطمینان سے اس کا اطمینان رخصت کیا تھا۔ وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے یہ بات تو طے تھی کہ صبا اس کے ساتھ جائے گی۔ اس بارے میں سوچنے اور فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

''پاپا کا کام ختم ہو جائے گا۔ پھر ہم لوگ خوب گھومیں گے۔'' وہ پلان بنا رہا تھا۔ معاذ بچہ تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح وہ بہلا ہی لیتی، لیکن یہاں تو مسئلہ بابا کا آ گیا تھا۔ یہ ایشو معاذ نے اٹھایا تھا اور اسے سب سے زیادہ بابا نے پسند کیا تھا۔ وہ دل و جان سے چاہتے تھے کہ صبا اور معاذ بھی ارتضیٰ کے ساتھ جائیں۔

''ارتضیٰ! لاہور میں کام ختم کر کے فوراً کراچی آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شمالی علاقوں کی طرف نکل جانا۔ یہی تو موسم ہے، وہاں کی سردیاں، بارشیں اور برف باری انجوائے کرنے کا۔'' انہوں نے ارتضیٰ سے حکمیہ انداز میں کہا۔ وہ ان لوگوں کو کل کے بھیجتے آج بھیجنے کے لیے تلے بیٹھے تھے اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بابا کو کس طرح منع کرے۔ کافی دفعہ اس نے مختلف بہانے بنا کر دبے لفظوں میں منع کرنے کی کوشش کی۔ کبھی یہ کہہ کر آپ اور ڈیڈی اکیلے ہو جائیں گے۔ کبھی یہ کہہ کر پتا نہیں معاذ کا وہاں دل لگے گا کہ نہیں، اگر دل نہیں لگا تو وہ بہت تنگ کرے گا۔ لیکن اس کے تمام بہانوں کے ان کے پاس بنے بنائے تیار جواب رکھے تھے۔ ارتضیٰ دیکھ رہا تھا کہ وہ جانا نہیں چاہتی۔ وہ اسے جانے کے لیے مجبور بھی نہیں کرنا چاہتا

تھا۔اس نے اکیلے میں بابا سے صبا پر بات رکھے بغیر گفتگو کی۔

''بابا فی الحال کہیں آؤٹنگ کے لیے میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ مجھے لاہور سے فوراً واپس آنا ہوگا۔آپ جانتے تو ہیں کہ کوریا سے ڈیلی گیشن آنے والا ہے۔ مجھے لاہور سے آتے ہی اس سلسلے میں بہت سا ہوم ورک کر کے رکھنا ہے۔ میں صبا اور معاذ کو اس وقت تو بالکل ٹائم نہیں دے سکتا۔'' بابا کو اس کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔

''اپنی بیوی اور بیٹے کے لیے تمہارے پاس ٹائم نہیں ہے۔ بزنس، رشتوں سے زیادہ اہم کب سے ہوگیا ہے۔ معاذ کے پاس یہی وقت ہے۔ پھر اس کے اسکول کھل جائیں گے۔ چاہے دو چار دن کے لیے ہی جاؤ لیکن تمہیں ان دونوں کو گھمانے پھرانے ضرور لے جانا چاہئے۔ کچھ وقت تمہیں اور صبا کو ایک ساتھ اور تنہا گزارنا چاہئے۔ اس سے تم دونوں کے درمیان بہتر انڈراسٹینڈنگ پیدا ہوگی اس کا حق ہے کہ تم اسے وقت دو، اسے اپنی زندگی میں سب سے اہم جگہ دو۔ تمہارے لیے بزنس اور دوسرے سب کاموں سے پہلے ہونا چاہئے صبا اور معاذ کو۔'' ارتضیٰ، انہیں یہ کیسے سمجھاتا کہ وہ انکار ہی صبا کی وجہ سے کر رہا ہے۔ بابا سے یہ بات وہ کہہ نہیں سکتا تھا اور کسی دوسری تاویل سے انہوں نے قائل ہونا نہیں تھا۔

بابا اور ڈیڈی نے بڑی خوشی خوشی انہیں رخصت کیا تھا۔ جہاز میں سارا وقت وہ خاموش بیٹھی رہی۔ معاذ کی تمام باتوں کے وہ ہوں ہاں میں جوابات دے رہی تھی۔ ارتضیٰ اس کا اضطراب اور ٹینشن دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ دل گرفتہ اور مایوس لگ رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے اس گھر میں قدم رکھا جس میں وہ زندگی میں دوبارہ کبھی آنا نہیں چاہتی تھی۔ پھولوں سے بھرا وہ خوب صورت لان بہت سونا اور خاموش لگا تھا اسے۔

''سنو وہ کہاں ہے؟'' اس نے پھولوں سے بے آواز پوچھا۔ وہ جواب میں بالکل خاموش رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی گھر کے اندر آ گئی۔

''پہلے سارا گھر تو دیکھ لو، تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔ میں نے اسے اتنی اچھی طرح سجایا ہے۔'' اس کے بالکل قریب ایک آواز ابھری۔

اس نے چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

''ہمارے کمرے کی دیواروں پر آف وائٹ پینٹ ہے۔ اس کے ساتھ نیلے رنگ کے پردے اور کارپٹ کس قدر خوب صورت اور رومینٹک سا تاثر دے رہے ہیں۔ کتنا حسن ہے اس رنگ میں، کتنا رومینس ہے۔'' وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا، کہیں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ ہر چیز اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھی۔ لیکن پھر بھی وہاں سب کچھ ویسا نہیں تھا۔

وہاں ایک کمی تھی، بہت بڑی کمی۔ سب سے بڑی کمی۔ وہ اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے لاؤنج سے نکل کر ڈائننگ روم میں آئی تو پیچھے لاؤنج سے ایک آواز آئی۔

''کبھی کبھی مجھے ڈر لگنے لگتا ہے، محبت کے کھو جانے کا ڈر۔ اس کے چھن جانے کا ڈر۔ پتا نہیں محبت اتنی وہمی کیوں ہوتی ہے۔'' اس نے مڑ کر لاؤنج میں رکھے صوفے کی طرف دیکھا۔

''اوپر اوپر سے غصہ دکھا رہی ہو۔ اندر سے تو خوش ہو رہی ہو گی کہ جس بندے کے پیچھے اتنی لڑکیاں پڑی ہیں، وہ میرے پیچھے پڑا ہے۔''

اس نے زخمی نگاہوں سے اس خالی صوفے کی طرف دیکھا۔

''پھر وہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ٹیبل کی سطح پر اس نے ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔'' پتا نہیں کس طرح یہ پنیر اور سبزیاں مکس کر کے اتنے مزے کی ڈش تیار کرتی ہے۔'' اس کے لیے یہ تعریفی جملہ جس نے کہا تھا اور وہ وجود آج اپنی مخصوص کرسی پر سے غائب تھا۔ اس کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔ وہ فوراً ڈائننگ روم سے نکل گئی۔ سامنے نظر آتے کچن کی طرف خود بخود ہی اس کے قدم اٹھے تھے۔

''خود ہی بدتمیزی کرتی ہو۔ پھر مظلوم سی شکل بنا کر رونے بھی کھڑی ہو جاتی ہو۔'' جس جگہ پر کھڑے ہو کر یہ بات کہی گئی تھی، وہ اسی جگہ پر آ کر رک گئی۔

''زندگی میں بہت سی باتیں ہمیں ناگوار گزرتی ہیں۔ مگر کسی ناگوار بات پر اس طرح ری ایکٹ کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔ تمہارے کل کے رویے پر مجھے بہت دکھ ہوا۔'' وہ خاموشی سے اس جگہ کو تک رہی تھی۔ آج وہاں کوئی نہیں تھا جو اس سے کہتا۔

''نہیں ہوں بابا! میں تم سے ناراض، اب کب تک یہ رونی صورت بنائے رکھو گی۔'' اس کے دل نے شدت سے دعا مانگی کہ کہیں سے بھی وہ آ جائے۔ بالکل اچانک وہ آئے اور آ کر اسے حیران کر دے۔ وہ الٹے قدموں چلتی ہوئی کچن کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن اس کی نگاہیں ابھی بھی اسی جگہ پر جمی تھیں۔

''آج ہم دونوں نے بہت فلمی طریقے سے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کر دیا؟'' دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے وہ بہت گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ وہ رونا چاہتی تھی، بہت شدت سے اور چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔ مگر برسوں سے آنکھوں کے اندر جمے ہوئے آنسو ایک بار پھر پگھلنے سے انکاری ہو گئے تھے۔ آنسوؤں کا یہ گلیشیئر عمر بھر نہیں پگھلے گا وہ جانتی تھی، پھر بھی رونے کی کوشش کر رہی تھی۔

کچھ ایسے گھاؤ بھی ہوتے ہیں، جنہیں زخمی آپ نہیں دھوتے۔
بن روئے ہوئے آنسو کی طرح سینے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔
اور ساری عمر نہیں روتے۔
نیندیں بھی مہیا ہوتی ہیں، سپنے بھی دور نہیں ہوتے۔
کیوں پھر بھی جاگتے رہتے ہیں۔
کیوں ساری رات نہیں سوتے۔
اب کس سے کہیں اے جان وفا
یہ اہل وفا
کس آگ میں جلتے رہتے ہیں، کیوں بجھ کر راکھ نہیں ہوتے۔

خدا اور محبت

کتاب گھر پر نئی آنے والی کتاب......

ہاشم ندیم کا خوبصورت اور شہرہ آفاق ناول

خدا اور محبت

''صبا!'' ارتضٰی نے اس کے پاس آ کر بڑی آہستگی سے اسے پکارا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کے قریب کھڑا بہت تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ معاذ لان میں ہی کچھ دیکھنے لگا تھا۔ ارتضٰی اسے لان میں چھوڑ کر اس کے پیچھے اندر آیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ارتضٰی کی طرف دیکھا تو اسے اس کی آنکھوں سے جھانکتا ہوا کرب اور درد صاف نظر آیا۔ وہ کتنی نڈھال اور تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

ارتضٰی خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ چونک کر وہ ایک دم دیوار سے ہٹی اور ارتضٰی پر نگاہ ڈالے بغیر کچن سے نکل گئی۔

وہ بھاگتی ہوئی اس کمرے میں آ گئی تھی جس میں پہلی بار یہاں آنے پر ٹھہری تھی۔ بیڈ پر دونوں ہاتھ لٹکائے وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہاں آنے پر یہ سب کچھ ہوگا۔ اسی لیے اس نے یہاں آنے سے بچنے کی بہت کوششیں بھی کی تھیں۔ لیکن زندگی نے نہ پہلے بھی اسے معاف کیا تھا اور نہ اب اسے معاف کرنے پر تیار تھی۔ زندگی اس کے لیے ایک کے بعد ایک آزمائش تیار رکھتی تھی۔

☆☆☆

''ماما کو کیا ہوا ہے پاپا؟'' ارتضٰی لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ معاذ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔ ''بالکل چپ بیٹھی ہیں۔ مجھ سے بات بھی نہیں کر رہیں۔'' وہ یقیناً صبا کی تلاش میں کمرے تک گیا تھا اور اسے خاموش دیکھ کر مایوس ہو کر اس کے پاس آیا۔

''کچھ نہیں ہوا بیٹا۔'' اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں پاپا۔'' وہ طبیعت کا سن کر فوراً اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا مشورہ دینے لگا تھا۔

''ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ویسے ہی یہ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے بیٹے کو تسلی دی۔

''تم ٹی وی دیکھو نا معاذ۔'' اس کا ذہن صبا کی طرف سے ہٹانے کے لیے اس نے جلدی سے ٹی وی آن کر کے اس کی پسند کا کارٹون چینل لگا دیا تھا۔ وہ خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کارٹون دیکھنے لگا تھا۔

صبا کی حالت دیکھ کر اسے خود اپنی حالت یاد آئی تھی۔ ثمن کے مرنے کے بعد جب وہ پہلی مرتبہ لاہور آیا تھا۔ صبا تو اس طرح روئی نہیں، وہ تو اپنے بیڈ روم میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ وہاں اسے روتا ہوا دیکھنے والا کوئی نہیں تھا، وہ تنہا تھا اس گھر میں، اس کمرے میں اور ثمن کو یاد کر کے، وہ اس دن کتنی دیر تک روتا رہا تھا۔ اپنے اس گھر کو اس نے کتنی حسرت سے دیکھا تھا۔ یہ گھر جو اس نے اور ثمن نے مل کر سجایا تھا۔ یہاں کے در و دیوار ان تمام محبت بھرے لمحوں کے امین تھے جو اس نے اور ثمن نے یہاں گزارے تھے۔ اپنا وہ رونا اسے آج تک یاد تھا۔

وہ لوگ یہاں شام میں آئے تھے اور اب رات ہو چکی تھی۔ معاذ کو بھوک لگ رہی تھی۔ یہاں اب وہ مستقل تو رہتا نہیں تھا اس لیے گھر کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے بس ایک چوکیدار رکھا ہوا تھا۔ باقی کوئی ملازم نہیں تھا۔ وہ یہاں بہت سے بہت دو تین دن کے لیے آتا تھا، بلکہ کبھی تو صرف صبح سے شام تک کے لئے۔ ایسے میں یہاں اضافی ملازمین کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اگر دو تین دن کے لیے بھی آتا تو صرف ناشتہ ہی گھر پر کرتا تھا، اپنا اتنا کام وہ خود ہی کر لیا کرتا تھا۔ پھر نہ لنچ اس کا گھر پر ہوتا تھا اور نہ ڈنر۔ اگر کسی کاروباری لنچ یا ڈنر میں جانا نہ ہوتا تو وہ کہیں بھی باہر ہی لنچ اور ڈنر کر لیا کرتا تھا نہیں تو رضا کے گھر چلا جاتا تھا۔ اس وقت اسی لیے وہ معاذ کو ساتھ لے جا کر باہر سے کھانا لے آیا تھا۔ معاذ فاسٹ فوڈز کا شوقین تھا

اسی لیے کھانے میں برگرز، سینڈوچز فرنچ فرائز اور پیپسی موجود تھے۔

وہ سب چیزیں میز پر رکھ کر اسے بلانے کے لیے آیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ دوسری دستک پر دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے سارے جسم کا خون ہی نچوڑ لیا ہو۔ اس کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو، تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''میں ٹھیک تو ہوں۔'' اس نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ارتضٰی نے ایک دو منٹ خاموشی سے اسے دیکھا پھر دھیمے سروں میں بولا۔

''آ جاؤ، کھانا کھا لو۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے، آپ دونوں کھا لیں۔'' اس نے منع بھی بہت شکستہ لہجے میں کیا۔

''تھوڑا سا کھا لو۔ معاذ ٹیبل پر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے معاذ کا نام لے کر اصرار کیا تو وہ فوراً ہی ہار مان گئی۔

''آپ جائیں، میں آ رہی ہوں۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ ان دونوں کے پاس ٹیبل پر آ گئی۔ معاذ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

''پاپا کے بیڈ روم میں میری بڑی تصویر لگی ہے۔ اتنا چھوٹا ہوں میں اس تصویر میں۔ ماما بھی ہیں اس میں اور پاپا بھی ہیں۔'' معاذ پورے گھر کا تفصیلی معائنہ کر چکا تھا۔ وہ اب اسے اس قسم کی اطلاعات فراہم کر رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کی بات سنی۔

''چلیں، میری تصویر دیکھیں۔'' وہ کھانا کھا چکا تھا۔ اب اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاکہ اپنی تصویر دکھا سکے۔

''میں بعد میں دیکھ لوں گی معاذ!'' اس نے انکار کیا تو وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''نہیں، ابھی دیکھیں۔''

''معاذ!'' ارتضٰی نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''اچھے بچے ضد نہیں کرتے، بڑوں کی بات فوراً مانتے ہیں۔'' وہ ارتضٰی کے ٹوکنے پر خاموش ہو گیا، لیکن حسب عادت اس کا منہ پھول چکا تھا۔ ارتضٰی اس کے منہ پھلانے کا نوٹس لیے بغیر ٹیبل سے اٹھ گیا تھا۔

وہ معاذ کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بابا اور ڈیڈی نہیں تھے جن کی وجہ سے اسے ارتضٰی کے بیڈ روم میں جانا پڑتا۔ تھوڑی دیر وہ اس سے بھی ناراض رہا تھا۔ پھر جب اس نے اسے اس کی پسند کی کہانی سنانی شروع کی تو کہانی سنتے سنتے ہی وہ اپنی ناراضی بھول گیا۔ کہانی ختم بھی نہیں ہوئی تھی اور وہ سو گیا تھا۔ معاذ کا اپنے قریب ہونا اسے ان لمحوں میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ پر سر رکھ کر لیٹا تھا اور وہ اس کے بازوؤں میں پناہ ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ معاذ جلدی سے بڑا ہو جائے۔ اتنا بڑا کہ اسے صبا کی پناہوں کی ضرورت نہ رہے، بلکہ صبا اس کی پناہوں میں سکون ڈھونڈے۔

''جلدی سے بڑے ہو جاؤ معاذ! میں تم سے اپنے دل کی سب باتیں کروں گی۔ بہت گھٹن ہے میرے اندر۔ کس سے کہو، ڈر لگتا ہے مجھے جسے بھی بتاؤں گی وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گا۔ مجھے نفرتوں سے بہت ڈر لگتا ہے معاذ! تمہیں یہ بتاؤں گی کہ میں نے تمہاری ماں کی جگہ چھینی ہے،

تب بھی نفرت نہیں کرنا مجھ سے۔ تمہیں یہ بتاؤں گی کہ میں نے تمہاری ماں سے اس کا شوہر اور بیٹا چھینا ہے، تب بھی نفرت نہیں کرنا مجھ سے۔ اگر تم نے اپنا پیار مجھ سے واپس لے لیا تو وہ زندہ کس طرح رہوں گی۔'' وہ ٹکٹکی باندھے اس بچے کو دیکھ رہی تھی، جسے اس نے جنم نہیں دیا تھا لیکن وہ اس سے پیار ویسا ہی کرتی تھی جیسا ایک ماں اپنے بچے سے کرتی ہے۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ اپنے وقت پر کھل گئی۔ معاذ بڑی بے فکری سے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ بھی کمرے سے نکلنے کے بجائے منہ دھو کر وہیں بیٹھی رہی۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی، باہر ارتضیٰ ہوگا۔ اس نے اٹھ کر فوراً دروازہ کھولا اور اسے دیکھتے ہی سلام بھی کیا۔ وہاں بابا اور ڈیڈی کے سامنے اس کے ساتھ بہت اچھی طرح بات چیت کرتے شاید وہ اس بات کی عادی ہوگئی تھی کہ اسے دیکھ کر سلام کرے، سلام کا جواب دیتے ہوئے اس نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر کمرے کے اندر آ گیا۔

''معاذ سو رہا ہے۔'' معاذ کو سوتا دیکھ کر اس نے خود کلامی کی اور پھر اس کے پاس جا کر بہت آہستہ سے اس کے گال پر پیار کیا۔

''تم دونوں ناشتہ کر لینا اور لنچ کا یہ کرنا کہ رحمت کو بھیج کر جو چیز کھانے کا دل چاہے منگوا لینا۔'' وہ معاذ کے پاس سے ہٹتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار نظر آ رہا تھا۔ اس نے جواباً سر ہلا دیا۔

صبح پراٹھے کے لیے تو اس نے معاذ کو بہلا لیا تھا۔ لیکن گھڑی گھڑی اسے بہلانا آسان نہیں تھا اور پھر جب یہاں پر اپنا گھر تھا، کچن میں تمام سہولتیں موجود تھیں تو وہ بلاوجہ اسے بہلانے کی کوشش کرتی بھی کیوں۔ وہ یہاں چھٹیاں انجوائے کرنے آیا تھا اور وہ ان چھٹیوں میں اسے ہر طرح سے انجوائے کرتے ہوئے اور خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ چوکیدار کو اس نے کچن سے متعلق سامان کی لسٹ بنا کر دے دی تھی۔ جب تک سامان آیا، وہ معاذ کے ساتھ ٹی وی دیکھتی رہی۔ جیسے ہی چوکیدار سامان لایا، وہ کچن میں آ گئی۔ معاذ بریانی شوق سے کھاتا تھا، اس نے اس سے لنچ میں بریانی پکانے کا پوچھا تو اس نے جھٹ گردن ہلا دی۔ اس نے بڑے اہتمام سے اس کے لیے بریانی پکائی، رائتہ بنایا۔ وہ ٹی وی دیکھنے کے بعد کچھ دیر اس کا سر کھاتا رہا۔ پھر یہ دیکھ کر اس کا کام تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ کمپیوٹر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اسے کمپیوٹر پر مصروف دیکھ کر وہ کچن سے فارغ ہوتے ہی ظہر کی نماز پڑھنے کمرے میں آ گئی۔ نماز پڑھ کر آئی تو معاذ کی کسی کے ساتھ باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ بری طرح چونکتے ہوئے تیزی سے لاؤنج میں آئی تو معاذ کے برابر میں ارتضیٰ بیٹھا نظر آیا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

''تم دونوں کو لنچ کے لیے لے جانے آیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ لنچ کہیں باہر کرنا چاہیے لیکن معاذ کہہ رہا ہے کہ گھر پر کھانا پک چکا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ گھر میں بابا اور ڈیڈی کی وجہ سے بات کرنا دوسری بات تھی، یہاں اس سے بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرنا اسے بہت برا لگ رہا تھا پھر بھی وہ چپ تو نہیں رہ سکتی تھی، اسے جواب دینا تھا۔

''ہاں، وہ معاذ کی وجہ سے۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''جو معاذ کی وجہ سے پکایا ہے، وہ مجھے بھی کھلا دو۔ اب آفس جا کر اکیلا کیا لنچ کروں گا۔'' وہ اس کے تاثرات انجوائے کرتے ہوئے بظاہر

سنجیدگی سے بولا۔ اس نے اپنی مرضی سے پکی گھر گرہستن کی طرح بازار سے کچھ منگانے کے بجائے گھر پر کھانا پکایا تھا اور اب خود ہی اپنی اس کاوش پر جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کی اس جھنجھلاہٹ پر اسے ہنسی آرہی تھی۔

''میں سمجھ رہا تھا، معاذ یونہی کہہ رہا ہے۔ یہ تو واقعی بریانی ہے۔'' وہ بریانی کی ڈش دیکھ کر حیرت سے بولا۔ معاذ اس کی بات پر برا مانتے ہوئے فوراً بولا۔

''ماما نے مجھ سے پوچھ کر بریانی پکائی ہے۔'' کوئی بچہ سمجھ کر اس کی بات کا یقین نہ کرتا تو اسے بہت غصہ آتا تھا۔ معاذ کی طرح وہ بھی بہت شوق سے کھانا کھا رہا تھا۔

''بابا ٹھیک کہہ رہے تھے، تم واقعی مما جیسا کھانا پکانے لگی ہو۔ ایسی بریانی مما پکاتی تھیں۔ اس کی خوشبو اور ذائقہ بالکل ویسا ہی ہے۔'' اس تعریف کے جواب میں اس کا تھینکس کہنے کو دل نہیں چاہا تھا لیکن پھر بھی اس نے بولا تھا۔ اپنے بچگانہ طریقوں میں کمی لانے کی وہ کوشش کر رہی تھی۔ جب وہ کہتا ہے کہ مجھے پتا ہے تمہیں یہ رشتہ قبول نہیں ہے تو پھر واقعی اس بات کو بار بار اور چیخ چیخ کر دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کھانے کے فوراً بعد وہ واپس آفس چلا گیا۔

☆☆☆

رضا نے اسے فون کر کے بہت اصرار سے بلایا تھا۔ وہ خود یہاں جب بھی آتا رضا سے ملے بغیر نہیں جاتا تھا۔ اگر وہ صبا کے بغیر صرف معاذ کے ساتھ اس کے گھر جاتا تو وہ یقیناً برا مان جاتا۔ وہ لوگ اس کے گھر پہنچے تو رضا خود ان کے استقبال کے لیے گیٹ پر آیا۔ بڑے احترام اور خلوص سے اس نے اس سے سلام دعا کی اور اس کی خیریت دریافت کی پھر وہ معاذ کو جھک کر پیار کرنے لگا۔

''میں نے فائزہ کو بتایا کہ ارتضیٰ، صبا اور معاذ کے ساتھ لاہور آیا ہے تو وہ آپ لوگوں سے ملنے کے لیے میرے پیچھے لگ گئی۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو چوکیدار سے پتا چلا کہ آپ لوگ ابھی ابھی گھر سے نکلے ہیں۔'' وہ ان لوگوں کو اندر لے کر آتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ وہ یہاں آنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔ اس کا ان لوگوں سے ملنے کا بھی کوئی دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن پھر بھی اسے اخلاق نبھانے کو مسکرانا ہی تھا۔ بہت تکلیف دہ تھا اس کے لیے یہاں آنا۔ وہ اس گھر میں ایک بار پہلے بھی آئی تھی۔ تب کس حیثیت سے آئی تھی اور آج کس حیثیت سے۔ اس نے لان کے اس کونے کی طرف دیکھا جس پر وہ اور ثمن سوفٹ ڈرنکس ہاتھوں میں لیے کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں کی آوازیں سنتے ہی فائزہ کچن سے نکلی تھی۔

''بہت خوشی ہو رہی ہے صبا! تمہیں یہاں دیکھ کر۔'' ارتضیٰ کو سلام کرتے ہوئے اس نے بڑی گرم جوشی سے اس کے ہاتھ تھامے۔ وہ سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔

''معاذ ماشاء اللہ کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ جب یہاں سے گیا تھا تو میرا خیال ہے پورے سال کا بھی نہیں تھا۔'' اس نے معاذ کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہا۔ معاذ منہ پھلائے خاموش بیٹھا تھا، لیکن اس کی یہ خاموشی اور ناراضی زیادہ دیر برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔ وہاں اپنا ہم عمر بچہ دیکھ کر اس کا موڈ بہت جلدی ٹھیک ہو گیا۔

''آجاؤ صبا! میں کچن میں ہوں، تم بھی وہیں آجاؤ۔'' فائزہ یقیناً ان لوگوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرنے میں مصروف تھی، اس لیے مزید وہاں بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ کچن میں آ گئی۔

''آپ کو ہماری وجہ سے زحمت ہو رہی ہے، اس طرح اچانک زیادہ لوگوں کے ڈنر کی تیاری کرنی پڑ رہی ہے۔'' وہ چپ تو نہیں رہ سکتی۔ اسے کوئی نہ کوئی بات تو کرنی ہی تھی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو صبا! ارتضٰی بھائی مجھے سگے بھائیوں کی طرح پیارے ہیں۔ اگر اس وقت تم لوگ نہیں آتے تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔ میں اور رضا تم لوگوں سے گھر پر ملنے بھی اس لیے گئے تھے کہ تم لوگوں کو باقاعدگی سے ڈنر پر انوائٹ کریں۔ اب اس وقت تو میں کچھ خاص اہتمام نہیں کر سکی ہوں۔ لیکن تم لوگوں کی ایک شاندار سی دعوت مجھے لازمی کرنی ہے۔'' وہ اتنے برسوں میں ذرا بھی نہیں بدلی تھی۔ فائزہ نے سلاد میں مایونیز مکس کرتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''تم بہت بدل گئی ہو صبا! پہلے سے بہت دبلی اور کمزور لگ رہی ہو۔'' وہ جواباً خاموش رہی تو فائزہ خود ہی بولی۔

''ارتضٰی بھائی سے تمہاری والدہ کے بارے میں پتا چلا تھا۔ اپنے دکھ کا اظہار لفظوں میں نہیں کر سکتی۔ پہلے ثمن اور اب تمہاری والدہ۔ آگے پیچھے کتنے حادثات ہوئے ہیں تم لوگوں کی فیملی میں۔ اتنے حادثات کے بعد انسان کچھ نہ کچھ تو بدل ہی جاتا ہے۔'' اسے پتا تھا وہ رسمی طور پر افسوس نہیں کر رہی، لیکن پھر بھی وہ خاموش رہی۔

''ثمن کے بارے میں آج تک یقین نہیں آتا صبا! وہ ہنستی مسکراتی، خوش اخلاق اور مہربان سی لڑکی اس طرح بالکل اچانک۔'' وہ بولتے بولتے ہی چپ ہو گئی۔ ''ساتھ گھومنے پھرنے کے پروگرامز بنانے۔ ایک دوسرے کے گھر پر بے تکلف آنا جانا۔ اب تو وہ سب باتیں خواب جیسی لگتی ہیں۔'' وہ اپنا کام چھوڑ کر اس سے ثمن کے بارے میں بات کرتے ہوئے بے حد غمگین لگ رہی تھی۔

''بلاوجہ میں نے تمہیں اداس کر دیا۔'' چند سیکنڈز کی خاموشی کے بعد اسے خود ہی اس بات کا احساس ہوا کہ صبا اس کی باتوں سے بہت اداس ہو رہی ہو گی۔

''لائیں، یہ کباب میں تل دیتی ہوں۔ آپ چاول دیکھ لیں۔'' وہ اس کی شرمندگی دور کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے کوکنگ رینج کے پاس آئی۔ فائزہ نے پہلے تکلفاً منع کیا لیکن اس کے دوبارہ کہنے پر وہ فرائنگ پین اس کے حوالے کر کے چاولوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم لوگوں کے پیرنٹس نے۔ ارتضٰی بھائی نے تمہاری اور اپنی شادی کے بارے میں بتایا تو یقین کرو، بہت خوشی ہوئی۔ تم تینوں کے حق میں اچھا ہے یہ فیصلہ۔'' اس نے عورتوں کی مخصوص فطرت کے تحت کریدنے والے انداز میں اس کے اور ارتضٰی کے تعلقات کے بارے میں کوئی سوالات نہیں کیے تھے۔ حالانکہ وہ یہ بات جانتی تھی کہ ثمن اور ارتضٰی کی پسند کی شادی تھی۔ اس کی شادی کے بارے میں بس اس قدر تبصرہ کر کے اس نے موضوع تبدیل کر دیا تھا۔

کھانے کے بعد وہ لوگ وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے تھے۔ ارتضٰی کو اندازہ تھا کہ صبا یہاں زبردستی آئی بلکہ لائی گئی ہے، اسی لیے اس نے

کھانے کے کچھ ہی دیر بعد جانے کا شور مچا کر رضا کے مزید رکنے کے اصرار کو دبا دیا تھا۔ ان سے رخصت ہو کر وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے تو ارتضیٰ نے دیکھا کہ گاڑی میں بیٹھتے ہی صبا نے چہرے پر سے وہ خوش اخلاقی کا تاثر دیتی مسکراہٹ ہٹالی تھی۔

گھر آتے ہی وہ سیدھی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ معاذ اور ارتضیٰ گھر کے اندر ابھی داخل ہوئے تھے اور وہ ان سے پہلے ہی تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

ارتضیٰ نے معاذ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے لنچ کرانے لے جائے گا۔ معاذ بہت خوش تھا۔ دو بجے ارتضیٰ نے فون کر کے بتایا کہ مصروفیت کی وجہ سے وہ نہیں آسکے گا۔ تو معاذ پر اوس پڑگئی۔ صبا نے اسے اس کا پسندیدہ پراٹھا بنا کر دیا تو وہ بہل گیا۔ اب وہ بے چینی سے شام کا انتظار کر رہا تھا۔ ارتضیٰ نے ڈنر باہر کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ارتضیٰ کی واپسی پر اس کے ساتھ ایک اور گاڑی اور اس میں سے اترتے دو افراد کو دیکھ کر معاذ کی ساری خوشی ختم ہوگئی۔ غالباً وہ اس کے بزنس سے متعلق ہی کوئی جاننے والے تھے۔ وہ معاذ کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے کچن میں آگئی، لیکن اس نے ڈرائنگ روم میں چائے یا کافی بھجوانے کے بارے میں ذرا بھی نہیں سوچا تھا۔

وہ کچن میں اپنا کام مکمل کر کے معاذ کے پاس کمرے میں آگئی۔ اس کا موڈ آف تھا۔ اس وقت وہ ارتضیٰ کے ساتھ ساتھ صبا سے بھی ناراض تھا۔ اسے نظر انداز کر کے وہ پیپر، پنسلیں اور کلرز اپنے گرد پھیلائے کوئی ڈرائنگ بنانے میں مصروف تھا۔ وہ اسے منانے کی کوشش کرنے لگی۔

''ایک تو آفس سے اتنی دیر سے آئے ہیں پاپا پھر اب گھر میں بھی آفس کا کام کر رہے ہیں۔ میں بات نہیں کروں گا پاپا سے۔ ماما! ہم واپس کراچی چلتے ہیں، پاپا کو یہاں اکیلا چھوڑ کر۔'' وہ باپ سے سخت ناراض تھا۔ اس سے اچھا تو وہ کراچی میں تھا۔ وہاں بابا تھے، ڈیڈی تھے۔ یہاں تو ماما کے علاوہ اس سے بات کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ منہ پھلا کر بڑی ناراضی سے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر وہ معاذ کے ساتھ باتیں کرتی رہی پھر اٹھ کر اس کے لیے کھانا لینے کچن میں آگئی۔ وہاں چائے بنائے جانے کے آثار نظر آئے تھے۔ یقیناً ارتضیٰ خود اپنے مہمانوں کے لیے چائے بنا کر لے گیا تھا۔

وہ ایک سرسری نگاہ سے اس چیز کا جائزہ لیتے ہوئے ٹرے میں چکن پائی، اسپرائٹ کی بوتل اور گلاس رکھنے لگی۔ آج اس نے معاذ کے لیے بڑے اہتمام سے چکن پائی بنائی تھی۔ وہ ٹرے لے کر کمرے ہی میں آگئی۔ معاذ کھانے میں اپنے لیے اتنا اہتمام دیکھ کر کسی قدر بہل گیا تھا۔ ان دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ معاذ کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے اس کی پسند کی باتیں کرتی رہی تھی۔ کھانے کے بعد وہ دوبارہ ڈرائنگ بنانے بیٹھ گیا تو وہ بھی اس کے ساتھ ڈرائنگ میں رنگ بھرنے لگی۔ معاذ کو نیند آرہی تھی۔ لیکن وہ نیند بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ باپ سے ناراض تھا اور اسے یہ بات بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے مگر زبردستی جاگنے کی کوشش کرنے کے باوجود بھی وہ دس بجے سے زیادہ نہیں جاگ سکا تھا۔ دن میں بالکل نہیں لیٹا تھا۔ وہ ڈرائنگ بناتے بناتے اس کی گود میں سر رکھے سو گیا تھا۔ اس کے سونے کے بعد اس نے بڑے آرام سے اسے گود میں اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور خود بھی اس کے پاس لیٹ گئی۔ خاصی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی، اسے پتا تھا یہ ارتضیٰ ہوگا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''معاذ سو گیا۔'' اس کے دروازہ کھولتے ہی اس نے پوچھا۔ وہ بغیر جواب دیے سامنے سے ہٹ گئی تو وہ فوراً ہی اندر آ گیا۔

''ابھی سویا ہے۔'' معاذ کے پاس جاتے ہوئے اس نے صبا سے پوچھا۔ اس نے گردن ہلا دی۔ وہ اس پر جھکا آہستہ سے اس کے گال پر پیار کر رہا تھا۔

''مجھ سے بہت ناراض ہوگا۔'' اسے پیار کر کے پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے مزید پوچھا۔ یقیناً اسے بیٹے کی ناراضی کی بہت فکر تھی۔ وہ جواب میں ہاں یا نہیں کہنے کے بجائے خاموش رہی۔ ارتضیٰ نے ایک پل کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے دروازے کے پاس کھڑی اس کے کمرے سے نکل جانے کی منتظر تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ کل رضا کے گھر جانے والی بات پر اسے اب تک غصہ ہے۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ دوبارہ معاذ کے برابر میں لیٹ گئی تھی۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کچھ تاخیر سے کھلی۔ آنکھیں کھولتے ہی اس نے اپنے برابر میں دیکھا۔ معاذ وہاں نہیں تھا۔ وہ ایک دم ہی بستر سے اٹھی تھی۔ حالانکہ پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ جاگ کر یقیناً ارتضیٰ کے پاس لان میں چلا گیا ہوگا۔ لیکن وہ پھر بھی بری تیزی سے باہر آئی تھی۔ باہر نکلتے ہی اس کے کانوں میں معاذ کی آوازیں آئی تھیں۔ وہ ارتضیٰ کے کمرے کی طرف آ گئی۔

''میں آپ سے پکا ناراض ہوں، کبھی بھی دوستی نہیں کروں گا۔'' بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا وہ اپنی ناراضی کا شدت سے اظہار کر رہا تھا۔ وہ کمرے کے دروازے پر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ارتضیٰ اس کے پاس بیٹھا بڑی توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔ وہ آفس جانے کے لیے مکمل طور پر تیار نظر آ رہا تھا۔ آج شاید اسے کسی خاص میٹنگ یا لنچ میں شرکت کرنا تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اتنے زبردست طریقے سے تیار ہوا تھا۔ بلیک ٹو پیس سوٹ، وائٹ شرٹ۔

''پاپا سوری بولیں گے پھر بھی دوستی نہیں کرو گے؟'' وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ''پھر بھی دوستی نہیں کروں گا۔ کبھی بھی نہیں کروں گا۔'' وہ پرزور انداز میں بولا۔ ارتضیٰ اس کی بات سن کر زیرلب مسکرایا۔

''اگر آج آؤٹنگ کے لیے چلیں، بہت سارا گھومیں پھر بھی دوستی نہیں ہوگی۔'' وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''مجھے پتا ہے، آپ لے کر ہی نہیں جائیں گے۔'' وہ ماننے سے انکار کرنے لگا۔ ارتضیٰ نے بے ساختہ اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

''میں ارتضیٰ غضنفر آج ۲۹ دسمبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے اپنے پیارے معاذ سے یہ وعدہ کر رہا ہوں کہ آج شام ٹھیک پانچ بجے گھر آ جاؤں گا اور اس کے بعد کا سارا وقت معاذ کا ہوگا۔ جہاں معاذ کہے گا، ہم وہاں چلیں گے۔ جب تک اس کا گھر واپس آنے کا دل نہیں چاہے گا، واپس نہیں آئیں گے۔ جہاں معاذ کہے گا وہاں ڈنر کریں گے۔'' اسے اپنے بالکل قریب کیے وہ بڑی سنجیدگی سے وعدہ کر رہا تھا۔ معاذ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''پرامس کریں۔''

''پرامس، بالکل پکا پرامس۔ ادھر گھڑی پانچ بجائے گی، ادھر پاپا گھر میں موجود ہوں گے اور معاذ کے پاپا کبھی جھوٹ نہیں بولتے، کبھی

جھوٹا پرامس نہیں کرتے۔'' شاید کل کی اس کی ناراضی نے ارتضیٰ کو ڈسٹرب کیا تھا۔ اسی لیے اس وقت وہ اس طرح اس سے وعدہ کررہا تھا۔ معاذ کی آنکھوں میں بڑی پیاری سی چمک تھی۔ اس کی ساری ناراضی یک دم ہی دور ہوگئی تھی۔

''اب تو پاپا سے لڑائی نہیں ہے نا۔'' وہ اس کے گالوں پر پیار کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ معاذ نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں معاذ! کل رات ناراض ہوکر سوئے تھے تو پاپا کو ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔'' معاذ حیرت اور خوشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس درجہ شدت سے کبھی اس کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ اس پر اپنا تھوڑا سا رعب رکھتا تھا۔ کبھی کبھار اس کی ضدوں پر ڈانٹ ڈپٹ بھی کرلیا کرتا تھا، لیکن اس وقت وہ بالکل مختلف انداز میں بیٹے سے باتیں کررہا تھا۔ صبا کو اس پل ان دونوں کو دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے پلٹنے کے بجائے دروازے پر ہی رکی رہ گئی تھی۔

''اب پاپا جائیں؟'' اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر اس نے پوچھا تو معاذ نے فوراً گردن ہلا دی۔ وہ اسے گود سے اتار کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے خود اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تیار رہنا، ٹھیک پانچ بجے۔'' اس نے گویا معاذ کو یاد دہانی کروائی۔ اس نے بڑے زور وشور سے جھوم کر گردن ہلا دی تھی۔ ارتضیٰ ایک پیار بھری نگاہ اس پر ڈال کر بریف کیس اور موبائل اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف گھوما۔ صبا نے دیکھا کہ اس کے کوٹ پر اچھی خاصی شکنیں پڑ گئی تھیں۔ اپنے سوٹ کی پروا کیے بغیر اس نے جس طرح معاذ کو گود میں بٹھا کر پیار کیا تھا، اس نے اس کی تیاری کو تھوڑا سا خراب کردیا تھا، لیکن وہ اس بات سے بے نیاز نظر آرہا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے بھی ان شکنوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مڑتے ہی اس کی نگاہ صبا پر پڑی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''چکن پائی بہت مزے کی تھی صبا!'' وہ دروازے پر آکر اس کے پاس ٹھہر گیا۔

''رات اتنی زبردست بھوک لگ رہی تھی، کچن میں جھانکا تو چکن پائی دیکھ کر مزہ آگیا۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔ جیسے اپنی بھوک اور ندیدے پن کو انجوائے کررہا ہو۔ وہ جواباً خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

ناشتے کے بعد معاذ اکیلا ہی فٹ بال کھیلنے لگا۔ وہ آج بہت خوش تھا۔ ساتھ کھیلنے کے لیے اس کے پیچھے بھی نہیں لگا تھا وہ کچن سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ ارتضیٰ ناشتہ کیے بغیر چلا گیا تھا۔ کچن میں آتے ہی وہاں صرف رات کے برتنوں کو دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔ صبح معاذ کو منانے میں یقیناً اس کا بہت وقت صرف ہوگیا تھا اور پھر شاید اس کے پاس اپنے لیے ناشتہ بنانے اور کرنے کا وقت نہیں بچا تھا۔

وہ کچن سے فارغ ہوکر معاذ کے پاس لان میں آگئی۔ باہر نکلتے ہی سرد ہواؤں نے اس کا استقبال کیا۔ سردی کی شدت کا اندازہ تو اندر بھی ہورہا تھا لیکن باہر نکل کر وہ اسے اپنے اندازے سے بھی زیادہ لگی۔ اسے سردیاں اچھی لگتی تھیں۔ سردیوں کا موسم، سردیوں کی بارش اس نے ہمیشہ انجوائے کی تھی، مگر معاذ کے لیے اسے یہ موسم ذرا زیادہ ہی سرد لگا۔

''معاذ! باہر بہت ٹھنڈ ہے، اندر آکر کھیل لو۔'' وہ اسکی بات مان کر فوراً اندر آگیا وہ اب لاؤنج میں فرش پر فٹ بال کھیلتا پھر رہا تھا۔

ڈھائی بجے سے وہ اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔

''ماما! چلیں نا، تیار ہوتے ہیں۔ آپ میرے کپڑے نکال دیں۔'' وہ اس کی بے قراری پر محظوظ ہوتی ہنس رہی تھی۔

''ابھی پانچ بجنے میں بہت دیر ہے جانو! اتنی جلدی تیار ہو کر کیا کرو گے۔ تھوڑی دیر سو جاؤ، میں تمہیں ساڑھے چار بجے اٹھا دوں گی۔ تیاری کے لیے آدھا گھنٹہ بہت ہے۔'' ہنسی روکتے ہوئے اس نے اسے پیار سے سمجھایا، لیکن وہ سونے کے لیے تو ہرگز آمادہ نہیں تھا۔ اس کے بہت پیچھے لگنے پر صبا کو اس کے کپڑے نکالنے کے لیے کمرے میں آنا پڑا۔ جتنی دیر میں اس نے کپڑے نکالے، اتنی دیر میں وہ باتھ روم جا کر خوب اچھی طرح رگڑ رگڑ کر منہ ہاتھ دھو کر آ گیا۔ جو کپڑے اس نے نکالے تھے، وہ اس نے بخوشی پہن لیے۔ سویٹر پہننے میں بھی اپنی عادت کے مطابق کوئی نخرے نہیں کیے۔

''اب آپ بھی تیار ہو جائیں۔'' وہ اب صبا کے پیچھے لگا تھا کہ وہ تیار ہو۔ اس کا کہیں جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا، لیکن وہ معاذ کی معصومانہ سی خوشی کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''معاذ! اگر تم اور پاپا چلے جاؤ۔ میں گھر پر رہ لوں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھا۔

''جی نہیں، آپ بھی جائیں گی۔'' وہ کچھ خفا سا ہوتا الماری کی طرف بھاگا۔ اس کے جو جو کپڑے اس کے ہاتھ میں آتے جا رہے تھے، وہ انہیں کھینچ کھینچ کر باہر نکال رہا تھا۔

''تم ساری الماری کا حلیہ بگاڑ دو گے۔ ہٹو، میں خود نکال لیتی ہوں۔'' وہ اس کے بغیر جانے کے لیے کبھی نہیں مانے گا وہ جانتی تھی، اسی لیے مزید کچھ کہے بغیر خود ہی کپڑے نکالنے لگی۔

وہ ہلکی پھلکی تیاری کے ساتھ اس کے سامنے آئی تو وہ بے اختیار بولا۔

''ماما! آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' اس نے بڑی سچائی سے اس کی تعریف کی۔

''تم بہت حسن پرست ہو معاذ!'' بے ساختہ اس نے معاذ سے یہ بات کہی اور پھر خود ہی چونک کر بالکل خاموش ہو گئی۔ معاذ کے بارے میں یہ رائے وہ ایک مرتبہ پہلے بھی دے چکی ہے، اسے اچانک ہی اپنی کہی وہ اپنی بات یاد آئی تو وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

''یہ کیا ہوتا ہے؟'' معاذ حسن پرست کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔ وہ حیرت سے اس سے اس بات کا مطلب پوچھ رہا تھا۔

''یہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' ایک گہری سانس لے کر وہ سیدھی ہوئی اور ہولے سے اس کے سرخ گالوں کو چھوا۔ سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ اوڑھنے کے بجائے اس نے سیاہ کشمیری کڑھائی والی گرم شال اوڑھ لی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر واپس لاؤنج میں آئے تو موسم کچھ اور بدلا ہوا لگا۔ ہلکی ہلکی سی پھوار بارش میں بدلتی نظر آ رہی تھی۔

''لگتا ہے، خوب زوردار بارش ہو گی۔ اگر بارش ہوئی تو کیسے جاؤ گے معاذ!'' بڑی شرارتی مسکان چہرے پر لیے وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''بارش ہو گئی تو بھی جائیں گے۔'' اس نے پرزور انداز میں کہا۔ ساڑھے چار بج رہے تھے۔ وہ ٹی وی آن کر کے وقت گزارنے لگی۔

معاذ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھڑکی میں جا کر پورچ میں جھانک رہا تھا۔

پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں سب ختم ہونے ہی والی تھیں اور پھر گھڑی نے پانچ بجا دیئے لیکن وہ نہیں آیا۔

''پاپا ابھی تک کیوں نہیں آئے؟'' سوا پانچ ہو رہے تھے اور پچھلے پندرہ منٹوں میں وہ پندرہ ہی مرتبہ اس سے یہ سوال کر چکا تھا۔

''آنے والے ہیں، آنے والے ہیں، آپ کتنی دیر سے یہی کہہ رہی ہیں۔'' ساڑھے پانچ بجے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ اب اسے فون کر رہا تھا۔ صبا نے اسے ٹوکا نہیں تھا۔ ریسیور کان سے لگائے وہ دوسرے طرف سے کال ریسیو کیے جانے کا منتظر تھا کافی دیر تک ریسور کان سے لگائے رکھنے کے بعد اس نے مایوس ہو کر ریسیور واپس رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے اس سے پوچھا۔

''پاپا کال ریسیو نہیں کر رہے۔'' وہ بہت مایوس اور اداس نظر آنے لگا تھا۔

''لاؤ، میں ٹرائی کروں۔'' وہ اٹھی اور ارتضیٰ کا موبائل نمبر ملایا۔ اس کا موبائل آف نہیں تھا۔ ڈائل ٹون بھی بالکل ٹھیک تھی، پھر وہ کال کیوں نہیں ریسیو کر رہا تھا۔ اس نے تین مرتبہ ٹرائی کیا۔

''میرا خیال ہے وہ راستے میں ہوں گے یہ دیکھ کر کہ گھر سے فون کیا جا رہا ہے، جان کر بات نہیں کر رہے۔ سوچ رہے ہوں گے اب تو میں گھر پہنچنے ہی والا ہوں۔'' ریسور کریڈل پر رکھتے ہوئے اس نے معاذ کو تسلی دی۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

''کیا ہوا معاذ!'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''پاپا نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ جھوٹا پرامس کیا۔'' وہ باپ کی وعدہ خلافی پر سخت غصے میں تھا۔

گھڑی ساڑھے چھ بجا رہی تھی اور وہ اس چھوٹے سے بچے کو کسی بھی طرح یہ بات سمجھا نہیں پا رہی تھی کہ معاذ تمہارے پاپا جھوٹ نہیں بولتے اور کسی کے ساتھ وہ مصلحتاً جھوٹ بول بھی لیں، تمہارے ساتھ کبھی نہیں بول سکتے۔ وہ معاذ کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ لیکن خود بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ ارتضیٰ غضنفر جھوٹ نہیں بولتا اور اپنے بیٹے کے ساتھ تو وہ کبھی جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ وہ اٹھی اور ایک مرتبہ پھر فون ملانے لگی۔ اب کی بار وہ اس کے آفس فون کر رہی تھی۔ دوسری طرف سے اس کی سیکرٹری نے فون اٹینڈ کیا تھا۔

''سر تو تین بجے آفس سے چلے گئے تھے۔'' ارتضیٰ سے متعلق اس کے استفسار کے جواب میں اس نے بتایا۔

''وہ آفس سے کہاں گئے تھے؟'' اس نے خود محسوس کیا کہ اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ ہے۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتی میڈم! انہوں نے آج صبح آفس آتے ہی اپنی سب اپائنٹمنٹ کینسل کروا دی تھی۔ شام چار بجے ایک میٹنگ تھی، انہوں نے اسے بھی ملتوی کر دیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ آج انہیں اپنا کچھ پرسنل اور بہت ضروری کام ہے۔ وہ آفس سے جلدی جلدی ضروری کام نمٹا کر وہ تین بجے آفس سے اٹھ گئے تھے۔'' وہ شاید اس کی پریشانی کو محسوس کر گئی تھی، اسی لیے بہت تفصیل سے بتایا تھا۔ وہ فون بند کر کے واپس معاذ کے پاس آ گئی۔ وہ ابھی بھی رو رہا تھا۔

''چلے گئے ہوں گے اپنی کسی میٹنگ میں۔'' وہ روتے ہوئے غصے سے بولا۔

معاذ روتے روتے خود ہی چپ ہو گیا تھا۔ باہر بارش پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ موسلا دھار اور گرج چمک والی بارش۔ بادلوں کی گرج چمک ان کے بیچ موجود خاموشی کو بڑے خوفناک انداز میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد توڑ رہی تھی۔ اسے بادلوں کی گرج چمک کبھی اچھی نہیں لگی تھی۔ عجیب سا خوف اور دہشت پیدا ہو جاتی تھی، بادلوں کے گرجنے سے اور آج تو یہ شور اسے ہمیشہ سے بھی زیادہ برا لگ رہا تھا۔ گھڑی میں ساڑھے سات بجتے دیکھ کر معاذ نے ایک مرتبہ پھر رونا شروع کر دیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا۔

''معاذ! پاپا آنے والے ہوں گے۔ تم دیکھ لینا، ان کی گاڑی خراب ہو گئی ہو گی۔'' اس سے یہ بات کہتے وقت اسے ایسا لگا جیسے وہ معاذ سے زیادہ خود اپنے آپ کو تسلی دے رہی ہے۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ کہیں بھی تھا، چاہے گاڑی خراب ہو گئی تھی یا جو بھی مسئلہ تھا، وہ گھر پر فون کیوں نہیں کر رہا تھا۔ وہ اتنا غیر ذمہ دار اور لاپرواہ کبھی بھی نہیں رہا تھا اور پھر وہ موبائل پر کال کیوں ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ اٹھی اور اٹھ کر ایک مرتبہ پھر اس کے موبائل پر کال کرنے لگی۔ چار مرتبہ اس نے کوشش کی، بہت دیر تک بیل جانے دی، مگر وہ جیسے بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، اس نے رضا کے گھر کا فون نمبر ڈھونڈا۔ فون اس کے ملازم نے اٹھایا۔ رضا اور فائزہ گھر پر نہیں تھے۔ وہیں رکھے ٹیلی فون انڈکس میں اسے رضا کے علاوہ ارتضٰی کے کچھ اور جاننے والوں کے فون نمبرز بھی مل گئے۔ ان میں سے کسی کو بھی اس کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

ریسیور واپس رکھ کر وہ گم صم سی فون کے پاس کھڑی تھی۔ وہ یہاں رضا کی فیملی کے علاوہ کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ اس طوفانی بارش میں کس کے پاس جائے، کس سے کہے کہ ارتضٰی غضنفر کو ڈھونڈ کر لے آؤ۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے نو بج چکے تھے معاذ روتے روتے صوفے پر ہی سو گیا تھا۔

وہ کمرے سے اس کے لیے کمبل اٹھا کر لے آئی۔ اس پر کمبل ڈالتے ہوئے اس نے جھک کر اس کے گالوں پر ٹھہرے آنسو صاف کیے پھر اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیار سے سنوارتے ہوئے اسے پیار کرنا چاہا۔ وہ اسے پیار کرنے کے لیے اس کے گال پر جھکی ہی تھی کہ ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ اتنا تڑپ کر، اتنا والہانہ اپنے پیار کرنے پر اسے اچانک ارتضٰی کا صبح کا وہ والہانہ انداز یاد آ گیا تھا۔

پانچ سال پہلے ایک خوبصورت سی شام کسی نے اسی والہانہ انداز میں بڑی شدت کے ساتھ معاذ کو پیار کیا تھا۔ آخری بار پیار کیا تھا۔

''تم تو اسے ایسے پیار کر رہی ہو شمن! جیسے یہ تم سے کہیں دور جانے والا ہے۔''

''اللہ نہ کرے جو کبھی معاذ مجھ سے دور ہو۔'' پانچ سال پہلے کی وہ شام زندہ ہو کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''ہونے دو خراب، میرا بیٹا میری گود میں آ کر خوش ہو رہا ہے۔ اور میں یہ سوچ کر اسے خود سے دور کر دوں کہ کہیں میری ساڑھی نہ خراب ہو جائے۔''

''پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں معاذ، کل رات ناراض ہو کر سوئے تھے تو پاپا کو ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔'' وہ خود سے کانپتی مسلسل معاذ سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔

''اور معاذ کے پاپا کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ کبھی جھوٹا پرامس نہیں کرتے۔'' وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے ٹکرا کر رک گئی تھی۔

بہت زور سے بادل گرجے تھے اور ساتھ ہی فون کی بیل بھی بجی تھی۔ آج یہ آسمانی بجلی کہاں گرنے والی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن اس کا دل؟ وہ کیوں اس طرح تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اس نے خوف سے اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف دیکھا۔ اس کے قدموں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ وہ یہ فون نہیں سنے گی۔ فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی۔

''کہاں سے تھا یہ فون؟ کون اس سے بات کرنا چاہتا تھا؟ اسے کیا خبر سنائی جانی تھی۔

''تم میرے ساتھ ایسا مت کرنا، ارتضیٰ غضنفر۔ ایسا مت کرنا جیسا ثمن نے کیا تھا، جیسا مما نے کیا تھا۔'' فون کی بیل بج بج کر خود ہی خاموش ہو گئی تھی۔ اس نے کانوں پر سے ہاتھ ہٹائے اور گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا دس ہو رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے سوا دس بجے ایسا لگ رہا تھا جیسے آدھی رات گزر چکی ہے۔ لاؤنج کے علاوہ پورا گھر اندھیرے سے ڈوبا تھا۔

باہر بجلی ویسے ہی چمک رہی تھی۔ بادل ویسے ہی خوفناک انداز میں گرج رہے تھے۔ بارش اس شدت سے برس رہی تھی۔

سردیوں کی بارش اسے کتنی پسند تھی۔ وہ اس موسم کو گھر آ کر انجوائے کیوں نہیں کر رہا۔

''چکن پائی بہت مزے کی تھی صبا؟'' اس کے کانوں میں اس صبح کا وہ جملہ گونجا۔ اسے یاد آ رہا تھا، صبح وہ ناشتہ کیے بغیر چلا گیا تھا۔ اس کی سیکرٹری کہہ رہی تھی کہ اس نے لنچ بھی نہیں کیا اور کل رات؟ چکن پائی کی تعریف اس نے یونہی کی تھی۔ کھایا تو بہت تھوڑا سا تھا۔ ''مجھے اس کے لیے ناشتہ بنانا چاہیے تھا۔ اب بھی پتا نہیں اس نے کھانا کھایا ہو گا یا نہیں۔''

وہ اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

''جلدی سے واپس آ جاؤ، میں تمہارے لیے خود کھانا بناؤں گی۔ تمہیں اس دن میرے ہاتھ کی بریانی اچھی لگی تھی ناں۔ میں اس دن سے بھی اچھی بریانی پکاؤں گی۔ تمہیں میرے ہاتھ کی کافی پسند ہے نا۔ میں تمہارے لیے اپنے ہاتھ سے کافی بناؤں گی۔''

اچانک بجنے والی فون کی بیل نے اس کی ساری سوچوں کو درہم برہم کر دیا۔ یہ فون کیوں بار بار بج رہا ہے۔ وہ کوئی فون نہیں سنے گی۔ اس نے فون کا تار بڑی بے دردی سے کھینچتے ہوئے فون اٹھا کر دور پھینک دیا تھا۔ اب یہ بیل نہیں بجے گی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ پھر دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

''صبا! ہمارے پاس گنوانے کے لیے بہت کچھ اب بچا ہی نہیں ہے۔'' وہ جیسے اسی دیوار سے ٹیک لگائے اس کے برابر کھڑا تھا۔

''میرے پاس تو واقعی اب گنوانے کے لیے کچھ بھی نہیں بچا۔'' اس نے آہستہ سے شکستہ لہجے میں اس سے کہا۔ لیکن وہ وہاں ہوتا تو اس کی بات کا کوئی جواب دیتا۔

وہ اس کی بدتمیزی پر اسے تھپڑ مارنے کے بعد خود ہی معافی مانگنے آ گیا تھا۔ اس نے اپنے بائیں گال پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی زندگی میں اس شخص کے علاوہ دوسرا ایسا کوئی نہیں تھا۔ جو اس کی غلطیوں کو اتنی آسانی سے نظر انداز کر دیتا ہو۔ جو اس کی بدتمیزی پر اس سے ناراض ہونے کے بجائے الٹا خود اسے مناتا ہو اور جو اسے تکلیف دینے والے سے انتہائی حدوں تک نفرت کرتا ہو۔

"واپس آ جاؤ ارتضیٰ! پلیز واپس آ جاؤ۔" اس نے بڑی شدت سے اسے پکارا۔ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ وہ کب سے گھڑی پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"مما! آپ نے کہا تھا کہ آپ کو اپنے سگے بیٹے پر بھی اتنا بھروسہ نہیں ہے جتنا ارتضیٰ پر ہے۔ آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا" ہمیشہ میری حفاظت کرے گا۔ مجھے ہر دکھ اور ہر تکلیف سے بچائے گا۔ پھر آج میں تنہا کیوں ہوں مما؟ وہ میرے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ وہ میرے پاس کیوں نہیں ہے؟ آپ نے مجھے دعا دی تھی مما! کہا تھا کہ صبا زندگی تم پر ہمیشہ ماں کی گود کی طرح مہربان رہے گی، اس کا دامن کبھی تمہارے لیے تنگ نہیں پڑے گا۔ لیکن زندگی کبھی مجھ پر ماں کی گود کی طرح مہربان نہیں ہوتی مما۔ اس نے قدم قدم پر مجھے آزمایا ہے۔ قدم قدم پر مجھے تکلیفیں دی ہیں۔ دیکھیں مما! آج اس طوفانی بارش اور اجنبی شہر میں آپ کی صبا بالکل تنہا ہے۔" اچانک اس کے دل میں شدت سے یہاں سے بھاگ جانے کی خواہش ابھری تھی۔

باہر سڑک پر بھی مکمل اندھیرا پھیلا ہوا تھا، صرف بجلی کے چمکنے سے لمحہ بھر کے لیے روشنی ہوتی اور پھر اندھیرا۔ اس نے اپنے گھر کے گیٹ سے باہر ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکتی دیکھیں۔

وہ بے ساختہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ وہ اس لمحہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ یہاں تک کہ معاذ کو بھی۔ اسے بس یہ یاد تھا کہ اسے اس گھر سے کہیں چلے جانا چاہیے۔ کہیں دور، بہت دور۔ وہ اب زندگی کو کبھی یہ موقع نہیں دے گی کہ وہ صبا شفیق کو آزمائے۔

آنے والے نے بجائے گیٹ پر بیل کرنے کے چابی سے خود ہی گیٹ کھول لیا تھا۔ گیٹ کھلنے کی آواز پر چوکیدار فوراً باہر نکلا اور پھر آنے والے کو دیکھ کر مطمئن ہوتا واپس اندر چلا گیا۔ اس نے گیٹ کے اندر قدم رکھنے والے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔ وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے اس اندر آنے والے کو نظر انداز کرتی گیٹ کھولنے لگی۔

"کیا ہوا صبا؟" اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے گیٹ سے نکلنے سے روکا تھا۔ اس نے چونک کر اس آنے والے کو دیکھا۔ اسے یقین تھا یہ اس کا وہم ہے وہ کسی اور کی شکل میں اس کی شکل دیکھ رہی ہے۔ اس کے سامنے کوئی اور کھڑا ہے۔ شاید رضا یا پھر شاید اس کا کوئی اور دوست۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آ گیا۔

"صبا!" یہ آواز اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی، یہ شکل اس کا الوژن ہو سکتی تھی، لیکن یہ آواز، بے ساختہ وہ اس کے قریب ہوئی۔

"تم پریشان ہو رہی تھیں صبا؟" وہ بہت تشویش سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اوپر آہستہ سے ہاتھ رکھا تھا۔ وہ جیسے اچانک ہی کسی خواب سے جاگی تھی۔

"کہاں گئے تھے؟" وہ بہت زور سے چیخی تھی۔

"وعدہ کر کے گئے تھے پانچ بجے آؤں گا۔ کیوں نہیں آئے؟ یہ بھی نہیں سوچا کہ صبا اور معاذ اکیلے ہیں۔" وہ اس کے بازوؤں کو جھنجوڑتے ہوئے اور تیز آواز میں چلائی۔

''صبا! میں......'' اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھی۔

مما کہتی تھیں۔ ''صبا! ارتضیٰ تمہارا بہت خیال رکھے گا۔ یہ خیال رکھا ہے میرا؟ اس انجان شہر میں مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔'' اس پر ایک جنون سا سوار تھا، وہ اسی طرح سے جھنجوڑتے ہوئے چلا رہی تھی۔

''صبا! میں گھر پر فون کر رہا تھا، تم فون سن ہی نہیں رہی تھیں۔'' اس کی تیز آواز نے پھر ارتضیٰ کو بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''سب مرجائیں گے صرف صبا زندہ رہے گی۔ اسے کوئی قبول نہیں کرتا۔ اسے موت بھی قبول نہیں کرتی۔ صبا زندہ رہے گی سب کو مرتا دیکھنے کے لیے۔ ثمن کی، اماں کی، مما کی اور اب آپ......اب آپ کی باری ہے۔ مرنا چاہتے ہیں۔ صبا کو اکیلا چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔'' وہ اس کے سینے پر مکے مار رہی تھی۔

''صبا! مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ دیکھو، میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔'' اس نے ذرا سختی سے کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''دیکھو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں کہیں بھی نہیں گیا۔ میں تمہارے پاس ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہا۔'' اس نے بہت نرم لہجے میں اسے یقین دلایا۔ اس نے ایک پل کے لیے اس کی طرف دیکھا اور پھر پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا اس نے ایک دم ہی اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔

''مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے۔ میں کتنی اکیلی ہوگئی تھی۔ مجھے اتنا ڈر لگ رہا تھا۔'' وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر سسک رہی تھی۔

''مجھے ایسا لگا کہ ثمن، اماں اور مما کی طرح آپ بھی۔ آپ نے کہا تھا ہمارے پاس گنوانے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ میرے پاس تو واقعی اب گنوانے کے لیے کچھ نہیں بچا ہے۔'' وہ رو رہی تھی۔ ارتضیٰ نے اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے کے گرد رکھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ابھی بھی اس کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ منہ سے کچھ بھی نہیں بول رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

''ثمن اور مما کی طرح مجھے چھوڑ کر مت جایئے گا۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔ میں نے آپ سے محبت کی ہے۔ آپ کو کچھ ہوا تو میں بھی مرجاؤں گی۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔ اسے یوں روتے روتے پتا نہیں کتنے پل گزر گئے تھے۔

ارتضیٰ نے اسے رونے سے منع نہیں کیا تھا، لیکن اسے خود ہی روتے روتے نہ جانے کیا ہوا تھا۔ اس نے اس کے پاس سے ہٹنے کی کوشش کی۔ اپنے کندھے پر سے اس کا ہاتھ ہٹانا چاہا۔ ارتضیٰ نے اس کے کندھے پر سے ہاتھ ہٹا لیا اور اس کے ہاتھ بھی چھوڑ دیئے۔ وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ پھیرنے کے بعد اسے اپنے سامنے کیا۔ اس کے ہاتھ پر اس کے آنسو تھے۔ وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ رو رہی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔

پانچ سال بعد وہ روئی تھی اور یہ تو طے تھا کہ اگر کبھی اس کی آنکھیں رونے کے قابل ہوسکیں تو سب سے پہلے انہیں کس بات پر رونا ہے۔

اسی بات پر جس بات کے بعد ان آنکھوں نے رونے سے انکار کردیا تھا۔

اس کی بہن پانچ سال پہلے مری تھی لیکن اس کے مرنے کا غم اسے آج منانا تھا۔

''ثمن!'' وہ بہت زور سے چلائی تھی۔ ارتضیٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اب اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''ثمن! ثمن!'' پکارتے ہوئے وہ زور زور سے رو رہی تھی۔ روتے روتے وہ بارش کے پانی سے بھری ٹھنڈی یخ گھاس پر بیٹھ گئی۔ لان میں بارش کی وجہ سے ہر طرف پانی ہی پانی ہو رہا تھا۔

''تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئیں ثمن!'' اس نے روتے روتے گھاس پر اپنا چہرہ رکھ دیا تھا۔ وہ اب مزید خاموشی سے اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''صبا! اٹھو...... اندر چلو...... دیکھو، بارش کتنی تیز ہو رہی ہے۔ کتنی ٹھنڈ ہے یہاں پر۔'' اس نے اس کا چہرہ اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔

''مجھے تمہارا آنا برا نہیں لگا تھا ثمن! میں نے کبھی تم سے نفرت نہیں کی۔ تم سے تو میں بہت پیار کرتی ہوں بہت پیار کرتی ہوں۔ میں تم سے ثمن......'' ارتضیٰ اس کا سر اوپر نہیں اٹھا سکا تھا۔ وہ خود بھی اس کے پاس گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ اسی طرح ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے رو رہی تھی۔

بارش کا شور اس کی چیخوں کو دبانے میں ناکام تھا۔

''دیکھا آپ نے، ثمن چلی گئی مجھے چھوڑ کر۔ کتنا روکا میں نے اسے، اس نے میری بات نہیں سنی۔''

اس نے اپنے برابر میں بیٹھے ارتضیٰ کی طرف دیکھا۔

''وہ زندہ رہتی۔ آپ کے ساتھ رہتی۔ کچھ وقت تو دیتی مجھے۔ اتنا وقت کہ میں مما کا سمجھایا ہوا محبت کا مفہوم سمجھ لیتی۔ مجھے محبت میں ضد کے بجائے صبر کرنا آ جاتا۔'' وہ اب اس کے کندھے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اسے نہ سردی کا احساس ہو رہا تھا اور نہ بارش میں بھیگنے سے کوئی تکلیف، وہ بس روئے چلی جا رہی تھی۔

''صبا! اندر چلو، یہاں بہت سردی ہو رہی ہے۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھر کے اندر لایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اسی کے سہارے چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔ لاؤنج میں سوئے ہوئے معاذ پر ایک نظر ڈالتا وہ اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔ اسے بیڈ پر بٹھا کر وہ ہیٹر آن کرنے لگا تھا۔ وہ ابھی بھی چپ نہیں ہوئی تھی۔ اس کے رونے کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ بس صرف اتنا فرق تھا کہ اب وہ روتے ہوئے چیخ نہیں رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ابھی بھی یہی جملہ تھا۔

''ثمن کو میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ جیسے خود ہی سے مخاطب تھی۔

''وہ میری زندگی کے سترہ سال تھے۔ سترہ دن یا سترہ مہینے نہیں۔ سترہ سالوں کی محبت تھی میری۔ میں اتنی جلدی کیسے بھول جاتی اپنی محبت کو۔ اتنی جلدی کیسے قبول کر لیتی۔ اس بات کو کہ سترہ سال تک جس شخص سے میں نے محبت کی۔ وہ مجھے نہیں ثمن کو مل گیا ہے۔ سترہ سال کی محبت کو بھلانے میں کچھ وقت لگنا تھا۔ اسے مجھے تھوڑا سا وقت دینا چاہئے تھا۔ وہ مجھے کچھ وقت دیتی، اتنا کہ میں تقدیر کے اس فیصلے کو قبول کر لیتی۔

میں اس کی بہن تھی۔ کیا اتنی کمینی ہو سکتی تھی کہ ساری زندگی اس سے حسد کرتی رہتی۔ مجھے تو بس تھوڑا سا وقت چاہیے تھا۔

اس نے مجھے سنبھلنے کا وقت نہیں دیا۔ تھوڑی سی مہلت نہیں دی۔ اس نے صرف مجھے سزا سنائی۔ اس نے مجھے آئینے میں خود میری اپنی اتنی بدصورت اور کریہہ شکل دکھائی، ایسی بدصورت کہ میں خود سے نفرت کرنے لگی۔ خود اپنی نظروں میں گر گئی۔'' وہ اسی طرح سر جھکا کر روتے ہوئے اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی، پھر روتے روتے اس نے ارتضیٰ کی طرف دیکھا، وہ ایک ٹک خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ سب روئے تھے اس کے مرنے پر۔اماں کی پوتی مری تھی، وہ روئی تھیں۔مما اور ڈیڈی کی بیٹی مری تھی، وہ روئے تھے۔بابا کی بھتیجی اور بہو مری تھی، وہ روئے تھے۔آپ کی بیوی مری تھی، آپ کے بیٹے کی ماں مری تھی، آپ روئے تھے۔ظفر بھائی کی بہن مری تھی، وہ روئے تھے۔ لیکن اس نے مجھے اپنی موت پر رونے بھی نہیں دیا تھا۔اس نے مجھ سے سارے حق چھین لیے تھے۔

''وہ ہنسی تھی مجھ پر۔کس منہ سے تم میرے مرنے پر روؤ گی صبا! تم نے میرے مرنے کی دعائیں مانگی تھیں۔تمہاری تو آج دعائیں قبول ہوئی ہیں۔تمہارے لیے تو آج جشن کا دن ہے۔وہ کتنی ظالم ہو گئی تھی۔کتنی کٹھور، وہ خود مر گئی اور صبا کو اس نے جیتے جی مار ڈالا۔میرے اتنے سارے رشتے مجھ سے بچھڑے۔میں نہ رو سکی۔اس نے میرے آنسو چھین لیے تھے۔

کیا واقعی محبت اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس پر انسان کو کبھی معافی ملے ہی ناں؟ اور وہ محبت میں نے کیوں کی تھی؟ کب کی تھی؟ مجھے تو ڈھنگ سے یاد بھی نہیں میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے ہوش سنبھالتے ہی ایک شخص کو خود سے بہت قریب دیکھا تھا۔وہ میرے ساتھ اتنا غیر معمولی سلوک کیوں کرتا تھا؟ شاید کزن سمجھ کر؟ شاید چھوٹی بہن سمجھ کر؟ مگر اس توجہ کے میرے دل نے بہت چھوٹی عمر میں بہت مختلف معنی نکال لیے تھے۔ مجھے محبت کے معنی بھی نہیں پتا تھے اور میں ارتضیٰ غضنفر سے محبت کرتی تھی، بہت چھوٹی عمر میں میرے دل نے مجھے یہ بات سمجھا دی تھی۔

''صبا! یہ شخص جو تمہارا اتنا خیال رکھتا ہے۔تمہاری اتنی پروا کرتا ہے۔یہ صرف اور صرف تمہارا ہے۔'' اتنی پروا کرتا ہے۔یہ صرف اور صرف تمہارا ہے۔ میں ارتضیٰ سے محبت کرتی تھی۔اسے اپنی ملکیت سمجھتی تھی۔'' وہ اسی طرح اس کے چہرے پر نظریں جمائے روتے ہوئے بول رہی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے اسے کوئی کہانی سنا رہی ہو۔پھر کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہوئی اس پر سے نظریں بھی ہٹا لیں لیکن پھر اچانک ہی جیسے اسے کوئی بات یاد آئی تھی۔اس نے دوبارہ اُس کی طرف دیکھا، اتنی دیر میں اب وہ پہلی بار براہ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''کیوں رکھتے تھے میرا اتنا خیال؟ کیوں کرتے تھے میری اتنی پروا؟ کیوں دیتے تھے مجھے اتنی اہمیت؟ کیوں ہر جگہ صرف صبا کی خاطر جیت کر آتے تھے؟ دیکھا ناں کتنا نقصان ہوا میرا۔اسی وقت مجھے بتا دیتے، کہہ دیتے کہ صبا میں یونہی تمہاری پروا کرتا ہوں۔مجھے تم سے ویسی محبت نہیں، جیسی تم سمجھتی ہو۔اسی وقت میری غلط فہمی دور ہو جاتی۔تب ہماری زندگی میں ثمن نہیں آئی تھی، اسی وقت میری محبت کو رد کر دیتے تو میں اس کا ذمہ دار ثمن کو نہیں سمجھتی۔پھر میں یہ کبھی نہیں سوچتی کہ ثمن کی وجہ سے میری محبت مجھ سے چھنی ہے۔''

بولنے اور رونے کے ساتھ ساتھ وہ اس کے بازو کو جھنجوڑنے لگی تھی۔جیسے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہ رہی ہو۔وہ ہنوز خاموش تھا۔

''آپ نے میری غلط فہمی دور نہیں کی۔لیکن ثمن نے کر دی۔اس کے آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ وہ شخص جسے میں بچپن سے صرف اپنا سمجھتی تھی، وہ میرا نہیں تھا۔وہ ثمن کا تھا۔میری بچپن کی محبت ایک جھٹکے میں تم نے مجھ سے چھین لی۔وہ محبت جو میری تھی ہی نہیں، میں اس کے نہ ملنے کا ذمہ دار ثمن کو سمجھنے لگی۔

میں اندر ہی اندر اس سے نفرت کرنے لگی۔اس سے حسد کرنے لگی۔مگر میری نفرت اور حسد بھی اسے آپ کی زندگی میں شامل ہونے سے روک نہیں پائی۔میں اپنی شکست اور بربادی پر سوائے رونے اور ثمن کو بددعائیں دینے کے کچھ کر نہیں سکتی تھی۔بہت دعائیں مانگی تھیں میں نے آپ کو

پانے کے لیے۔ میری کوئی دعا قبول نہیں ہوئی۔

میری دعاؤں میں اثر نہیں تھا مگر میری بددعاؤں میں بہت اثر تھا۔ جس رات آپ دونوں نے نئی زندگی شروع کی، میں ساری رات ثمن کو بددعائیں دیتی رہتی تھی۔ اپنی بہن کے مرجانے کی دعائیں مانگی تھی میں نے۔ بڑے سچے دل سے۔

پھر میری بددعاؤں نے قبر تک اس کا پیچھا کیا۔ اسے قبر تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ میں بھول چکی تھی اپنی ان بددعاؤں کو۔ مجھے وہ اس روز یاد آئیں جب ثمن نے پرپل ساڑھی کی جگہ سفید کفن پہن لیا۔ میں نے تو یونہی بے سوچے سمجھے، غصے میں اسے بددعا دے دی تھی۔ کیا پتا تھا، وہ اسے لگ بھی جائے گی۔'' وہ دوبارہ زور زور سے رونے لگی تھی۔ بہت دیر تک وہ اس طرح چیخ چیخ کر روتی رہی۔

''آپ سے اگر یہ کہوں کہ میں ثمن سے بہت پیار کرتی تھی تو آپ یقین نہیں کریں گے۔ اب تو کبھی بھی نہیں کریں گے۔ لیکن میں اس سے پیار کرتی تھی۔ وہ میری بہن تھی۔ آپ بھی نہ مانیں، ثمن بھی نہ مانے۔ چاہے کوئی بھی نہ مانے، مجھے ثمن سے محبت تھی۔ میں صرف اس لڑکی سے نفرت کرتی تھی جس نے ارتضیٰ غضنفر کو مجھ سے چھینا تھا۔''

مسلسل رونے اور چیخنے سے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ اس کے منہ سے لفظ پورے نہیں نکل رہے تھے۔ لیکن وہ پھر بھی چپ نہیں ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی۔ اسے اس بات کا نہ کوئی ہوش تھا نہ پروا کہ ارتضیٰ یہ سب باتیں سن کر اس کے متعلق کیا سوچے گا۔ وہ ہر بات سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

''بڑی خوش تھی میں اس روز جب مما اور ڈیڈی نے مجھے سفیر فیروز کے سنگ رخصت کیا تھا۔ میں اپنے تصور میں ثمن کا چہرہ لاتے ہوئے مسکرائی تھی۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ اس کی سب سوچیں غلط تھیں۔ میں نے اس کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا۔ میں تو اس گھر سے ہمیشہ کے لیے دور جا رہی ہوں۔ کتنا سکون ملا مجھے اس روز۔ میں ثمن کی نظروں میں سرخرو ہو گئی تھی۔ مگر تقدیر نے میرے ساتھ کتنا بھیانک کھیل کھیلا۔ شادی کی پہلی رات میرے شوہر نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔'' وہ اب اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھی۔

''ثمن نے ایک روز مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرے لیے دعا کرتی ہے کہ مجھے ارتضیٰ غضنفر جیسا محبت کرنے والا شوہر ملے۔ مجھے اس کی وہ بات بہت بری لگی تھی۔ کیوں دے رہی تھی وہ مجھے یہ دعا ارتضیٰ غضنفر کے بعد نہ پھر مجھے محبت چاہیے تھی اور نہ محبت کرنے والا کوئی شخص۔ میں نے خود اپنے لیے دعا مانگی تھی کہ جب میں ارتضیٰ کو اچھی نہیں لگی تو پھر کبھی بھی کسی کو اچھی نہ لگوں۔ جب اسے مجھ سے محبت نہیں ہوئی تو پھر کبھی بھی کسی کو مجھ سے محبت نہ ہو۔ مجھے کسی کی محبت نہیں چاہیے، مجھے کسی کی توجہ نہیں چاہیے۔''

اس نے یک دم ہی اپنے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا دیے تھے۔

''بڑے سچے دل سے میں نے خود کو بددعا دی تھی۔ صبا کو زندگی میں سب کچھ ملا، بس محبت ہی نہیں ملی۔'' اس نے اپنی ہتھیلیاں سامنے پھیلائی ہوئی تھیں۔ جیسے ان میں محبت کی لکیر ڈھونے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے آنسو اس کی ہتھیلیوں پر گر رہے تھے۔

''دیکھیں، نہیں ہے محبت کی لکیر میرے ہاتھ میں۔ میں نے سفیر سے بھیک مانگی تھی اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے۔ مجھے کسی بے عزتی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ آپ کو لگا تھا مجھ میں عزت نفس اور غیرت بالکل ختم ہو گئی ہے۔ ہاں ہو گئی تھی مجھ میں عزت نفس ختم۔ میں اس رشتے کو ختم کر کے

واپس اپنے گھر آ جاتی۔ پھر سے ثمن کے سامنے شرمسار ہونے کے لیے۔ اب کم از کم میں ثمن کی تصویر کے آگے سر اٹھا کر کھڑی ہو سکی تھی۔ میں کوششیں کرتی رہی اس رشتے کو جوڑے رکھنے کی اور اس رشتے کو تو ختم ہونا ہی تھا۔ زندگی نے مجھ سے کہا، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم ثمن کی جگہ لینا چاہتی تھیں تو لو اب۔ یہ لو یہ ثمن کا شوہر تمہارا، یہ اس کا بیٹا تمہارا، یہ اس کی جگہ تمہاری۔ اس کی ہر چیز تمہاری۔ اب تم پل پل جینا، پل پل مرنا۔ بنا لیا میں نے اپنی بہن کی قبر پر اپنی محبت کا محل۔ چھین لی اس سے اس کی ہر چیز۔ خود کو کوڑے ماروں، اپنے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ مٹا دوں خود کو، پھر بھی اس سچائی سے منہ نہیں چھپا سکتی کہ جو زندگی میں کبھی چاہا تھا وہ آخر کار پا لیا۔ میرا زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن موت مجھے قبول نہیں کرتی۔ لوگ اتنی آسانی سے مرجاتے ہیں، مجھے تو موت بھی نہیں آتی۔"

☆☆☆

وہ ڈاکٹر کے دیے ہوئے انجکشن کی وجہ سے بڑی پرسکون اور گہری نیند سو رہی تھی۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے اور نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اس کے پاس سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ہٹا تھا۔ رات جو طوفان آیا وہ اب تھم چکا تھا۔ بارش بالکل رک چکی تھی۔ موسم کل سے زیادہ سرد ہو گیا تھا۔ وہ اس پر نظریں جمائے گزرے کل کی ساری باتیں ایک ایک کر کے سوچتا چلا جا رہا تھا۔ کل کا دن اس کی زندگی کا کیسا دن تھا، کل کی رات اس کی زندگی کی کیسی رات تھی۔ آفس میں اسے بہت کام تھے۔ ایک بہت اہم میٹنگ تھی۔ لیکن اس کا کوئی کام اس کے بیٹے سے زیادہ اہم نہیں تھا، اس نے آفس میں اپنی اس روز کی سب مصروفیات منسوخ کر دی تھیں۔

وہ جلدی جلدی اپنے ضروری کام نمٹانے میں لگا ہوا تھا۔ صبح دس بجے اس کے پاس انیس انکل کا فون آیا۔ وہ بابا کے کالج کے دنوں کے بہت اچھے دوست تھے۔ بابا کے حوالے سے ارتضیٰ کی بھی ان سے بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ تھی۔ اس صبح بھی انہوں نے اسے اپنے کام سے فون کیا تھا۔ ان کی نئی فیکٹری کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ وہ ارتضیٰ کو اپنی فیکٹری کی سائٹ پر لے جانا چاہتے تھے۔ اسے انیس انکل کو منع کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ پھر آج کی اپنی باقی تمام مصروفیات تو وہ ملتوی کر ہی چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ آفس سے بجائے ساڑھے چار کے تین بجے اٹھ جائے گا۔

وہ آفس سے تین بجے اٹھ گیا، انیس انکل کو اس نے ان کے گھر سے پک اپ کیا، سارا راستہ وہ ان سے ان کی فیکٹری کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ وہ دونوں سائٹ پر پہنچے تو گاڑی سے اترتے ہوئے اسے اپنے موبائل کا خیال آیا۔ وہ موبائل اپنے آفس میں بھول آیا تھا۔ اب یہاں پہنچ کر موبائل کو بھول آنے پر سوائے افسوس کے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ انیس انکل کے ساتھ سائٹ کا معائنہ کرنے لگا۔ لیکن اچانک ہی پتا نہیں انہیں کیا ہوا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے، یوں جیسے وہ بڑی تکلیف میں ہوں۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس نے انہیں سہارا دے کر بٹھایا۔ انہوں نے خود اپنی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر زبان کے نیچے رکھ لی تھی۔ وہ بہت پرانے ہارٹ پیشنٹ تھے یہ وہ جانتا تھا۔ دوا لینے کے باوجود بھی ان کی حالت نہیں سنبھلی تھی۔ ایک طرف ان کی اچانک طبیعت خراب ہوئی تھی۔ دوسری طرف زوردار بارش، اس نے جلدی سے انہیں گاڑی میں بٹھایا۔ فوراً کسی قریبی ہاسپٹل پہنچ سکے۔ وہ وہاں سے کچھ ہی دور گیا تھا کہ راستے میں اس کی گاڑی خراب ہو گئی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔

تنگ آ کر اس نے گاڑی کو اس کے حال پر چھوڑا اور جلدی سے باہر نکل کر ٹیکسی ڈھونڈنے لگا۔ گاڑی خراب ایسی سڑک پر ہوئی تھی جو بالکل سنسان تھی۔ بارش کے بعد تو وہاں اور بھی سناٹا تھا۔ اکادکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ مگر کسی ٹیکسی کا کہیں کوئی وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے ایک دو پرائیویٹ گاڑیوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہیں رکیں۔ ادھر گاڑی میں انیس انکل کی حالت خراب تھی۔ ادھر وہ سڑک کے آخری کونے تک ٹیکسی کی تلاش میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ بڑی جدوجہد کے بعد وہ ٹیکسی لے کر آنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ لوگ ہاسپٹل پہنچے، انیس انکل کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ انہیں فوری طور پر آئی سی یو میں داخل کیا گیا تھا۔ وہ آئی سی یو میں لے جائے گئے اور وہ باہر کھڑا رہا۔ تب پہلی مرتبہ اسے گھڑی دیکھنے کا خیال آیا۔ گھڑی ساڑھے سات بجا رہی تھی۔

اسے معاذ کا خیال آیا۔ انیس انکل کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ ان کی بیوی اور بیٹی امریکہ گئی ہوئی تھیں، وہ آج کل یہاں بالکل تنہا رہ رہے تھے۔ ان کے کسی قریبی عزیز کی غیر موجودگی میں اس حالت میں انہیں اکیلا چھوڑ کر آنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے صبا کی فکر تھی۔ اسے معاذ کی فکر تھی۔ اسے معاذ کی ناراضی کی فکر تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اسے انیس انکل کی فکر تھی۔ وہ گھر فون کرنے آیا تاکہ صبا اور معاذ اس کے لیے پریشان نہ ہوں۔ شام پانچ بجے آنے کا وعدہ کرنے والا اگر ساڑھے سات آٹھ بجے تک نہ آئے اور اپنے بارے میں کوئی اطلاع بھی نہ دے تو گھر والوں کی پریشانی لازمی ہے۔

ریسپشن پر آ کر اس نے گھر فون کیا۔ لائن انگیج تھی۔ اس نے دوبارہ کیا، دوبارہ بھی انگیج تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب صبا، رضا اور پھر اس کے بعد ارتضٰی کے تمام جاننے والوں کو فون کر رہی تھی۔ اس نے کتنی مرتبہ ٹرائی کیا۔ ہر بار لائن انگیج ملی۔ وہ واپس آئی سی یو کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ سوچ کر تھوڑی دیر میں پھر ٹرائی کروں گا۔ پھر جب اس نے جا کر ٹرائی کیا تو لائن مل گئی۔ بیل بالکل ٹھیک جا رہی تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا۔ اس کے حساب سے تو پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کی جانی چاہیے تھی۔ اس کی پریشانی میں وہ یقیناً فون کے بالکل پاس ہی بیٹھی ہو گی۔ مگر وہاں تو بیل پر بیل جا رہی تھی اور کوئی فون سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بہت دیر تک اس نے بیل ہونے دی لیکن کوئی فائدہ نہیں، وہ وہیں ریسپشن پر کھڑا رہا۔ اس نے دوبارہ ٹرائی کیا۔ اس بار بھی بیل جا رہی تھی اور کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ تنگ آ گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ کیا بارش کی وجہ سے گھر کا فون خراب ہو گیا تھا۔ وہ اس حالت میں انیس انکل کو اکیلا چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا اور گھر پر اس کا رابطہ ہو نہیں رہا تھا۔ وہ کیا کرے، وہ حقیقتاً مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

رضا اور فائزہ کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ دونوں آج دوپہر کسی ضروری کام سے اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ اگر وہ ہوتے تو وہ رضا سے ہی کانٹیکٹ کر لیتا۔ اللہ اللہ کر کے انیس انکل کی طبیعت سنبھلی تھی۔ وہ اب مزید ان کے پاس نہیں رک سکتا تھا۔ پہلی فرصت میں وہ ٹیکسی سے گھر واپس آیا تھا۔ اس نے صبا کی پریشانی کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ وہ اسے کتنا بھی اگنور کرتی تھی، کتنا بھی مس بی ہیو کرتی تھی اس کے باوجود وہ جانتا تھا کہ سب باتیں بھول کر اس وقت وہ صرف اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔ لیکن وہاں آ کر جو اس نے دیکھا، وہ اس کی توقعات سے بھی زیادہ سنگین تھا۔

وہ اب سوچ رہا تھا کہ کل جو کچھ بھی ہوا، وہ سب محض اتفاق نہیں تھا۔ تقدیر نے کل کے دن کے واقعات اسی ترتیب سے رقم کیے تھے۔ اتنے سارے اتفاقات۔ اسے ماننا پڑا کہ جب تقدیر کو کسی کام کو انجام دلوانا ہوتا ہے تو وہ اس کے لیے اسباب بھی خود ہی پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ کل

رات جو کچھ ہوا، وہ ہونا چاہیے تھا اور اسے ضرور ہونا چاہیے تھا۔

زندگی ایک ہی رات میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اسے صبا کی کسی بات پر حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے جانتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اور اب اس محبت کو چھپانے کے لیے نفرت کا اعلان کرتی ہے۔ باقی باتیں وہ نہیں جانتا تھا۔ صبا کے ثمن کے لیے جذبات اس کا ارتضیٰ اور ثمن کی شادی پر ردعمل، ثمن کے مرنے کے بعد کی اس کی سوچیں، اس کی ندامت، اس کا احساس جرم وہ ان میں سے کسی بھی بات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ صبا نے خود بتایا تو اسے پتا چلا۔ لیکن اسے ان باتوں پر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اسے یوں لگا تھا کہ جیسے ایک بات جو وہ بڑے سرسری انداز میں جانتا تھا، کل رات اسے اس کی سب تفصیلات مل گئی تھیں۔

اس سب کے باوجود بھی وہ باتیں اسے بہت حیرت انگیز نہیں لگی تھیں۔ حیرت انگیز انکشافات تو اسے خود اپنے بارے میں ہوئے تھے۔ وہ اب تک سکتے کی حالت میں تھا۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟''

''میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔ میں نے آپ سے محبت کی ہے۔ آپ کو کچھ ہوا تو میں بھی مر جاؤں گی۔''

کیا ہوا تھا اس پل...... اس پل جب وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر روتے ہوئے اس سے محبت کا اعتراف کر رہی تھی۔ وہ پورا کا پورا ہل گیا تھا۔ اسے صبا کے اعتراف نے نہیں ہلایا تھا۔

اسے خود اس کے دل کے اعتراف نے ہلا دیا تھا۔ ''ہاں تو میں نے کب انکار کیا ہے اس بات سے۔ میں تو خود کہتا ہوں کہ مجھے صبا سے محبت ہے۔ میں اپنی پچھلی پوری زندگی اس محبت کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکتا ہوں۔ میرے ماضی کا ہر لمحہ گواہ ہے اس محبت کا جو مجھے صبا سے ہے۔''

اس نے اپنے دل کو فوراً جواب دیا تھا اور وہ جواباً یوں ہنسا جیسے ایک بچے کی کسی معصومانہ بات پر ہنس دیا جاتا ہے۔

وہ اس سے سات سال چھوٹی تھی اور سات سال کے اس فرق کو اس نے ہمیشہ سترہ سال کا فرق سمجھا تھا۔

اسے وہ گڑیا بچپن سے ہی اچھی لگتی تھی۔ وہ اپنی پاکٹ منی ساری کی ساری اس پر خرچ کر دیا کرتا تھا۔ اس کی ضدیں پوری کرنا کتنا اچھا لگتا تھا اسے۔ وہ بات بات پر روتی اور وہ اس کے آنسو دیکھتے ہی جھٹ اس کی فرمائش پوری کر دیا کرتا۔

وہ پڑھ رہا ہوتا، وہ آ کر اسے ڈسٹرب کرتی۔ لیکن وہ اسے ڈانٹ کر کبھی اپنے پاس سے بھگاتا نہیں تھا۔

وہ اس کی دوست نہیں تھی۔ دوست تو ہم عمر ہوتے ہیں۔ وہ تو اس سے بہت چھوٹی تھی۔ یہ ''بہت چھوٹی'' کا لفظ زندگی کے کسی مقام پر کبھی اس کے ذہن سے نہیں نکلا تھا۔ جیسے جیسے اس نے عمر کی منزلیں طے کیں، اس کی میچورٹی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ ریزرو گیا اور صبا، وہ ایسی ہی رہی۔ وہی ضدی انداز، وہی شرارتیں، وہ اتنی ام میچور تھی کہ ارتضیٰ اسے بچہ سمجھ کر پیار کرنے کے علاوہ کسی اور طرح سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ ہارنے سے نہیں ڈرتا تھا۔ لیکن صبا کے آنسوؤں سے ڈرتا تھا۔ وہ روئے گی اگر اس نے پہلی پوزیشن نہیں لی۔ وہ روئے گی اگر اس نے یہ گیم نہیں جیتا، وہ لندن جانے لگا تو وہ کتنا روئی تھی۔

''میں روکوں گی پھر بھی نہیں رکیں گے؟'' کس طرح روتے ہوئے اس نے اس سے یہ سوال پوچھا تھا۔

''تم روؤگی تو میں فوراً رک جاؤں گا۔ اسی لیے تو چاہتا ہوں کہ تم مجھے مت روکو۔'' پھر مما کے سمجھانے پر وہ اس کے جانے پر راضی ہوگئی تھی۔ اگر وہ اس کے جانے کے لیے نہ مانتی تو وہ وہاں کبھی بھی نہ جا پاتا۔

پھر وہ لندن چلا گیا تو کتنے دنوں صبا کے آنسوؤں کی وجہ سے ڈسٹرب رہا۔ وہ انتہائی مصروفیت میں بھی اسے خط لکھتا تھا۔ وہ امتحان سے فارغ ہو کر پاکستان آنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ آسٹریلیا چلا گیا۔ وہاں وہ پورے دل سے خوش نہیں ہو پایا۔ اسے رہ رہ کر یہ خیال آتا رہا کہ صبا اس کے کراچی نہ جانے پر بہت روئی ہوگی۔

صبا نے اپنی ناراضی کے اظہار کے لیے کچھ دن اس سے فون پر بالکل بات نہیں کی۔ اسے اس کی ناراضی پریشان کرتی رہی۔

وہ واپس پاکستان آیا تو صبا بڑی ہوگئی تھی۔ اس نے شلوار قمیص کے ساتھ دوپٹہ اوڑھنا شروع کر دیا تھا۔ بے تکلفی سے اس کے برابر میں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس کا وہ انداز بڑا کیوٹ لگتا تھا۔ اسے معلوم تھا اس کا صرف قد لمبا ہوا ہے۔ اندر سے وہ اتنی ہی چھوٹی ہے جتنی پہلے تھی۔ وہ ویسی ہی شرارتی تھی۔ وہ ویسی ہی ضدی تھی۔ وہ کتنی بھی بڑی ہو جائے ارتضیٰ کے لیے اسے ہمیشہ بچی ہی رہنا تھا۔

پھر اس کی زندگی میں ثمن آئی۔ ارتضیٰ کو وہ بہت اچھی لگی۔ وہ اس سے محبت کرنے لگا۔ اس نے ثمن سے شادی کا فیصلہ کیا۔ کتنا خوش تھا وہ ثمن کے ساتھ منگنی ہونے پر، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی میں صبا کی اہمیت میں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔ ثمن کے لیے وہ، وہ تحفہ خریدتا جو اس کا دل چاہتا کہ وہ ثمن کو دے۔ اور صبا کے لیے وہ، وہ چیز خریدتا جو صبا کو پسند ہوتی۔ بعض دفعہ صبا کی پسند کی چیز اسے بڑی مشکل سے ملتی۔ اس کی پسند کی چیزیں کتنی بچکانہ سی ہوتی تھیں لیکن انہیں ڈھونڈتے اور خریدتے ہوئے کبھی اسے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک بے کار اور احمقانہ کام میں اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔ سیدھے سیدھے اپنی مرضی سے کوئی بھی چیز خرید لے اسے تحفے میں دینے کے لیے۔

صبا کی شادی ناکام نہ ہوتی تو شاید وہ کبھی اس بات کو جان ہی نہ پاتا کہ صبا حقیقت میں اس کے لیے ہے کیا۔

صبا کے ساتھ اس کا انوکھا بندھن تھا۔ اس میں نہ ہجر تھا نہ وصال، اس میں نہ پانے کی خواہش تھی، نہ کھو دینے کا ملال، اس کی صرف ایک خواہش تھی، صبا ہمیشہ خوش رہے۔ اسے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس نے زندگی میں کبھی کسی شخص سے اتنی نفرت نہیں کی۔ جتنی سفیر فیروز سے کی۔ وہ ہر اس شخص سے انتہائی حدوں تک نفرت کرتا تھا جو صبا کو تکلیف دے۔

صبا کو یاد نہیں کہ اسے ارتضیٰ غضنفر سے پہلی بار محبت کب ہوئی۔ لیکن اسے یاد تھا۔ وہ آٹھ اپریل تھی۔ شام کا وقت تھا۔ جب اس نے پہلی بار صبا کو دیکھا تھا۔ سات سال کی عمر میں اس نے اس لڑکی سے محبت کرنا شروع کر دی تھی۔

اس نے صبا سے شادی کی خواہش کا اظہار صرف مما کے آنسوؤں اور ڈیڈی کی اداسیوں کو دیکھتے ہوئے کیا۔

لیکن صبا اس شادی کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ اس رشتے سے نفرت کرتی تھی۔ وہ صبا کے اس ردعمل کی وجہ ڈھونڈنے میں لگا رہا۔

وہ کم عمر اور جذباتی سی لڑکی جسے وہ چھوٹی سی بچی سمجھتا تھا اس کے ساتھ آخر اس کا رشتہ تھا کیا؟ اس کے بہت اندر چھپی تھی یہ بات۔ اتنے اندر کہ کبھی خود اس پر ہی منکشف نہ ہو سکی۔ صبا کے اعتراف نے اسے ہلا دیا تھا۔ اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے زندگی میں کبھی بھی کسی عورت کے

آنسوؤں سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی تھی جتنا صبا کے آنسوؤں سے ہوتی تھی۔ اور اس وقت بھی وہ اسی تکلیف سے گزر رہا تھا۔ اس وقت جب وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر رو رہی تھی۔

صبا نے ثمن کے لیے نفرت سے بھی کیوں سوچا تھا، وہ اسے بد دعائیں کیوں دیتی تھی، وہ ثمن سے حسد کیوں کرتی تھی اس نے ایک پل کے لیے بھی صبا کے خلاف کچھ نہیں سوچا۔ وہ صحیح تھی یا غلط، وہ اچھی تھی یا بری۔ وہ صبا تھی۔ اس نے زندگی میں جو کچھ کیا، وہ سب غلط تھا۔ تب بھی وہ اس کے لیے وہی صبا تھی۔ وہ اس کے بارے میں اپنے سوچنے کا انداز تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔

صبا کی طرف دیکھتے دیکھتے اس نے اپنی اور ثمن کی تصویر کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بیڈ روم جو اس نے ثمن کے لیے بڑی محبت سے سجایا تھا۔ اس میں لگی اپنی ہنی مون کے دنوں کی یہ یادگار تصویر اسے کس قدر پسند تھی۔ وہ کرسی پر سے ایک دم ہی اٹھا تھا۔ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا وہ اب اس تصویر کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی نگاہیں ثمن کے چہرے پر جمی تھیں۔

''ثمن! میں نے نہ زندگی میں کل تم سے جھوٹ بولا تھا اور نہ آج بولوں گا۔ تم میری زندگی میں آنے والی سب سے اچھی لڑکی تھیں۔ تم کسی اور دنیا کی لگتی تھیں۔ کسی پریوں کے دیس کی شہزادی، جو رستہ بھول کر ہم انسانوں کی دنیا میں آ گئی تھی۔ ثمن! آج مجھے یہ اعتراف کر لینے دو کہ میں نے تم سے تمہاری خوبیوں کی وجہ سے محبت کی تھی۔

اگر تم میں یہ تمام خوبیاں نہ ہوتیں تو میں کبھی تمہاری محبت میں مبتلا نہ ہوتا، اور صبا؟ صبا میرے لیے کیا ہے......؟

صبا مجھے اس لیے اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ صبا ہے۔ وہ اچھی ہے یا بری۔ اس میں خوبیاں ہیں یا خامیاں، وہ صحیح ہے یا غلط، میں پھر بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ دل کا رشتہ تھا ثمن، تو صبا کے ساتھ میرا روح کا رشتہ ہے۔ یہ محبت کا کون سا انداز ہے میں نہیں جانتا۔ یہ عشق ہے، یہ جنون ہے۔ یہ کیا ہے، مجھے نہیں معلوم۔

☆☆☆

ارتضیٰ کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیسی طبیعت ہے صبا؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا۔

''ٹھیک ہے'' اس نے بہت آہستہ آواز میں اس کا جواب دیا۔

''یہ دیکھو چیز سینڈوچز بنائے ہیں، میں نے تمہارے لیے۔ کھا کر بتاؤ کیسے بنے ہیں۔'' وہ ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے، اس کے برابر میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی سے ٹرے کی طرف دیکھنے لگی۔

''لو ناں صبا! میں نے اتنی محنت سے تمہارے لیے سینڈوچز بنائے ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ یہ سینڈوچز تمہیں بہت پسند آئیں گے۔'' اس نے پلیٹ میں سے سینڈوچ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس نے کھانا شروع کر دیا۔

''کہو مزے کا ہے کہ نہیں۔'' اس سے جواب میں کچھ بھی نہیں بولا گیا۔ نوالہ اس کے حلق میں پھنسنے لگا تھا۔ حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا

لگنے لگا تھا۔

''یہ کافی بھی تو پیو، تمہارے جیسی مزے کی کافی تو میں کبھی نہیں بنا سکتا۔ بہر حال یہ کافی بھی اتنی بری نہیں ہے۔ میرے حساب سے یہ میری بہترین کاوش ہے۔''

وہ اس کی کیفیت سے انجان بنا کافی کا مگ اٹھا کر اسے دینے لگا۔ اس شخص کے سامنے وہ اپنی اصلیت اس پر ظاہر کر کے پشیمان نہیں تھی۔ وہ ایسا سکون محسوس کر رہی تھی جیسے ایک باضمیر مجرم اعتراف جرم کے بعد کرتا ہے۔

لیکن یہ شخص...... وہ اس شخص کو کیا کہے۔ اس کی سب باتوں کو سننے کے بعد بھی اس کا اس کے ساتھ وہی انداز تھا۔ وہی نرم اور شیریں لہجہ، وہی چہرے پر مسکراہٹ۔

اس نے اپنے برابر میں بیٹھے اس شخص کی طرف دیکھا۔

''میری ماں اگر تم پر اندھا اعتماد کرتی تھی تو بالکل ٹھیک کرتی تھی۔ تم واقعی میرے لیے ایک سایہ دار شجر کی مانند ہو۔ تم نے میرے اتنے بڑے گناہ کو معاف کر دیا۔

اتنے اچھے کیوں ہو ارتضٰی غضنفر؟ تمہیں میری کوئی بات بری کیوں نہیں لگتی؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔ اس نے ارتضٰی پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

''معاذ کو زبردستی لنچ کرا کے آیا ہوں۔ بہت ناراض ہے مجھ سے۔ بالکل بات نہیں کر رہا۔ تم اپنی طبیعت جلدی سے ٹھیک کر لو تاکہ پھر ہم کہیں باہر جا سکیں اور معاذ کا 'موڈ' ٹھیک ہو۔'' وہ اس کی سوچوں سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔ اسے صبا کے چہرے پر جیسے کچھ نظر آ ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے ارتضٰی پر سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ اب خاموشی سے سینڈوچ کھا رہی تھی۔ سینڈوچ ختم کر کے اس نے کافی کا مگ بھی پورا خالی کر دیا تھا۔

''بس ایک سینڈوچ؟ اور لو نا۔''

''میں کھا چکی۔'' اس نے پہلے سے بھی ہلکی آواز میں جواب دیا۔

اس نے مزید اصرار کیے بغیر ٹرے سامنے سے ہٹا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس کی نظریں محسوس کر رہی تھی۔ لیکن اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا نہیں تھا۔

''تم ثمن سے بہت محبت کرتی ہو۔ تمہارے یقین دلائے بغیر بھی ہر بات مجھے معلوم ہے۔ تم نے خود کو سزا دی اس بات پر کہ جس سے تمہیں اتنی محبت تھی، اس کے بارے میں لمحہ بھر کے لیے بھی تمہارے دل میں برے خیال کیوں آئے تھے۔'' صبا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ثمن تمہاری وجہ سے نہیں مری تھی صبا! یہ کاتب تقدیر کا فیصلہ تھا۔ وہ حادثہ تمہاری وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ اور نہ تم کوئی بہت پہنچی ہوئی اور بزرگ ہستی ہو کہ کسی کو بددعا دو اور وہ اسے لگ بھی جائے۔ تمہیں صرف ہماری شادی ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔ لیکن اسے ہونے سے روکنے کے لیے تم نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ تم ہم دونوں کے بیچ غلط فہمیاں پیدا کروا سکتی تھیں۔ تم مجھ سے بھی ثمن کے خلاف بہت کچھ کہہ سکتی تھیں۔ تم بڑی آسانی سے

ہمارے درمیان لڑائی کرواسکتی تھیں۔لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔

صرف محبت کرنا جرم نہیں، ہاں اپنی محبت کے حصول کے لیے غلط راستہ اختیار کرنا ضرور جرم ہے۔اور تم اس جرم کی مرتکب نہیں ہوئی ہو۔تم نے کچھ غلط نہیں کیا، صبا! تم نے ثمن سے کچھ نہیں چھینا۔تمہاری مجھ سے شادی ہونا ہماری قسمت میں لکھا تھا۔''

اس کا اسے سمجھانے کا وہی انداز تھا جو ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ وہ اب خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند سیکنڈز کی خاموشی ان کے درمیان آئی تھی۔پھر اس خاموشی کو ارتضٰی ہی نے توڑا۔

''کل تم نے مجھ سے کچھ سوالات کیے تھے۔''

بولتے ہوئے اس نے بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''میں تمہارے ان سوالوں کا جواب دینا چاہتا ہوں صبا!'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ مضبوط لہجے میں بولا۔وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہارا خیال اس لیے رکھتا تھا کیونکہ تمہارا خیال ہر وقت میرے ساتھ رہتا تھا۔تمہیں اہمیت اس لیے دیتا تھا کیونکہ تم میرے لیے بہت اہم تھیں۔تمہارے لیے اس وجہ سے جیتتا تھا کیونکہ تم میرے جیتنے سے خوش ہوتی تھیں۔تمہاری خوشی مجھے اپنی خوشی لگتی تھی۔

جس توجہ، جس خیال کرنے کو تم محبت سمجھتی تھیں۔وہ محبت تھی، وہ بالکل ویسی ہی محبت تھی جیسا تم اسے سمجھتی تھیں۔''

وہ ایک ایسی بات اسے بتا رہا تھا کہ وہ آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی لیے، پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھے چلی جا رہی تھی۔اس نے اس کی آنکھوں کی حیرت اور بے یقینی کو فوراً پڑھ لیا تھا۔

''تم جانتی ہو صبا کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔اگر مجھے تم سے محبت تھی تو میں نے ثمن سے شادی کیوں کی؟ میں یہ بات تمہیں نہیں سمجھا سکتا۔

محبت ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کی ہے مگر ہماری محبت کا انداز بہت مختلف تھا۔تمہاری محبت حق جتانے والی تھی، ملکیت سمجھنے والی تھی۔

اور میں چاہتا تھا کہ تم سے ہر کوئی محبت کرے۔ بالکل ویسی جیسی میں کرتا ہوں، کتنی دعائیں مانگی تھیں۔ میں نے کہ سفیر تمہارا اسی طرح خیال رکھے، جیسا میں رکھتا ہوں۔وہ تم سے محبت کرتا، تم اس کے ساتھ خوش رہتیں تو مجھے ایک پل کے لیے بھی افسوس نہ ہوتا۔ ہمارے محبت کرنے کا انداز مختلف تھا صبا لیکن ایک دوسرے سے محبت ہم ایک جتنی ہی کرتے تھے۔

میری زندگی کے تمام سالوں میں سے صرف سات سال نکال دو۔ان شروع کے سات سالوں کے بعد پھر ساری زندگی میں نے تم سے محبت کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔

''تمہارے ساتھ جو میرا رشتہ ہے صبا! وہ بہت ہی عجیب رشتہ ہے۔اسے میں کوئی نام دے نہیں پا رہا۔''

وہ اپنے دل کی تمام تر سچائیوں اور گہرائیوں کے ساتھ اس سے مخاطب تھا۔صبا کی آنکھوں کی بے یقینی ختم ہو چکی تھی۔ وہاں اب صرف حیرت تھی۔

"ایک بار ایسا ہوا تھا صرف ایک بار۔ جب میں تمہارے لیے نہیں جیتا تھا۔ کیونکہ میرے ہارنے سے ثمن خوش ہوئی تھی۔ بڑا خوش تھا میں ہار کر لیکن تمہارے آنسوؤں نے میری اس خوشی کو بہت جلد اداسی میں بدل دیا تھا۔

اور ایسا زندگی میں ہمیشہ ہوا ہے صبا، وہ خوشی جس کے راستے میں صبا کے آنسو آتے ہوں۔ وہ خوشی پھر مجھے کبھی بھی خوشی نہیں دے سکتی۔ یہ سچ ہے کہ ثمن بھی میرے دل سے نہیں نکل سکتی، لیکن اس سے بھی بڑا سچ یہ ہے کہ میری زندگی میں جو جگہ اور جو مقام تمہارا ہے، وہ کسی کا بھی نہیں۔

تمہارے لیے میرے دل نے کبھی کوئی منطق نہیں مانی۔ تم برے سے برا اور غلط سے غلط کام بھی کرو گی تو میں اسے غلط سمجھنے کے باوجود بھی تمہارا ساتھ دینے پر خود کو مجبور پاؤں گا۔"

وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بڑے یقین سے بول رہا تھا اور صبا کو کیا ہوا تھا اس پل، وہ ہار گئی تھی خود سے۔

ارتضیٰ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنا دل نہیں بدل سکتا۔ اور صبا پر اچانک ہی انکشاف ہوا کہ وہ بھی اپنا دل نہیں بدل سکتی۔ وہ خود سے کچھ بھی کہے۔ کتنے بھی جھوٹ بولے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ آج بھی اسی شخص سے محبت کرتی ہے جو چیز اس کے بس میں نہیں تھی۔ اس کے لیے وہ خود پر گرفت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے یک دم ہی آنسو بہنے لگے تھے۔ اپنی برسوں کی تھکن اتارنے کے لیے اسے وہ کندھا میسر تھا جس پر سر رکھ کر وہ اپنے سارے آنسو بہا سکتی تھی۔ اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

☆☆☆

بابا اور ڈیڈی ان لوگوں کی اتنی جلد واپسی پر بہت حیران تھے۔

"بس آپ دونوں مجھے بہت یاد آ رہے تھے۔ اس لیے ہم واپس آ گئے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے بابا سے کہا۔

"خیر تم لوگ جلدی آ گئے تو ایک طرح اچھا ہی ہوا۔ پرسوں رات ظفر کا فون آیا تھا۔ وہ لوگ پاکستان آ رہے ہیں۔" بابا نے ان لوگوں کو اطلاع دی۔

"واقعی!" وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ہاں ظفر واپس آ رہا ہے۔ ہمیشہ کے لیے۔ اس گھر کے مکین واپس اپنے گھر آ رہے ہیں۔ یہ گھر پھر سے آباد ہونے والا ہے۔" ڈیڈی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، خوشی تھی، اس کے دل کو اطمینان تھا۔ زندگی جس طرح ایک روز اچانک اس گھر سے رخصت ہوئی تھی۔ اسی طرح اچانک واپس بھی آ گئی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ وہ ارتضیٰ کے لیے کافی بنانے کچن میں آئی تھی۔ کافی بنا کر وہ کچن سے نکلی تو اس کی نگاہ لاؤنج میں لگی اس تصویر پر پڑی۔ وہ اس تصویر سے نگاہیں چرانے کے بجائے بڑی بے ساختگی میں اس کے قریب آ گئی۔

اس نے اپنی نگاہیں ثمن کے چہرے پر جما دی تھیں۔

''مجھے پتا ہے، تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔ پھر بھی میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ ایک قدم مزید بڑھا کر اس تصویر کے بالکل نزدیک آ گئی۔

''محبت سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی ثمن! میں ارتضیٰ غضنفر سے محبت کرتی ہوں ثمن! میں معاذ ارتضیٰ سے محبت کرتی ہوں۔ مگر میں ان پر اپنا کوئی حق نہیں سمجھتی۔ تمہارا شوہر اور تمہارا بیٹا میرے پاس تمہاری امانت ہیں اور اگر قیامت کے دن ایسا کرنا ہم انسانوں کے بس میں ہوا، تو تمہاری یہ امانت میں خوشی خوشی تمہیں لوٹا دوں گی۔''

اس تصویر کے پاس سے ہٹ کر اس نے اپنے قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھا دیے تھے۔ اس کے یہ قدم اس کمرے کی طرف جانے کے لیے اٹھ رہے تھے، جہاں جاتے ہوئے آج اسے کوئی ندامت نہیں تھی۔

ختم شد

FOR MORE QULAITY NOVELS, MONTHLY DIGESTS WITH DIRECT DOWNLOAD LINKS, VISIT US AT

http://www.paksociety.com